دین و دنیا اور اللہ کی رضا

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

عمر پبلی کیشنز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (القرآن)

دین و دنیا اور اللہ کی رضا

افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ترتیب

مولانا محمد ندیم قاسمی، ایم اے

ناشر

عمر پبلی کیشنز

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ 38۔ اُردو بازار لاہور

Designed By M I Saher 03-6 7907599

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ..... دین ودنیااوراللہ کی رضا
افادات ..... حضرت مولانا پیرذوالفقاراحمدنقشبندی مدظلہ
مرتب ..... مولانا محمدندیم قاسمی، ایم اے
بہ اہتمام ..... حافظ محمداحمد چوہدری
اشاعت ..... دسمبر 2007ء
ناشر ..... عمر پبلی کیشنز، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
38۔اُردو بازار لاہور 7356963
قیمت ..... 180 روپے

استدعا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت اور جلد بندی میں پوری احتیاط کی ہے، تاہم انسان، انسان ہے۔ سہواً اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح ہوسکے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین و دنیا اور اللہ کی رضا

انتساب

اپنے ماموں اور ممانی کے نام

اللہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)

شعاعِ اوّلیں

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے۔ جس طرح جسم کو امراض لاحق ہوتے ہیں، اسی طرح روح کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔ جسمانی امراض سے نجات کے لئے ڈاکٹرز اور حکماء ہیں۔ ان سے علاج کروایا جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی امراض سے نجات کے حصول کے لئے مشائخ، صلحاء اور علماء کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

انہی روحانی معالجین میں ایک نام پیر طریقت، رہبر شریعت، حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ کا بھی ہے کہ جنہوں نے نہ صرف وطن عزیز بلکہ بیرون ممالک میں بھی ہزاروں نہیں، لاکھوں انسانوں کو معصیت وعصیان کی زندگی سے نکال کر حصول رضاء الی اللہ اور اتباع رسول اللہ ﷺ کے راستے پر گامزن کیا۔

حضرت کے مواعظ کی افادیت کے پیش نظر چند یوم قبل لاہور میں برادر مکرم حافظ محمد احمد چوہدری سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ حضرت پیر صاحب کے چند نایاب بیانات پر مشتمل ایک جلد تیار کریں۔ ان کی خواہش کے پیش نظر چند دن کی محنت سے یہ جلد قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اسے بھی احقر کی دیگر کتب کی طرح شرفِ قبولیت سے نوازیں گے۔

آخر میں احقر تمام احباب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ جن کی محبتیں، چاہتیں شامل حال رہیں اور مفید مشوروں سے حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش و خرم رکھے۔ (آمین)

والسلام

(مولانا) محمد ندیم قاسمی، ایم اے

16 اکتوبر 2007ء

آئینہ مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
☆	انتساب	4
☆	شعاعِ اوّلیں	5
1	ایمان اور محبت الٰہی	7
2	خوفِ خدا	33
3	حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	55
4	عشاقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم	79
5	کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے	93
6	زبان کا استعمال	111
7	نیکی اور بدی	127
8	تصوف کا مقصد	157
9	دوراستے	189
10	پردہ کیوں ضروری ہے؟	205
11	ماں کی عظمت	231
12	علم کی بہاریں	255

ایمان اور محبت الٰہی

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (سورۃ البقرۃ:۱۶۵)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمہید:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ط

''وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا پس تم میں سے کچھ لوگ ماننے والے ہیں اور کچھ لوگ انکار کرنے والے ہیں''۔

انسانوں کی تقسیم دو طرح سے ہے:

☆..... کچھ ایمان والے اور کچھ کافر

☆..... کچھ ماننے والے اور کچھ نہ ماننے والے

☆..... جو ماننے والے ہیں وہ سعید ہیں اور نہ ماننے والے شقی ہیں۔

☆..... ماننے والے اصحاب الیمین ہیں، نہ ماننے والے اصحاب الشمال ہیں۔

☆..... ماننے والے اصحاب المیمنہ ہیں اور نہ ماننے والے اصحاب المشئمہ ہیں۔

☆..... ماننے والے اصحاب الجنہ ہیں اور نہ ماننے والے اصحاب النار ہیں۔

یہ تقسیم اللہ رب العزت کے یہاں بہت کھلی ڈھلی اور واضح ہے۔ لہٰذا ایمان والوں سے اللہ رب العزت کو ذاتی محبت ہے، کفر اور کافری سے اللہ رب العزت کو ذاتی عداوت ہے۔

ایمان والے حزب الرحمٰن ہیں اور کفر والے حزب الشیطان ہیں۔

ایمان والوں سے محبت:

اللہ رب العزت کو ایمان والوں سے ذاتی محبت ہے، اسی لئے ارشاد فرماتے ہیں:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

''اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا''

ذرا غور کیجئے کہ آداب شاہانہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوں کہہ دیا جاتا: 'ایمان والے اللہ رب العزت کے دوست ہیں''۔ مگر ایسا نہیں کیا بلکہ پروردگار نے نسبت کو اپنی طرف پسند فرمایا۔

اگر کوئی وقت کا بادشاہ کسی بھنگی کو کہے کہ میں تمہارا دوست ہوں تو اس کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔ یوں تو ہر چھوٹا موٹا کہتا ہے کہ میں بادشاہ کا دوست ہوں۔ لیکن محبت چیز ہی ایسی ہے کہ وہ نسبت کو اپنی طرف زیادہ پسند کرتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ ''اللہ تعالیٰ کو ایمان والوں سے ذاتی محبت ہے'' اس کی کوئی دلیل ہے آپ کے پاس؟ انہوں نے فرمایا ہاں! دستور یہ ہے کہ جب کسی سے ذاتی محبت ہو تو انسان اسے چاہے جتنا بڑا ہدیہ اور تحفہ کیوں نہ پیش کرے اس کو تھوڑا سمجھتا ہے اور اس کے جواب میں اگر محبوب اس کو چھوٹا سا تحفہ پہنچا دے تو وہ اس کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔ فرمانے لگے کہ اس دستور کو سامنے رکھیں پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے بندے کو اَن گنت نعمتیں دیں اور فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے''

ان گنت نعمتیں دینے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ

''آپ فرمادیجئے کہ دنیا کی متاع تھوڑی سی ہے''۔

اب اس کے جواب میں بندوں نے اپنے رب کو یاد کیا، بندوں کی عمریں محدود، ان کے عمل محدود، ان کے ذکر محدود، تھوڑا سا ذکر تھا مگر چونکہ محبت کی وجہ تھی اس لئے پروردگار نے اس تھوڑے کو بھی بڑا سمجھا اور قرآن مجید میں اس کے بارے میں فرمایا:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ

''کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں''

بندوں کے تھوڑے عمل کے لئے اللہ تعالیٰ نے کثیر کا لفظ استعمال کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت کی نشانی ہے۔

اب حق یہ بنتا ہے کہ جب پروردگار کو بندوں سے اتنی محبت ہے تو مؤمن بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج موجود ہے۔ اس بیج کو ذرا اچھا ماحول ملے تو یہ درخت بنے گا، پھل پھول لگیں گے اور پھر یہ سایہ دار بن جائے گا۔ اسی طرح کلمہ گو کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو، کتنا ہی بے عمل کیوں نہ ہو، کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج موجود ہوتا ہے۔ کوئی وقت آ گیا، کوئی محفل مل گئی، کسی کی بات دل میں اتر گئی، کسی گناہ پر ندامت دل میں آ گئی، کسی بھی وقت اس کی زندگی کا رخ بدل سکتا ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں شامل ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہر کلمہ گو کی عزت کرنا چاہیے۔ مگر حق یہ بنتا ہے کہ بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے''

یا یوں کہہ لیجئے کہ ایمان والے اللہ کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں اور ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں۔

محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن
محبت نہیں جس میں شدت نہیں ہے
محبت کے انداز ہیں سب پرانے
خبردار ہو اس میں جدت نہیں ہے

محبت تو ہوتی ہی وہ ہے جس میں شدت ہو، جس کی بندہ حرارت محسوس کرے، جس کی گرمی کو دل محسوس کر رہا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح محبت ہے، اس محبت کو حاصل کرنے کے لئے انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ رب العزت کی اس محبت کا نشہ ہی کچھ اور ہے۔ اسی لئے جو انسان اللہ رب العزت سے دور ہوا، اس کا ایسا نقصان ہوا کہ جس کا کوئی اور حل ہو نہیں سکتا۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

لکل شیء اذا فارقته عوض
ولیس للّٰه ان فارقته عوض

اے دوست! دنیا میں کوئی چیز بھی تجھ سے دور ہوئی تیرے لئے اس کا کوئی نہ کوئی بدل موجود ہے، لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ سے جدا ہو گیا تو تیرے لیے اس کا کوئی بدل موجود نہیں ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں خوب اچھی طرح بھر لیں۔

محبت کی چار وجوہات:

محبت ہونے کی عام طور پر چار وجوہات ہوتی ہیں۔ جن کی بناء پر انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے۔

پہلی وجہ حسن و جمال:

حسن و جمال بنیادی طور پر کسی سے محبت کرنے کی وجہ بنتا ہے۔ آپ کسی اچھے منظر کو دیکھیں وہ آپ کو اچھا لگے گا، جی چاہے گا کھڑا رہوں، منظر کو دیکھتا رہوں۔ اسی طرح اچھی بلڈنگ

دیکھی، خوبصورت مسجد دیکھی، دل خوش ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے دیکھتے رہ جائیں۔

بیت اللہ شریف کا منظر جنہوں نے دیکھا وہ ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھیں، دل چاہتا ہے کہ اللہ کے گھر کو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ اس گھر کو اللہ نے کیا خوبصورتی عطا کی، اس قدر شان و شوکت ہے، وہ منظر اس قدر جاذبِ نظر ہے کہ بے اختیار بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اسی طرح بندہ کوئی خوبصورت شخصیت دیکھے تو اس کو بھی دیکھنے کو دل کرتا ہے، اسی طرح کوئی خوبصورت لباس دیکھے، کوئی چیز دیکھے تو خوبصورتی کی وجہ سے انسان کا دل متوجہ ہوتا ہے۔ یہ محبت کی بنیاد بن جاتی ہے۔ اگر ہم اس نقطہ نظر کی وجہ سے اللہ رب العزت کی ذات کو دیکھیں تو حدیث پاک میں ہے:

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ

"اللہ رب العزت خوبصورت ہیں اور خوب صورتی کو پسند کرتے ہیں"۔

اللہ رب العزت کی خوبصورتی کی بات ہمارے وہم و گمان سے بھی بلند تر ہے۔ سوچنا چاہیے کہ جس پروردگار نے حسن کو پیدا کر دیا، اس کے اپنے حسن و جمال کا عالم کیا ہوگا!

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سب اسی کے چاہنے والے ہیں، سب اسی کے در پر جھکنے والے ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ جتنا اللہ رب العزت کو چاہا گیا، جتنی اللہ کے سامنے فریادیں کی گئیں، جتنے اللہ رب العزت کے سامنے دامن پھیلائے گئے، جتنا مشکل میں اس ذات کو پکارا گیا اور جتنے تنہائیوں میں اس کے سامنے آنسو بہائے گئے، کائنات میں کوئی ایسی دوسری ہستی نہیں کہ جس سے مخلوق نے اتنا ٹوٹ کے پیار کیا ہو، یہ شان فقط اللہ رب العزت کی ہے۔

نہ دانم آں گلِ خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنِ گفتگوئے او دارد

"میں نہیں جانتا کہ اس مسکراتے پھول کی خوشبو اور اس کی خوبصورتی کا کیا عالم ہے کہ جس باغ میں بھی جاؤ اس کا ہر پرندہ اسی پھول کی تعریف کرنے میں لگا ہوا ہے۔"

روایت میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ستر ہزار پردوں میں سے تجلی فرمائی۔ اس کے باوجود یہ عالم تھا کہ جس وقت تجلی پڑی اس زمین کا جہاں بھی پانی کھاری تھا وہ سب میٹھا ہوگیا۔ شجر اور حجر سب کے سب سجدے میں جا گرے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام پر براہ راست یہ تجلی نہیں تھی، کوہ طور پر ڈالی، اس کوہ طور پر تجلی کا یہ اثر پڑا:

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا

''حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے''۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر اتنا نور آ گیا تھا کہ اس کے بعد ان کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا انسانوں کے لئے ناممکن ہوگیا تھا۔

جس نے اللہ رب العزت کی تجلی کو ستر ہزار پردوں میں سے دیکھا، اس کا حسن اتنا بڑھا کہ لوگ اس کے حسن کی تاب نہیں لا سکتے تو خود اس ذات کے حسن کا کیا عالم ہوگا!

علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ جنتی لوگ جب جنت میں جائیں گے اور جنتی مخلوق کے حسن کو دیکھیں گے تو دیکھتے ہی ستر سال تک ٹکٹکی باندھ کر ان کو دیکھتے رہ جائیں گے۔ حور وغلمان کا حسن اتنا ہوگا:

اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا

''تو انہیں دیکھے تو ایسا معلوم ہوگا کہ کوئی چمکتا ہوا موتی پڑا ہوا ہے''

جب جنتی انہیں دیکھیں گے تو یہ ایسا حسن ہوگا پھر جنت میں رہنا شروع کریں گے۔ ایک وقت آئے گا، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ اے میرے بندو! تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ عرض کریں گے پروردگار! ہر نعمت مل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اچھا اپنے علماء سے پوچھو۔

ذمہ داری سے بات عرض کر رہا ہوں۔ ہمیں علماء کی ضرورت جنت میں بھی پڑے گی۔ جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ علماء سے پوچھو تو جنتی لوگ علماء سے رجوع کریں گے۔ علماء فرمائیں گے کہ ہاں! پروردگار کا وعدہ تھا:

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ

جنت کا وعدہ تھا اور ایک مزید نعمت کا بھی وعدہ تھا، وہ نعمت ابھی نہیں ملی۔ ہمیں اللہ رب العزت کا دیدار ابھی نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ جنتی فریاد کریں گے۔

پروردگار ان کو جنت عدن کی طرف بلائیں گے۔ یہ جنت عدن وہ جنت ہے کہ جس میں اللہ رب العزت جنتیوں کو اپنا دیدار کروائیں گے۔ باقی جنتوں کو تو فرشتوں نے بنایا لیکن جنت عدن کو پروردگار نے خود بنایا، اس کے درخت کے پتوں پر..... سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ..... یہ تسبیحات لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے کسی جگہ معزز مہمان کی دعوت کرنی ہو تو اس کمرے کو خاص طور پر سجایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو خاص طور پر سجادیا۔ چنانچہ جنتیوں کو حکم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے تیاری کرو۔ اب جنتی ایسے تیاری کریں گے جیسے دنیا میں لوگ شادی بیاہ کی تقریب میں شرکت کے لئے تیاری کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بازار ہوگا جہاں پر انسان کو حسن و جمال ملے گا۔ وہ کیسے؟ جب بندہ وہاں جائے گا تو وہاں جا کر وہ چاہے گا کہ میری شخصیت ایسی نظر آئے، آنکھیں ایسی نظر آئیں، ہاتھ ایسے نظر آئیں۔ جیسا سوچتا جائے گا، اس کے جسم کی خوبصورتی ویسی بنتی چلی جائے گی۔ اس دنیا کے بھی بیوٹی پارلر ہیں مگر وہ تو چہرے کے اوپر لیپ لگا دینے کے سوا کچھ کر نہیں سکتے، کسی کی آنکھیں چھوٹی ہیں تو ان کو موٹی نہیں بنا سکتے۔ کسی کا چہرہ لمبا ہے اس کو گول نہیں بنا سکتے۔ کسی کا قد چھوٹا ہے، اونچا نہیں بنا سکتے۔ اوپر سے صرف لیپ لگا دیں گے کہ ظاہر میں خوبصورت نظر آئے، جیسے کوئی حور کی بچی ہو۔ چاہے اندر میں ڈائن کی بہن بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر جنت کا یہ بیوٹی پارلر عجیب ہوگا کہ انسان جیسا تصور کرے گا، اس کی پسند کے مطابق حسن و جمال نصیب ہو جائے گا۔ آنکھیں ایسی بنیں گی، پلکیں ایسی بنیں گی، ہونٹ ایسے بنیں گے، ذرا سوچئے تو سہی کہ جنتی لوگ اپنے آپ کو کیسا حسین دیکھنا پسند کریں گے، من مرضی کا حسن ملے گا۔

اس کے بعد جنتی جنت عدن میں پہنچیں گے، وہاں دریا کے کنارے ایک تقریب ہوگی، کرسیاں لگی ہوں گی، جنتی لوگ بیٹھیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرمائیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب پڑھتے تھے تو ان کی آواز میں اتنا اثر تھا کہ بہتا پانی رک جاتا تھا، پرندے ان کے اردگرد آ کر بیٹھ جاتے تھے اور پہاڑ ان کے ساتھ چلتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے

تذکرے ہیں۔ سوچئے پھر اس وقت ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ پھر نبی علیہ السلام قرآن مجید کی تلاوت فرمائیں گے اس وقت کتنا مزا آئے گا۔ پھر اللہ رب العزت سورۃ یٰس کی تلاوت فرمائیں گے۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تلاوت فرمائیں گے تو ایک ہوا چلے گی اور جنت کے درخت کے پتے ہلیں گے تو ان میں سے عجیب قسم کی آواز پیدا ہوگی۔

دلوں کے تار چھیڑنے کے لئے آج ہم قاری عبدالباسط عبدالصمد کی تلاوت سنتے ہیں تو طبیعت پر ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ جب قیامت میں اللہ رب العزت خود اپنا کلام سنائیں گے تو ذرا سوچئے تو سہی کہ اس وقت انسانوں کی لذت کا کیا عالم ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اپنا دیدار فرمائیں گے..... وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ ..... قیامت کے دن اگر کسی بندے کو تجلی نصیب ہو جائے تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ کچھ بندے ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ مسکرا کر دیکھیں گے۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ محبوب ویسے ہی کسی کو دیکھ لے یہ بھی بڑی بات ہے کہ اس کو حسن دیکھنے کا موقع ملا اور دوسرا یہ کہ محبوب مسکرا کر دیکھے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ کچھ ایسے بندے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ مسکرا کر دیکھیں گے اور ان میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے بندے ہوں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

..... ان اللّٰہ یتجلی عامۃ ولکن لابی بکر خاصہ .....

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے عام تجلی فرمائے گا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے خاص تجلی فرمائے گا''۔ ان کی طرف مسکرا کر دیکھیں گے کہ میرے محبوب کا یار آ گیا۔

اگر حسن و جمال کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت سے کرے، مخلوق کے حسن پر کیا مرنا۔

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

چند دن کی بات ہوتی ہے، جوانی میں جن کی زلف فتنہ گر ہوتی ہے بڑھاپے میں وہی دُمِ خر بن جاتی ہے۔ جوانی میں جس کے چہرے کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی ہیں، بڑھاپے میں ان

کا چہرہ چھوارے جیسا ہو جاتا ہے دیکھنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ مخلوق کے حسن کا تو یہ عالم ہے مگر اللہ رب العزت کا حسن دائمی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ لہٰذا اگر انسان محبت کرے تو پروردگار عالم سے کرے۔

دوسری وجہ:

محبت کرنے کی دوسری وجہ کسی کی صفات ہونا ہے۔ کوئی بندہ اگر کسی فن میں کمال پیدا کر لے تو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے نمبروں والی جرسیاں پہنے پھر رہے ہوتے ہیں کہ کچھ کھیلنے والے اپنے کھیل میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ اب انہیں ان کو دیکھے بغیر ان کا نام اچھا لگتا ہے۔ لہٰذا ان کا نمبروں والا لباس پہن لیتے ہیں۔ ان کو محبت ہے ان کے کمال کی وجہ سے، اس نقطہ نظر سے دیکھیں کہ اللہ رب العزت کا کمال کتنا ہے۔ ہم تو اللہ رب العزت کے کمال اور ان کی صفات کا احاطہ بھی نہیں کر سکتے، ہم کیا کریں گے۔ کائنات کے سب سے بڑے اور سچے پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

"اے اللہ! میں آپ کی تعریفوں کا احاطہ نہیں کر سکتا آپ ایسے ہیں جیسے آپ نے اپنی تعریفیں خود فرمائی ہیں"۔ گویا نبی علیہ السلام نے بھی ایک جگہ آ کر اپنے ہتھیار ڈال دیئے کہ میں اپنے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کر سکتا، وہ اس سے زیادہ بلند تر ہستی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی تعریفیں خود فرمائی ہیں۔ سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے، ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○

"اے محبوب! فرما دیجئے کہ اگر ساری دنیا کے سمندروں کا پانی سیاہی بن جاتا اور اس سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنا شروع کی جاتیں تو یہ سیاہی تو ختم ہو جاتی لیکن تیرے محبوب کی تعریف کبھی ختم نہ ہوتی" اس سے بھی بڑھ کر ایک بات کہی، ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ

''ساری دنیا کے اندر جتنے درخت ہیں اگر ان کی قلمیں بنادی جاتیں''

وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ

ساری دنیا کے سمندر کا جتنا پانی ہے، اتنے سات سمندر اور ہوتے یہ سیاہی بنتے اور زمین کے تمام درختوں کی قلمیں بنتیں، ان قلموں اور سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں، ایک وقت آتا یہ قلمیں ٹوٹ جاتیں، یہ سیاہی ختم ہوجاتی لیکن تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔ جب اللہ رب العزت کی صفات کا یہ عالم ہے تو دل سے آواز نکلتی ہے کہ بندہ جب محبت کرے تو اپنے پروردگار سے کرے۔

تیسری وجہ:

محبت کرنے کی تیسری وجہ عام طور پر کسی کا مال و منال ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس مال ہو تو دنیا اس سے تعلق رکھنا اپنا اعزاز سمجھتی ہے۔ کوئی رشتہ دار منسٹر ہو تو اس کا کارڈ جیب میں رکھتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے پھرتے ہیں کہ یہ میرا رشتہ دار ہے، یہ منسٹر ہے۔ اللہ رب العزت کے مال و منال کا کیا عالم! پروردگار ارشاد فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

''آسمان اور زمین کے خزانے اللہ رب العزت کے پاس ہیں''۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ

''جو کوئی بھی چیز ہے اس کے ہمارے پاس خزانے ہیں''۔

وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ

''ہم ایک معلوم اندازے کے مطابق اتارتے ہیں''۔ ہمارے پاس عزتوں کے خزانے، صحت کے خزانے، رزق کے خزانے، نعمتوں کے خزانے..... گویا ہر چیز کے خزانے اللہ رب العزت کے پاس موجود ہیں۔ اللہ کے پاس خزانوں کی کنجیاں موجود ہیں۔

معلوم کہ اس لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو بھی دل سے آواز نکلتی ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت سے کرے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

''حقیقی بادشاہی اللہ کے پاس ہے.....اور رہ گیا دنیا کے بادشاہوں کا معاملہ تو ان کا حال تو یہ ہے کہ رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں، رات کو وزیر ہیں تو صبح کو اسیر ہیں، رات کو وزیر اعظم صبح کو اسیر اعظم ہیں، رات کو ملک کے صدر ہوتے ہیں صبح کو ملک بدر ہوتے ہیں۔ان کا کیا کہنا !.....اللہ رب العزت حقیقی شہنشاہ اور بادشاہ ہیں، اس نقطہ نظر سے دیکھیں تو دل سے آواز آتی ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت کے ساتھ کرے۔

چوتھی وجہ:

محبت کرنے کی چوتھی وجہ کسی کا جود وسخا ہوتا ہے۔کوئی بندہ احسان کرے تو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔انسان تو پھر انسان ہے شیر جیسا جانور بھی جو اس کو گوشت ڈالتا ہے، شیر اس کا لحاظ کرتا ہے، سرکس کے تماشوں میں لوگ اس پر سوار ہو جاتے ہیں اور شیر ان کو لے کر گدھے کی طرح چل رہا ہوتا ہے، شیر کے منہ کے اندر ہاتھ ڈال دیتے ہیں اور شیر ان کے ہاتھ کا کچھ نہیں بگاڑتا۔یعنی ایک جانور بھی احسان کا اتنا مرہون منت ہوتا ہے۔انسان تو بالآخر انسان ہے۔ اسی لئے کہا کہ:

الانسان عبد الاحسان ..... ''انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے''۔

چنانچہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

جبلت القلوب الی حب من احسن الیھا ..... ''اللہ تعالیٰ نے قلوب کی فطرت جبلت ایسی بنادی کہ جو احسان کرتا ہے یہ اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں''۔

محسن کے ساتھ محبت فطری بات ہے، اگر ہم اللہ رب العزت کے احسانات کو دیکھیں کہ

ہمارے اوپر کتنے ہیں تو ہم تو اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک..... ہم اللہ رب العزت کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم ان احسانات کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا..... ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے''۔

اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ میرے دوستو! اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے، گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے، سماعت نہ دیتے تو ہم بہرے ہوتے، عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے، صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے، گھر نہ دیتے تو ہم بے گھر ہوتے، اولاد نہ دیتے تو لاولد ہوتے، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے۔ معلوم یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزتوں بھری زندگی دی ہے تو یہ سب کا سب اس مالک کا احسان ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھیں تو بھی دل کہتا ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اپنے پروردگار سے محبت کرے۔ لہٰذا محبت کرنے کی چاروں وجوہات کامل طور پر اللہ رب العزت کے اندر موجود ہیں۔

محبوب حقیقی:

ہمارا محبوب حقیقی فقط اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

.....مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ .....

''اے محبوب! ہم نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک رحمٰن کو دے دے اور دوسرا نفس اور شیطان کو دے دے''۔

فرمایا، نہ..... نہ..... نہ..... دل ایک ہے اور ایک ہی کے لئے ہے۔

اللہ رب العزت کی محبت دل میں آ جائے۔ اللہ رب العزت کی محبت دل میں سما جائے بلکہ اللہ رب العزت کی محبت دل میں چھا جائے۔ اس کو کہتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے''۔ بس اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، ساری مخلوق راضی ہو گئی..... اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے تو ہماری بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ساری مخلوق ناراض ہو گئی اور اللہ رب العزت راضی ہو گئے ہماری سعادت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اشعار کہے ہیں، بڑے ہی عجیب اشعار ہیں۔ جب ان کو دشمن نے کہا تھا کہ ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ہم تمہیں پابندِ سلاسل کر دیں گے تو انہوں نے محبت الٰہی میں عجیب اشعار کہے۔

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب میں سامان بقا میرے لئے ہے
پیغام ملا تھا جو حسینؓ ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ وہ پیغام قضا میرے لئے ہے
اللہ کے رستے کی جو موت آئے تو مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اس کو محبت کہتے ہیں۔ کسی عارف نے کہا۔

لیتك تجد والحیاۃ مریرۃ
ولیتك ترضی والانام غضاب
ولیست بینی و بینك عامر
و بینی و بین العالمین خراب

اے محبوب! کاش تو میٹھا ہو جائے اگرچہ پوری زندگی میری کڑوی بن جائے، کاش کہ تو راضی ہو جائے اگرچہ سب بندے مجھ سے ناراض ہو جائیں، اے اللہ! جو میرے اور تیرے درمیان ہے وہ رشتہ آباد ہو جائے اگرچہ وہ جو میرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ سب کچھ خراب ہو جائے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب نے کیا خوب فرمایا! ؎

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانۂ دل آباد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادم آخر وردِ زباں اے میرے اللہ
لا الٰہ الا اللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ

محبت تو یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے سوا کسی اور کی طرف اس کی توجہ ہی نہ جائے۔ میرے دوستو! ''لِمَ'' اور ''لَا'' کے چکر سے ذرا نکلو اور سوزِ عشق کی زنجیر ذرا اپنے گلے میں ڈال کر دیکھو، عقل کی دنیا سے قدم ذرا آگے بڑھاؤ اور عشق الٰہی کی دنیا میں قدم رکھ کے دیکھو۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ واعظ نہ خطیب

عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

یہ اللہ رب العزت کی محبت ہے جو شریعت کے اندر ایک جان پیدا کر دیتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں نہیں تو پھر یہ زندگی کسی کام کی نہیں۔ شیطان عالم تھا، عابد تھا، عارف تھا مگر عاشق نہیں تھا۔ اس لئے دربار سے دھتکار دیا گیا۔ کاش کہ عاشق ہوتا تو جب حکم ہوا تھا:

...... اسجدوالآدم ......

تو حکم سنتے ہی یہ سجدے میں جا گرتا۔ یہ تو عشق کی بات ہوتی ہے۔

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کھڑی دیکھتی رہ جاتی ہے، سمجھتی ہے کہ راستہ ہی آگے کوئی نہیں، عشق کہتا ہے کہ ہزاروں دفعہ میں منزل پہ ہو کر واپس آیا ہوں۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

ایک چھلانگ کافی ہے عشق کی۔ عشق ایسی کیفیت ہے کہ خاک کی مٹھی میں جب مل جاتا ہے، اس بندے کو وہ پرواز دیتا ہے کہ پھر یہ ثریا کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

خاص راتوں کی عبادات:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والے جب خاص راتوں میں عبادات کرتے ہیں تو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے وہ مصافحہ کر رہے ہوتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہہ رہے ہوتے ہیں۔ یہ عشق اللہ رب العزت کی عجیب نعمت ہے۔

عقل کو افکار سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

ہم اپنے اعمال کی بنیاد عشق الٰہی کو بنائیں پھر دیکھیں کہ عبادات کا مزا کیا ہے، پھر شریعت پر عمل کرنا کتنا آسان نظر آتا ہے:

.....اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْع.....

''محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے''۔

دیکھئے، ذرا توجہ فرمایئے، ایک علمی نکتہ ہے بالخصوص طلبا و علماء کیلئے کہ جب کسی کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے، طبیعت کا میلان ہوتا ہے تو اس ابتدائی کیفیت کو رغبت کہتے ہیں۔ جب یہ رغبت بڑھ جاتی ہے تو پھر اس کا نام طلب پڑ جاتا ہے کہ دل میں فلاں چیز حاصل کرنے کی طلب

پیدا ہوئی۔ جب یہ طلب بڑھ جاتی ہے تو بڑھتے بڑھتے ایک ایسی کیفیت بن جاتی ہے کہ پھر اس کو محبت کہتے ہیں کہ اس بندے کے دل میں فلاں چیز کی محبت پیدا ہوگئی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رغبت ہو تو اللہ کی..... اِنَّا اِلَی اللّٰہِ رَاغِبُوْنَ.....

رغبت ہو تو اللہ کی، طلب ہو تو اللہ کی، اگر غیر کی طلب ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں .....ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ..... یہ طلب کرنے والے اور جن کو طلب کیا جارہا ہے، یہ دونوں بودے اور ضعیف ہیں۔

اگر دل میں محبت ہو تو اللہ کی ہو۔ فرمایا:

.....وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط.....

''ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے'' جب یہ محبت بڑھتی ہے اور بہت زیادہ راسخ ہو جاتی ہے تو پھر ایک اور کیفیت بن جاتی ہے۔

معراجِ محبت:

ایک دفعہ اس عاجز نے نوجوانوں سے سوال کیا کہ بھئی بتاؤ محبت کی معراج کیا ہے؟ وہ سمجھ نہ سکے۔ کہنے لگے کہ ذرا پھر سمجھائیں۔ میں نے کہا کہ محبوب کو محب سب سے بڑا تحفہ کیا دے سکتا ہے؟ کسی نے کہا کہ مال قربان کردے، کسی نے کہا کہ جان قربان کردے، سب نے جوانوں والے جواب دیئے۔ کہنے لگے اب آپ بتائیں تو اس عاجز نے بتایا کہ ہمارے مشائخ نے یہ لکھا ہے کہ محبت کی معراج یہ ہے کہ محبّ کے دل میں محبوب کی محبت اتنی بڑھے اتنی بڑھے کہ محبت میں بے خود ہو کر وہ اپنے محبوب کے قدموں پر سر رکھ دے، یہ محبت کی معراج ہوتی ہے۔ گویا محبت کی معراج کو عبادت کہتے ہیں۔ ہم نے جو کلمہ پڑھا تھا اس میں اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ کیا، یا اللہ! محبتوں کی جو انتہا ہے اگر ہمارے دل میں ہوگی تو وہ فقط تیری ذات کے لئے ہوگی، جب اللہ تعالیٰ رغبت کو جو ابتدائی تعلق کی قسم ہے غیر کے لئے پسند نہیں فرماتے تو پھر وہ عبادت کو کسی غیر کے لئے کیسے پسند فرمائیں گے۔ فرمادیا.....اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ .....

شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ ایک طالب نے پوچھا کہ جی قیامت کے دن سب گناہ معاف ہوسکتے ہیں تو شرک بھی تو ایک گناہ ہے، یہ کیوں نہیں معاف ہوسکتا؟ استاد نے جواب دیا کہ یہ شرک گناہ بھی ہے اور یہ شرک اللہ رب العزت کی غیرت کا بھی مسئلہ ہے۔ جب غیرت کا معاملہ آتا ہے تو پھر محبوب چھوٹی سی غلطی کو بھی معاف نہیں کیا کرتا اس لئے فرمایا کہ شرک کو تو معاف بالکل نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندوں کے دل میں میری ہی محبت ہو اور میری محبت سے ان کے دل بھرے ہوئے ہوں۔

عشق کا سودا:

یہ عشق کا سودا اللہ والوں سے ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ برف ملتی ہے برف والوں سے، کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں سے، سونا ملتا ہے سونے والوں سے، لہٰذا اللہ بھی ملتا ہے اللہ والوں سے۔ اللہ والوں کی صحبت میں چند دن گزار کر دیکھیں دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ خود بخود اللہ کی محبت دل میں بھرے گی۔ کہتے ہیں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ہم کہتے ہیں اللہ والوں کو دیکھ کر دنیا رنگ پکڑتی ہے اور خود بخود دل میں اللہ والوں کی محبت آتی ہے۔ کچھ دن ساتھ گزارنے والوں کی کیفیت ایسی بن جاتی ہے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کسی اور دنیا میں چلے گئے اور جب محفل سے اٹھے تو پھر اس دنیا میں واپس آئے ہیں، ایسی کیفیت ہوتی ہے۔ محبت الٰہی چیز ہی ایسی ہے۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھئے، یہ اللہ والے عشق کی دکانیں ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں نا!

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

یہ اللہ والے دوائے دل بیچتے ہیں، یہ عجیب نعمت ہے۔

کراٹے کا کھلاڑی:

ملتان شہر میں کوئی کراٹے کا کھلاڑی تھا بلیک بیلٹ۔ وہ بیعت ہوا، وہ بھی کوئی عجیب ہی شئے تھا، کہنے لگا حضرت! میں نے بہت محنت کی ہے۔ ہم نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا جی میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ وہ لیٹ گیا اور اس کے اوپر ایک دو من کے بندے نے دس مرتبہ چھلانگیں لگائیں اور وہ آرام سے نیچے پڑا رہا۔ پیٹ کے اوپر دو من کا بندہ دو فٹ اچھل کر چھلانگ رہا

ہے اور وہ آرام سے پڑا ہوا ہے۔ پھر کہنے لگا جی میں یوں بھی کرسکتا ہوں اور یہ بھی کرسکتا ہوں.....اس کی تفصیل کی تو ضرورت نہیں وہ تو کوئی عجیب ہی شے تھا۔ بہرحال وہ بیعت ہوگیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی پوچھا کہ بھئی کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! میرا کلب پورے شہر کے اندر کراٹے میں سب سے بڑا ہے اور میں نے کالج کی لڑکیوں کو بھی کراٹے سکھانے کے لئے ایک برانچ کھولی ہوئی تھی، بیعت ہونے کے بعد تو اس برانچ کو میں نے بالکل بند کردیا۔ یہ پہلی بات ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ میں نے اپنے بچوں کو سمجھایا کہ بھئی ہم جو ایک دوسرے پر اٹیک کرتے ہیں اور زبان سے ایک بے معنی سا لفظ نکالتے ہیں تو اس کی بجائے ہم ''اللہ'' کا لفظ کیوں نہ نکالیں، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ میں نے کہا کہ تم نے اب فائٹ کرنی ہے، اٹیک کرنا ہے تو اللہ کے لفظ سے اٹیک کرنا ہے۔ کہنے لگا کہ جب ہم نے اللہ اللہ سے اٹیک کرنا شروع کیا تو باہر سے گزرنے والے لوگ سمجھنے لگے کہ اندر محفل ذکر ہورہی ہے، لوگ دروازے پر جمع ہوکر کہنے لگے کہ ہم بھی محفل ذکر میں آنا چاہتے ہیں، تب ان کو پتہ چلا کہ جناب یہاں تو کراٹے سکھائے جارہے ہیں۔ بیوی تو بڑی پریشان تھی کہ لڑکیوں کی کلاس بند ہوگئی، اب آمدنی کم ہوجائے گی لیکن جب انہوں نے اپنے بچے بھی بھیجنے شروع کردیئے، یوں لڑکیوں کی کلاس کی تلافی ہوگئی۔ چنانچہ ہمارے لڑکوں کی تعداد پہلے سے تین گنا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے رزق میں بھی اضافہ کردیا۔ اب دیکھئے کہ دل میں محبت الٰہی آئی تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کود میں بھی اللہ یاد آنے لگا۔ یہ محبت چیز ہی ایسی ہے۔

محبت الٰہی کا عجیب واقعہ:

تاجکستان جانا ہوا، ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ ہیں حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے مزار پر گئے تو مسجد بنی دیکھی۔ عجیب بات کہ بنانے والوں نے جب مسجد بنائی تو اینٹوں کو اس طرح جوڑا کہ چند اینٹیں ملتیں تو اللہ کا لفظ بن جاتا۔ ساری دیوار پر اینٹوں سے اللہ اللہ لکھا ہوا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت کے

مریدین جو مسجد کے معمار تھے، حضرت نے ان کے دل میں ایسی محبت بھر دی تھی کہ وہ مریدین جب اینٹیں جوڑتے تھے تو ان کو بھی اللہ کے لفظ کی شکل میں جوڑتے چلے جاتے تھے۔

میں نے تو یوں ہی خاک میں پھیری تھیں انگلیاں
دیکھا جو غور سے تو تری تصویر بن گئی

اینٹیں جوڑتے تھے تو ''اللہ'' کا لفظ بن جاتا تھا، کیا محبت بھر گئی تھی۔ اس لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت گنگوہی سے کچھ دھوبی بیعت تھے، وہ جب کپڑے دھوتے تھے تو ''الا اللہ'' کی ضربیں لگاتے تھے، قریب سے گزرنے والے سمجھتے تھے کہ یہ بھی کوئی محفل ذکر ہو رہی ہے۔

اولیاء کی شان:

ایک ہوتا ہے رنگ اور کچھ لوگ ہوتے ہیں رنگ فروش اور کچھ ہوتے ہیں رنگ ریز۔ رنگ فروش کہتے ہیں رنگ بیچنے والے کو اور رنگ ریز کہتے ہیں رنگ چڑھانے والے کو۔ کتاب و سنت رنگ ہے، علمائے کرام رنگ فروش ہیں اور مشائخ عظام رنگ ریز ہیں۔ ان کے پاس جایئے یہ اللہ کے رنگ میں رنگ دیں گے..... صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً .....

کچھ ایسے قسمت والے بھی ہوتے ہیں جو رنگ فروش بھی ہوتے ہیں اور رنگ ریز بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جامع الشریعت والطریقت بنا دیتا ہے..... یہ عشق کی پڑیا ان دکانوں سے ملتی ہے۔

چنانچہ مشہور واقعہ ہے، جگر مراد آبادی ایک شاعر تھا، پینے پلانے کی زندگی تھی۔ ایک مرتبہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ سے ملا، دیکھا کہ افسر اتنے بڑے مگر طبیعت میں سادگی تو پوچھنے لگے کہ ارے میاں! آپ کے مسٹر کی ٹرکیسے مس ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے ایک اللہ والے مل گئے ہیں تھانہ بھون میں، میں نے ان کی غلامی اختیار کر لی ہے اور میری ٹرمس ہو گئی ہے۔ کہنے لگے، اچھا میں بھی کبھی آؤں گا مگر شرط یہ ہے کہ پیتا ہوں، وہاں بھی جا کر پیوں گا۔

حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بتا دی، شاعر بڑا نمایاں تھا، ملکی سطح کا استاد شاعر تھا، قادر الکلام شاعر تھا۔ اللہ والوں کی نظر ایسی صفات والے

بندوں پر گہری ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ حضرت! اس نے کہا ہے کہ وہاں بھی پیوں گا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ خانقاہ تو عوام الناس کے لئے ہوتی ہے، میں اس کو گھر میں ٹھہرادوں گا۔ گھر وہ جو کرے وہ اس کا انفرادی عمل ہوگا۔ چنانچہ اس شرط پر جگر مرادآبادی گئے، جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملے تو انہوں نے حضرت سے چار دعائیں کروائیں۔

پہلی دعا: کہ حضرت دعا کیجئے کہ میں شراب پینا چھوڑ دوں۔

دوسری دعا: کہ حضرت دعا کیجئے کہ میں بھی سنت کو چہرے پر سجالوں، داڑھی رکھ لوں۔

تیسری دعا: کہ حضرت دعا فرمائیں کہ میں حج کر آؤں، اللہ کا گھر دیکھ آؤں۔

چوتھی دعا: کہ حضرت دعا کیجئے کہ میرا خاتمہ بالخیر ہو۔

اب وہاں سے پلٹے تو بیمار ہوگئے، ہسپتال گئے۔ ڈاکٹروں نے کہا، یکدم شراب چھوڑنے کی وجہ سے تو موت کا خطرہ ہے۔ اب آپ تھوڑی تھوڑی کر کے چھوڑیں، ابھی کچھ عرصہ پیتے رہیں۔ دل میں سوچا کہ جب تھوڑی تھوڑی کر کے بھی چھوڑنی ہے تو کیوں نہ ایک ہی دفعہ چھوڑنے والے عہد پر قائم رہیں۔ کہنے لگے، اب میں دوبارہ پینا نہیں چاہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ چہرے پر سنت بھی سجالی، اب سارے شہر میں ہنگامہ مچ گیا۔ جس کو دیکھو وہی ان کا تذکرہ کر رہا ہے کہ جی سنا ہے جگر مرادآبادی تو تائب ہوگیا ہے۔ ان سے ملنے والے لوگ آنے لگے۔ جب وہ پوچھتے کہ بھئی آپ نے یکدم کیوں چھوڑ دی تو جگر مرادآبادی کہتے:

یوں پینے کو تو بے حساب پی لی
اب ہے روزِ حساب کا دھڑکا

اب آخرت کا غم لگ گیا۔ چنانچہ جب داڑھی بڑھ گئی، لوگ ملنے کے لئے آتے تو انہوں نے اپنے بارے میں خود شعر بنا دیا:

چلو دیکھ آئیں تماشہ جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلماں ہوا ہے

چنانچہ پھر انہوں نے اللہ کی محبت میں عجیب اشعار کہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایک ملاقات میں آپ کی زندگی بدل گئی تو فرمانے لگے کہ ہاں! لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی زندگی

بدلنے کا راز کیا ہے؟ آپ نے تو کمال کر دیا، آپ کی دلوں پر حکومت ہوگئی تو انہوں نے ایک شعر کہا کہ:

میرا کمال عشق میں اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

جب دل میں اللہ چھا جاتے ہیں تو پھر بندہ زمانے پر چھا جایا کرتا ہے۔ یہ محبت الٰہی عجیب نعمت ہے۔

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کی بات دل میں اثر کرتی ہے، یہ اس لئے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے۔

دل سے دل تک:

از دل خیزد بر دل ریزد

دل سے بات اٹھتی ہے تو دل پر جا کر اٹیک کرتی ہے۔ دل پہ ہٹ کرتی ہے۔ چنانچہ اللہ والوں کی سادہ باتوں میں بھی مزا ہوتا ہے۔ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے بیٹے شاہ رکن الدین پڑھ کر آئے تو حضرت نے فرمایا کہ محفل میں کچھ وعظ کرو۔ انہوں نے بڑا معارف بھرا وعظ کیا لیکن مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب انہوں نے وعظ کر لیا تو حضرت لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ رات ہم نے روزہ رکھنے کے لئے دودھ رکھا تھا، بلی آئی اور دودھ پی گئی۔ جب حضرت نے یہ جملہ کہا تو سارے مجمع نے رونا شروع کر دیا۔ ان الفاظ کے اندر اتنا غم تھا کہ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر حضرت نے بیٹے سے تنہائی میں جا کر پوچھا کہ بیٹے تو نے اتنا معرفت بھرا خطبہ دیا کوئی ٹس سے مس نہ ہوا، میں نے سادہ سی بات کر دی تو لوگوں کے دل تڑپ اٹھے۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جی! یہ بات میری سمجھ سے بالا تر ہے۔ فرمانے لگے، بیٹے! تم نے فقط قال ان کے سامنے پیش کیا تھا، میں نے سادہ الفاظ میں حال ان کے سامنے پیش کر دیا۔ میں نے دل سے توجہ ساتھ ڈالی تھی، سادہ سی بات نے ان کے

دل میں رقت پیدا کردی۔

اللہ والوں کی باتوں میں تاثیر ہوتی ہے۔ اللہ والوں کی نگاہوں میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ ان کی نگاہوں سے فیض ملتا ہے۔ دیکھئے شریعت کے اندر ایک حکم ملتا ہے کہ ..... اَلْعَیْنُ حَقٌّ ..... کہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ یہ سچ ہے کہ نظر لگتی ہے۔

چنانچہ ایک صحابی کو نظر لگی اور نبی علیہ السلام نے ان کو نظر اتارنے کا طریقہ بتایا۔ سوچئے کہ جس نظر کے اندر عداوت ہے، دشمنی ہے، حسد ہے، کینہ ہے، اگر وہ نظر دوسرے پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے تو جس نظر کے اندر محبت ہو، اخلاص ہو، رحمت ہو، شفقت ہو، للّٰہیت ہو، پھر وہ نظر دوسرے کے اوپر کیوں اپنا اثر پیدا نہیں کرسکتی؟ اللہ والوں کی بھی نظر لگ جاتی ہے، اللہ کرے کہ ہمیں بھی کسی اللہ والے کی نظر لگ جائے۔ جیسے دنیا والوں کی نظر لگنے سے انسان کی حالت بدل جاتی ہے وہ مجنوں سا بن جاتا ہے تو جس کو اللہ والوں کی نظر لگتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دیوانہ ہوجاتا ہے۔

اللہ والوں کی نظر:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سال مسجد فتح پوری میں اعتکاف کیا اور قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ لکھا۔ فرماتے ہیں کہ جب باہر نکلے تو سامنے ایک کتا تھا۔ اس کتے پر ان کی نظر پڑ گئی۔ کتے پر ایسی حالت طاری ہوگئی کہ وہ جہاں جا کر بیٹھتا تھا دوسرے کتے اس کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ جانوروں پر نظر پڑے تو ان میں بھی تاثیر آجاتی ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ ہے اللہ والوں کی نظر۔ اس سے دلوں میں محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے اعمال میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔

حضرت محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت:

حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نماز کا سجدہ لمبا کیا کرتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ ہر سجدہ کرتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ معلوم نہیں پھر یہ موقع ملے نہ ملے اس لئے میرا سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ اسی طرح حضرت مولانا یحییٰ صاحب لمبا سجدہ کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! اتنا لمبا سجدہ؟ فرمانے لگے کہ روایت میں آیا ہے...... اَلسَّاجِدُ یَسْجُدُ عَلٰی قَدَمِی الرَّحْمٰنْ...... ''سجدہ کرنے والا اللہ کے قدموں پر سجدہ کر رہا ہوتا ہے''۔ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اس لئے میرا سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔

نشان سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں ہے

کاش ہم بھی کوئی ایسا سجدہ کر جاتے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔ وہ جب مراقبے کے لئے لوگوں کو بلاتے تو کہتے آؤ بھائی پریم پیالہ پئیں۔ انہوں نے اس مراقبے کا نام پریم پیالہ رکھا ہوا تھا۔ کہتے تھے کہ آؤ بھائی پریم پیالہ پئیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اشرف علی! جب میں سجدہ کرتا ہوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرے رب نے میرے رخسار کا بوسہ لے لیا ہو۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوانوں کے سامنے ذرا حور و قصور کے تذکرے کئے۔ نوجوانوں کو یہ تذکرے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ آخر میں حضرت نے فرمایا کہ اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت کا ہم پر فضل ہو گیا تو میں عرض کروں گا کہ یا اللہ! مجھے تو اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عطا فرما دیجئے۔ ان کو کیا مزا آتا ہو گا۔

شیخ عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا کہ جنت میں نماز نہیں ہو گی تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! روتے کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ اگر جنت میں نماز نہ رہی تو پھر جنت میں مزا کیا آئے گا۔ غور کیجئے ان کو کتنا مزا ملتا ہو گا نماز میں، یہ کیسے ملتا ہے؟ یہ

محبت الٰہی کی وجہ سے ملتا ہے۔ جیسے ہم باہر گرمی کے موسم سے اندر آئیں اور ہمیں ٹھنڈا مشروب ملے تو ہم کیسے بڑے بڑے گھونٹ لذت لے لے کر پیتے ہیں۔ اللہ والے جب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کو یوں لذت لے لے کر پڑھا کرتے ہیں۔ ہم نمازیں پڑھتے تو ثواب کو سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں کہ اشراق پڑھو تو ایک حج عمرے کا ثواب ملے گا، اوابین پڑھو تو اتنے سال کی عبادت کا ثواب ملے گا، ہمارے سامنے عبادت مطلوب ہوتی ہے۔ اللہ والے ان عبادتوں اور اجر وثواب کو سامنے نہیں رکھتے۔ وہ تو اللہ کی محبت میں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہتے ہیں، ان کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

عشق والوں کو حساب وکتاب کا کیا پتہ، وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

عشق کی دکانیں:

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مولانا! تم نے کبھی عشق کی دکانیں بھی دیکھی ہیں؟ عجیب سوال کیا، مولانا تھوڑی دیر سوچتے رہے اور سوچ کر جواب دیا کہ حضرت! میں نے دو عشق کی دکانیں دیکھی ہیں، پوچھا کہ کون کون سی؟ فرمانے لگے کہ دہلی میں شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک شاہ آفاق کی۔

یہ دونوں نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ یہ دو عشق کی دکانیں دیکھی ہیں۔ جس طرح دکانوں سے سودا ملتا ہے اسی طرح ان اللہ والوں کی دکانوں سے عشق کی پڑیا مل جاتی ہے۔ عشق کی پڑیا لینے کے لئے اس طرح کی محفل میں آنا پڑتا ہے۔ یہ خانقاہیں اسی لئے آباد ہیں۔ یہاں عشق کی دوا ملتی ہے اور اللہ رب العزت پھر دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنے شیخ کو دیکھا کہ عشق کی بڑی دکان تھی، تھوک کا بیوپار تھا۔

جس قلب کی گرمی نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

اس لئے آج اللہ رب العزت سے دنیا کی نعمتیں مانگنے والے تو بڑے ہیں۔ کوئی اولاد مانگتا ہے، کوئی نیک بیوی مانگتا ہے، کوئی گھر بار مانگتا ہے، کوئی کاروبار مانگتا ہے، کوئی اچھی صحت مانگتا ہے، سب نعمتیں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے موجود ہیں لیکن آج اللہ سے اللہ کو مانگنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ نہیں دیکھا کہ کوئی اس لئے رو رہا ہو..... اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْکَ ..... ''اے اللہ! میں آپ سے آپ ہی کو چاہتا ہوں''۔ آج کی رات ۲۹ کی رات، ختم قرآن کی رات، اس محفل میں بس آپ اللہ سے اللہ کو مانگئے، یہ دعا مانگیں اے اللہ.....!

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

یہ وہ نعمت ہے جس کو اللہ کے محبوب بھی اللہ سے مانگتے تھے۔

چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اللہ! جو آپ سے محبت کرنے والے ہیں میں ان کی بھی محبت کا سوال کرتا ہوں''۔ یہ نعمت مانگنے کی چیز ہے۔

واللّٰہ ماطلعت شمس ولاغربت
الا وانت فی قلبی و وسواسی
ولا جلست الی قوم احدثھم
ولا ذکرتك محزونا ولا طربا
الا وحبك مقرون بانفاسی
ولا حممت بشرب ماء من عطش
الا رأیت خیالا منك فی کاسی
فلو قدرت علی الاتمان زرتکم
صحبا علی الوجه او مشیا علی راسی

''اللہ کی قسم کہ سورج کبھی طلوع ہوا اور نہ کبھی غروب ہوا مگر ایسی حالت میں کہ اے محبوب! تو میرے دل میں اور میرے خیالوں میں رہتا ہے اور میں کبھی کسی قوم کے پاس گفتگو کرنے نہیں بیٹھا مگر اے محبوب! ایسی حالت میں کہ ہم جیسوں میں تیرا ہی تو ذکر ہوتا ہے اور میں نے کبھی رنج اور خوشی میں تیرا ذکر نہیں کیا مگر اس حالت میں کہ میرے سانسوں میں تیری محبت ہی تو لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور میں نے کبھی پیاس کی وجہ سے پانی نہیں پیا مگر اے محبوب! میں پیالہ میں تیری ہی تصویر کو تو تلاش کرتا رہتا ہوں اور اے محبوب! اگر مجھے تیری زیارت کے لئے آنے کی قدرت ہوتی تو میں رخساروں کے بل اور سر کے بل چل کے آنے کے لئے تیار ہو جاتا''۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی محبت عطا فرمائے کہ ادھر سے نماز کے لئے اللہ اکبر کی آواز ہو اور ہمارا دل تڑپ اٹھے کہ ہم بھی رخساروں اور سر کے بل چل کے اللہ کے گھر کی طرف پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی محبت عطا فرمادیں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خوفِ خدا

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

(پ۲۲، سورۃ فاطر، آیت ۲۸)

''خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں''۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخر ..... وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ
وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝

(پ۳۰، سورۃ نازعات، آیت ۴۰/۴۱)

''اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو روکا ہوگا (حرام) خواہش سے، پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخر ..... وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ
جَنَّتٰنِ ۝ (پ۲۷، سورۃ رحمٰن، آیت ۴۶)

''اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں''۔

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمہید:

دو الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک امید اور دوسرا خوف۔ اس عاجز نے پہلے چند ایک بیانات میں اللہ رب العزت کی رحمت کا تفصیلی تذکرہ کیا۔ امید کی باتیں بتائیں، آج نوجوانوں کو سامنے بیٹھا کر دل میں یہ بات آئی کہ خوف والی نعمت کا بھی تذکرہ کرنا چاہئے۔

ہم امید کو تو نعمت سمجھتے ہیں، خوف کو نعمت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ اللہ رب العزت کی یہ بھی ایک نعمت ہے۔ کیونکہ تمام گناہوں سے بچنے کی یہ کنجی ہے۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَعْصِیَتِکَ

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی خشیت مانگتا ہوں جو میرے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے''۔ خوف خدا یہ اللہ رب العزت کی بڑی نعمت ہے۔ جس کے ذریعے انسان گناہوں سے بچتا ہے۔ آج اس محفل میں ہم مقام خوف کی سیر کریں گے، پھر اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں گے کہ کیا ایسا خوف ہمارے دلوں میں موجود ہے؟

دو باتیں خوف اور حزن:

دو باتیں ذہن میں رکھئے ایک ہوتا ہے ''خوف'' دوسرا ہوتا ہے ''حزن''۔ خوف باہر کے ڈر کو کہتے ہیں اور حزن اندر کا غم ہوتا ہے۔ جب کبھی آدمی کے دل میں حزن بڑھتا ہے تو اس آدمی کا کھانا پینا کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک ماں کا بیٹا فوت ہو گیا، کئی دن تک وہ کھانا نہیں کھائے گی، اسی طرح ایک آدمی کے کاروبار میں نقصان ہو گیا، اس کا کھانے کو دل نہیں کرے گا، طالب علم اگر امتحان میں فیل ہو گیا تو اچھے کھانے گھر میں ہونے کے باوجود اس کا دل نہیں چاہے گا۔

جب حزن بڑھتا ہے تو کھانا پینا کم ہو جاتا ہے اور جب خوف بڑھتا ہے تو انسان گناہ کرنا کم کر دیتا ہے۔ اسی لئے جس کے دل میں خوف خدا ہو گا وہ گناہوں سے بچے گا، گناہ آٹو

میٹک ختم ہو جائیں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس آدمی کو پھانسی پر چڑھانے کا حکم دے دیا جائے وہ اپنی تنہائی میں کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر گناہوں کی پلاننگ نہیں کیا کرتا، اس کے دل پر ایسا غم سوار ہوتا ہے کہ گناہوں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ اس کو ہر دم یہ خوف لگا ہوتا ہے کہ کل مجھے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ خوف انسان کو گناہوں سے بچانے کی کنجی ہے۔ تاہم کب دل میں خوف غالب ہونا چاہئے اور کب دل میں امید غالب ہونی چاہئے؟ یہ تقسیم بڑی عجیب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جوانی کے عالم میں بندے پر خوف غالب ہونا چاہئے تاکہ نفس کا زور ٹوٹ سکے۔ انسان گناہوں سے بچ سکے۔ لیکن جب بڑھاپا آجائے تب امید غالب ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ قویٰ ضعیف ہو چکے، اب اس پر امید غالب ہو جائے اور اللہ سے پُر امید رہے۔ آگے فرماتے ہیں خوشی کے موقع پر بندے پر خوف غالب ہونا چاہئے تاکہ خوشی میں آکر حدود قیود سے باہر نہ نکلے اور اگر کوئی غم کی کیفیت ہو تو پھر اُمید غالب ہونی چاہئے تاکہ یہ انسان اللہ کی رحمت سے کہیں مایوس نہ ہو جائے۔ صحت کا عالم ہو تو بندے پر خوف غالب ہونا چاہئے اور اگر بیماری کی کیفیت ہو تو پھر اس کے اوپر امید غالب ہونی چاہئے۔ چونکہ کچھ نوجوان چہرے سامنے نظر آرہے ہیں، اس لئے آج کی تقریر کا عنوان آپ کے چہروں نے بتلا دیا اور واقعی ہمیں اس عنوان پر بہت کچھ دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ وہ خوف جو ہونا چاہئے آج ہمارے دل اس سے محروم ہیں۔ یہ خوف اللہ رب العزت کی عجیب نعمت ہے، اسے مانگنا چاہئے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا خوف عطا فرما کہ جس کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچ کر زندگی گزار سکیں۔ معصیت سے خالی زندگی گزار سکیں۔

حکم اللہ ہی کا چلتا ہے:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر جگہ حکم اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے ..... اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ..... وہ ایسا قدرت والا بادشاہ ہے، شہنشاہ ہے، مالک اور خالق ہے کہ ہر چیز کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا ہے۔ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ انسان کے باہر جتنا بھی جہان ہے اس پر اللہ کا حکم سو فیصد چلتا ہے اور کوئی چیز اس کے حکم

سے آگے نہیں چل سکتی۔

لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِیْ لَھَآ اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّھَارِ ؕ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ○

''نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں''۔

ہر چیز اپنے اپنے دائرے میں تسبیح بیان کر رہی ہے، جو کام ذمہ لگا وہ ڈیوٹی سرانجام دے رہی ہے۔ اب رہ گیا انسان، اس کا نصف تو اللہ کے ضابطے کے تابع ہے۔ مثلاً آپ لقمہ منہ میں ڈالنے کا اختیار رکھتے ہیں لیکن منہ میں ڈالنے کے بعد آپ کا اختیار ختم۔ اب پیٹ میں جائے گا اور وہاں آٹومیٹک پروسیس ہے۔ وہاں اللہ کا ایک ضابطہ ہے وہ چل رہا ہے۔ آپ اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ آدھا جسم گویا اللہ کے حکم کے مطابق چل رہا ہے۔ باقی آدھے جسم پر پروردگار نے ہمیں کچھ وقت کے لئے اختیار دے دیا کہ تم اپنے اس جسم کو میرے حکموں کے مطابق استعمال کرو۔ یہاں پھر ایک فرق ہے جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ جسم کے اس حصے کو بھی اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور جو غافل ہوتے ہیں وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ نفس اور شیطان کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ مگر کتنی دیر تک، بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔ ہم اگر گناہ کریں گے تو آخر کہاں بھاگیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ○

(پ ۲۷ سورہ رحمٰن، آیت ۳۳)

''اے جن اور انسان کے گروہ! اگر تم زمین و آسمان کے کروں سے نکل کر دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ نکلو گے کسی دلیل سے نکلو گے''۔

ہم تو گھڑے کی مچھلی کی مانند ہیں۔ کہاں بھاگ سکتے ہیں؟ اس لئے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے جسم کے اس آدھے حصے کو بھی اللہ کے سپرد کر دیں...... اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ ...... ''ہر چیز اسی کی طرف لوٹتی ہے''۔

سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے بن جائیں، جس نے اس راز کو سمجھ لیا اس کو دنیا اور آخرت کی سعادتیں ملیں اور جس نے من مانی کی بس چند دن کی بات ہے پھر آخر اللہ رب العزت کے حضور جانا ہے اور اللہ رب العزت نے بتلا دیا:

اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ○ (پ۱۲، سورہ ہود، آیت ۱۰۲)

''بلاشبہ اس کی دارو گیر بڑی الم رساں (اور) سخت ہے''۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں:

''ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا'' اس کا نام تقویٰ ہے۔ اللہ پاک نے اس کی وصیت فرمائی۔ قرآن پاک میں فرمایا:

وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِیَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ (پ۵، سورۃ نساء، آیت ۱۳۱)

''تحقیق ہم نے وصیت کی تمہیں بھی اور تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی کہ تم اللہ سے ڈرو''۔

تقویٰ اختیار کرو، پرہیز گار بن جاؤ۔ گناہوں سے بچنا اس کا نام پرہیز گاری ہے، ہر اس چیز سے بچنا جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کے تعلق میں فرق آجائے اس کا نام تقویٰ ہے اور ہمیں اس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مرضی اللہ کی چلتی ہے:

اللہ رب العزت کی مرضی ہر حال میں چلتی ہے۔ وہ بے نیاز ذات ہے، اگر ساری زمین کعبہ کے مانند بن جائے اور سارے انسان سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ پر فائز ہو کر اللہ کی عبادت کریں تب بھی اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر ساری زمین کفرستان بن جائے اور سارے انسان فرعون، قارون، ہامان سے بھی برے بن جائیں پھر بھی اللہ کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ مالک بے نیاز ہے، ہماری عبادتیں سب کی سب اللہ رب العزت کی عظمتوں کے پردے سے نیچے رہ جاتی ہیں..... وھو سبحانہ وتعالیٰ وراء الورٰی ثم وراء الورٰی ثم وراء الورٰی..... وہ ذات اس سے بھی بلند ہے، اس سے بھی بلند ہے، اس سے بھی بلند

ہے، وہ اتنی عظمتوں والی ذات ہے۔

دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام چاہتے تھے کہ جنت ہی میں رہیں، اسی اشتیاق میں درخت کا پھل کھایا اور اللہ رب العزت چاہتے تھے کہ انہیں دنیا میں بھیجیں۔ نتیجہ کیا نکلا؟ مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے چھری چلاتے ہیں، دل میں نیت یہ ہے کہ میں بیٹے کو ذبح کروں مگر اللہ رب العزت کی مرضی یہ ہے کہ یہ بچہ ذبح نہ ہو۔ مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بیٹا ہے، اس کو سمجھاتے ہیں..... یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا..... ''اے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا، کافروں کا ساتھ نہ دے''۔ وہ کہتا ہے کہ نہیں میں اوپر چڑھ جاؤں گا۔ اب دیکھئے نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ بیٹا بچ جائے اور اللہ رب العزت نہیں چاہتے تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

نبی علیہ السلام ایک موقع پر دل میں فیصلہ فرما لیتے ہیں کہ آج کے بعد میں نے شہد استعمال نہیں کرنا، پروردگار عالم کی طرف سے پیغام آجاتا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(پ ۲۸، سورہ تحریم، آیت ۱)

''اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو (اپنے اوپر) کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر شہد استعمال فرماتے ہیں تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ کی۔ ان تمام واقعات سے بات یہ سامنے آئی کہ ہر حال میں مرضی اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ پھر ہم کیوں اس کی نافرمانی کر کے اس کو ناراض کرتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس پروردگار کو راضی کریں۔ اس کو خوش کریں۔ اس لئے کہ جس نے اللہ رب العزت کو ناراض کر لیا وہ

انسان کبھی کامیابی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اللہ تعالیٰ جب ناراض ہوتے ہیں تو پھر بندے کو تگنی کا ناچ نچا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ..... (پ ۱۷، سورہ حج، آیت ۱۸)

''جسے اللہ رب العزت ذلیل کرنے پر آتے ہیں، اسے عزت دینے والا اور کوئی نہیں''۔

اس لئے جو انسان اللہ رب العزت کو ناراض کر بیٹھا اب اس کے پلے کچھ نہ رہا۔ اپنی ہر چیز کو ضائع کر بیٹھا اس لئے اس کی ناراضگی سے ہم ڈریں، خوف کھائیں کہ اللہ ناراض نہ ہو جائے۔

خوف کے درجات:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خوف کے تین درجے ہیں:

سب سے نیچے کا درجہ اس کو عوام الناس کا خوف کہتے ہیں۔ عوام الناس کا خوف بچے کے خوف کی مانند ہوتا ہے۔ جیسے بچے سے کوئی شیشے کی چیز ٹوٹ جاتی ہے تو اس کو ذہنی طور پر اس کا احساس ہوتا ہے کہ امی کو جب پتہ چلے گا تو مجھے مار پڑے گی۔ کیوں کہ اس سے غلطی ہوئی۔ لہٰذا وہ پہلے سے انتظار میں ہے کہ امی کو جب پتہ چلے گا تب میری مرمت ہوگی، تو عوام الناس کا خوف اس درجہ کا ہوتا ہے کیوں کہ انہوں نے اللہ رب العزت کے حکم کو توڑا ہوتا ہے، گناہ کئے ہوتے ہیں۔ نفس کی خواہشات کو پورا کیا ہوتا ہے۔ ان کے دل میں خوف ہے، وہ اپنے گناہوں کو دیکھتے ہیں۔ اپنے معاملات کو دیکھتے ہیں تو پھر ان کے دل میں ایک ڈر ہوتا ہے کہ ہمیں آخرت کے اندر سزا ملے گی۔

دوسرا خوف اس سے ذرا بلند درجہ کا ہے۔ اسے کہتے ہیں ابرار کا خوف، نیکوکاروں کا خوف، اور وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے تو نیک عمل کئے ہوتے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا عمل کرنا چاہئے تھا ہم ایسا عمل نہیں کر سکے۔ پتہ نہیں یہ ہمارے اعمال اللہ رب العزت کے یہاں قبول بھی ہوں گے یا نہیں؟ لہٰذا ان کو ڈر لگا رہتا ہے۔ یہ لوگ گناہ تو نہیں کرتے لیکن اعمال کی قبولیت کے بارے میں ڈر رہے ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی..... مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ..... ''اے اللہ! جیسے آپ کی عبادت کا حق تھا وہ حق ادا نہیں کر سکے اور جیسی آپ کی معرفت حاصل کرنی چاہئے تھی وہ معرفت حاصل نہیں کر سکے''۔

یہ لوگ کرتے بھی ہیں ڈرتے بھی ہیں۔ عمل بھی کیا اپنی طرف سے مگر قبولیت کے بارے میں ڈرتے ہیں، دن رات اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ نیکیاں کمائیں اور پھر رات کو روتے ہیں کہ:

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

اس لئے کتابوں میں لکھا ہے کہ ہمارے اکابرین ساری ساری رات عبادتوں میں گزارتے تھے۔ لیکن صبح کے وقت اتنی ندامت سے استغفار کرتے تھے کہ جیسے ساری رات کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے رہے ہوں ..... كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ ..... (پ۲۶، سورۃ ذاریات، آیت ۱۷)..... ''وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے''۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ تہجد میں اس طرح روتے تھے جیسے کوئی بچہ اپنے باپ سے پٹ رہا ہوتا ہے اور وہ معافیاں مانگتا ہے، فریاد کرتا ہے، روتا ہے، اس طرح وہ اللہ رب العزت کے سامنے گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔

یہ خوف کا دوسرا رتبہ کہ اپنی طرف سے تو نیک اعمال کئے۔ لیکن پھر یہ دل میں رکھا کہ یہ عمل جیسا کرنا چاہئے تھا ویسا ہو نہیں سکا۔ جیسے آج کل کوالٹی کنٹرول کا دور ہے، ہر جگہ کوالٹی کنٹرول کی باتیں ہوتی ہیں تو اللہ رب العزت کے یہاں بھی کوالٹی کنٹرول ہے:

..... اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ..... (پ۲۹، سورہ ملک، آیت:۲)

''جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے''..... اَکْثَرُ عَمَلًا..... نہیں کہا بلکہ .....اَحْسَنُ عَمَلًا..... کہا کہ تم عمل کرو، مگر جیسے کرنے کا حق ہے اس طرح سے کرو۔

تیسرا خوف عارفین کا خوف، وہ یہ کہ اپنی طرف سے تو وہ اعمال تو خوب اچھی طرح کر رہے ہوتے ہیں لیکن ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں موت تک ہم ان کو بحفاظت پہنچا سکیں گے یا نہیں؟ کہیں فتنہ میں نہ پڑ جائیں، محروم نہ کر دیئے جائیں، نگاہ ناز ہم سے ہٹ نہ جائے، ہمیں الجھا نہ دیا جائے، اس لئے انجام کے بارے میں ڈر رہے ہوتے ہیں کہ انجام کا تو کسی کو نہیں پتہ۔ یہ عارفین کا خوف ہوتا ہے جو بلند مرتبہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام کے دلوں میں بھی یہی خوف ہوتا ہے، یہی ڈر ہوتا ہے، ہر وقت..... وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ط اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ ..... (پ ۲۶، سورہ احقاف، آیت ۹)

''اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ معلوم کہ) تمہارے ساتھ (کیا کیا جائے گا) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعہ آتا ہے''۔

وہ ڈر رہے ہوتے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارا کیا بنے گا؟ اس لئے کہ رب کریم کی عظمتوں کو وہ جانتے ہیں، اس کی جلالت کو وہ سمجھتے ہیں، اس کی بے نیازی کی جب نگاہ اٹھتی ہے تو پھر بلعم باعور کی چار سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا کر رکھ دیتے ہیں اور جب اس کی رحمت کی نگاہ اٹھ جاتی ہے تو فضیل بن عیاض کو ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کر ولیوں کا سردار بنا دیتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کی شان بے نیازی سے ڈرتے ہیں کہ وہ چاہے تو بغیر کسی وجہ کے پکڑ لے، یہ بھی اس کا عین انصاف ہے۔ ایک بات ہماری نظر میں چھوٹی ہے ممکن ہے اللہ رب العزت کی نظر میں بڑی ہو، کئی مرتبہ مشائخ پر چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے آزمائش آ گئی۔

اللہ کی پکڑ:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ، یہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے۔ ایک بار کفار کی بستی کے قریب سے گزرتے ہوئے ان کے دل میں خیال آیا

کہ یہ کیسے بے عقل لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں، بس اس بات پر پکڑ آ گئی کہ اگر تم ہدایت پر ہو تو تمہاری عقل کا کمال ہے یا ہمارا کمال ہے جس نے تمہیں ہدایت پر رکھا ہوا ہے؟ چنانچہ کفار کی کسی لڑکی پر نظر پڑی اور باطن کی ساری نعمت چھن گئی۔ لوگوں کو کہا کہ جاؤ اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ حافظ القرآن اور حافظ الحدیث تھے، ہزاروں انسانوں کی ہدایت کے لئے ان کے مربی بنے ہوئے تھے۔ آزمائش میں آ گئے، دل سے سب کچھ نکل گیا، لڑکی کے گھر گئے۔ اس کے والد سے کہا کہ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دو۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس رہو، دو سال خدمت کرو کچھ آپس میں موانست ہو، جان پہچان ہو پھر کر دیں گے۔ لیکن کام جو آپ کے ذمے لگے گا وہ یہ کہ ہمارے سؤر چرانے پڑیں گے؟ کہنے لگے، چراؤں گا۔ دو سال تک سؤر چراتے رہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں وہ کس حال میں ہیں۔ میں دیکھ کر آؤں۔ لہٰذا وہ ملنے کے لئے آئے، کیا دیکھتے ہیں وہی جبہ، عمامہ، وہی عصاء، جس کے ساتھ وہ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے، اسی حالت میں کھڑے وہ ان سؤروں کی نگرانی کر رہے تھے۔ اللہ نے انہیں اس کام پر لگا دیا۔ قریب آئے اور کہا، حضرت! آپ تو حافظ قرآن تھے، اب بھی آپ کو قرآن پاک یاد ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ پوچھا، حضرت! کوئی ایک آیت یاد ہو؟ فرمایا بس ایک آیت یاد ہے:

...... وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط ......

''جسے اللہ ذلیل کرنے پر آتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں''۔

پھر کہا، حضرت! آپ حدیث پاک کے بھی حافظ تھے؛ فرمایا بھول چکا۔ پھر پوچھا، حضرت! کوئی حدیث یاد ہو؟ فرمایا ایک حدیث یاد ہے:

...... مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ ......

''جو اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کر دو''۔ یہ آیت یاد رہی اور یہ روایت، باقی سب کچھ بھول گیا۔ اس موقع پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کر دیا۔ کوئی قبولیت کا وقت تھا۔ شیخ کے اوپر بھی گریہ طاری ہوا اور روتے روتے انہوں نے یہ کہا کہ اللہ! میں آپ سے یہ توقع تو نہیں کرتا

تھا کہ میں اس حال میں پہنچ جاؤں گا۔ اب جب عاجزی کی چند باتیں کہیں تو وہ اللہ رب العزت کو پسند آ گئیں۔ اللہ رب العزت نے پھر وہ نعمتیں لوٹا دیں۔ توبہ کی توفیق عطا فرما دی اور پھر ان کے ذریعہ اللہ نے لاکھوں انسانوں کو ہدایت عطا فرمائی۔

حافظ قرآن والحدیث کی زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ نکل جاتا ہے تو اللہ رب العزت کی پکڑ آ جاتی ہے اور اللہ اس کو بھی سؤروں کے چرانے میں لگا دیتے ہیں۔ میں اور آپ کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟

عجب کا علاج:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی، فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی دو آیتیں ہیں ان دو آیتوں کو جس نے پڑھ لیا اس کے بعد اس کو عجب نہیں آ سکتا۔ ایک علم کے بارے میں اور دوسری عمل کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کس کو؟ اپنے محبوب کو جن کو اتنا مرتبہ دیا، اتنا مقام دیا، ان کو فرماتے ہیں:

..... وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ .....

(پ ۱۵، سورہ اسراء، آیت ۸۶)

''اگر ہم چاہیں ہم سب کچھ لے لیں جو کچھ ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو عطا کیا''۔

اپنے محبوب کو یہ فرما رہے ہیں..... لَئِنْ شِئْنَا ..... دیکھئے کیا شاہانہ خطاب ہے، کیسی عظمت ہے اس خطاب میں، کیسی جلالت شان اللہ کی ظاہر ہوتی ہے..... لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ ..... نون ثقیلہ کا صیغہ استعمال فرمایا، تاکید کا آخری درجہ۔ ''اگر ہم چاہیں ہم ضرور بالضرور وہ سب کچھ لے لیں جو ہم نے آپ کے اوپر وحی کے ذریعہ نازل کیا''۔

ہمارا علم کس کام کا، ہم اپنے علم پر کیا عجب کر سکتے ہیں۔

دوسری آیت فرمائی عمل کے بارے میں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے محبوب سے، سید الکونین سے، امام الانبیاء، امام الملائکہ سے..... وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ ..... ''اے محبوب! اگر ہم آپ کو ثابت قدمی نہ دیتے''

لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ
الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○

ان آیات کا ترجمہ کرنے کی ہمت اس عاجز میں نہیں ہے۔

اس آیت کو پڑھ کر ذرا غور کیجئے! کہ اللہ رب العزت کی ذات کتنی عظمتوں والی ہے۔ اپنے محبوب کو یہ الفاظ فرمائے تو پھر کیا ہم اپنے عمل پر ناز کر سکتے ہیں؟ جس طالب علم نے ان دو آیتوں پر غور کر لیا وہ اپنے علم اور عمل پر ناز نہیں کر سکتا، اس کی گردن جھکی رہے گی، وہ ڈرتا کانپتا رہے گا، اس میں ''میں'' نہیں آئے گی۔ وہ اللہ رب العزت کا عاجز بندہ بنے گا، اس لئے ہم اللہ رب العزت کی عظمت کو سمجھتے ہوئے تواضع والی زندگی کو اختیار کریں، اللہ رب العزت کو راضی کرنے کی اس طرح کوشش کریں جس طرح کہ بھاگا ہوا غلام پکڑا جائے پھر وہ شرمندہ ہوتا ہے اور دوبارہ اس کو کام پر لگا دیا جائے تو مالک کو خوش کرنے کے لئے دوڑ دوڑ کر کام کر رہا ہوتا ہے۔ جس طرح وہ غلام مالک کو خوش کرنے کیلئے بھاگ بھاگ کر کام کرتا ہے، ہم اسی طرح بھاگ بھاگ کر نیکی کرنے کی کوشش کریں تا کہ پروردگار عالم ہم سے راضی ہو جائیں، یہ خوف کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ انجام کے بارے میں خوف رہنا اس کی اور بھی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خشیت کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی آندھی آجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد میں تشریف لے آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا، خوف کے آثار ظاہر ہوتے، صحابہ رضی اللہ عنہم پوچھتے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کیوں خوف زدہ نظر آتے ہیں؟ فرماتے کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح بادل بھیجے گئے، وہ سمجھتے رہے کہ پانی کی بارش برسے گی، مگر ان پر پتھروں کی بارش برسا کر ان کو تہس نہس کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے، صلوٰۃ الحاجت پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے، جب تک آندھیاں بند نہیں ہو جاتی تھیں۔ اتنا ان کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا تھا کہ معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خوف:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ .....اس امت میں اللہ رب العزت نے جن کو بلند مقام عطا فرمایا، ان کا نام ہی بتلا رہا ہے ''ابوبکر'' کنیت ہی ایسی نرالی۔ دیکھئے عربی زبان میں جس لفظ کا مادہ 'ب' .....'ک' .....'ر' ہو.....یعنی فا کلمہ 'ب'، عین کلمہ 'ک' اور لام کلمہ 'ر' بنے تو اس کا مطلب ہی ہوتا ہے سب سے اول چیز۔ مثلاً ''بکور'' موسم کے سب سے پہلا پھل کے لئے استعمال ہوتا ہے، بکرہ کل کے دن کا پہلا حصہ ''باکرہ'' وہ کنواری بچی جس نے مرد کو شوہر کی نظر سے نہ دیکھا ہو تو اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر دیکھئے، ابوبکر کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس امت میں آپ کو سب سے بلند مرتبہ دیا۔ ویسے بھی دستور کی بات ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی سب سے پہلے ان عمارات پر پڑتی ہے جو سب سے بلند و بالا ہوتی ہیں، اسی طرح جب نبوت کا سورج بلند ہوا، اس کی سب سے پہلی روشنی بھی اس شخصیت پر پڑی جو اس امت میں سب سے بلند و بالا تھی۔ ان کے بارے میں نبی علیہ السلام کی اتنی بشارتیں تھیں کہ فرمایا میں نے سب کے احسانات کہ بدلہ دے دیا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احسان کا بدلہ اللہ دے گا، نبی علیہ السلام کا فرمادینا کتنی بڑی بات ہے۔ جن کو معیت کبریٰ نصیب تھی، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نسبت اتحادی نصیب تھی، ان کے خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ ڈرتے کانپتے تھے، کبھی کبھی بیٹھ کر یوں کہتے کہ اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا، اے کاش! میں گھاس کا تنکا ہوتا، میں کوئی پرندہ ہوتا، اے کاش! میں کسی مؤمن کے بدن کا بال ہوتا۔ وہ اللہ رب العزت کی عظمتوں کو جانتے تھے، اس لئے ڈرتے کانپتے تھے کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خوف:

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ .....جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا .....لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ..... اگر میرے بعد کسی نبی کو آنا ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے وہ صفات دی ہیں کہ وہ نبی ہوتے۔ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، جو مراد مصطفیٰ ہیں، جن کے

بارے میں نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ جس راستے سے گزرتا ہے شیطان اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے، اس ہستی کے بارے میں آتا ہے کہ ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا، حذیفہ! آپ کو نبی علیہ السلام نے منافقین کے نام بتائے اور یہ بھی فرمادیا کہ تم کسی کو نہ بتانا، اب میں تم سے منافقین کے نام تو نہیں پوچھتا، اتنا پوچھتا ہوں کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں ہے؟ کتنی عجیب بات ہے اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ جیسے ہی میری روح نکل جائے تو جلدی سے مجھے نہلا دینا، کفن دینا، بار بار اس کی تاکید کی تو ایک صحابی نے کہا کہ حضرت! ہم جلدی تو کریں گے مگر اتنی تاکید کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر ٹھنڈی سانس لی اور ایک بات کہی فرمانے لگے کہ جلدی کی تاکید اس لئے کر رہا ہوں کہ اگر اللہ رب العزت مجھ سے راضی ہوئے تو تم مجھے اللہ سے جلدی ملا دینا اور اگر اللہ مجھ سے ناراض ہوئے تو تم میرا بوجھ جلدی سے کندھوں سے ہٹالینا اور عمر کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے۔

خوف کی مثال:

ایک صحابی بیٹھے رو رہے ہیں۔ ان کے دوست آئے کہنے لگے کہ کیا ہوا؟ کوئی غلطی ہوگئی؟ کوئی گناہ ہوگیا؟ ان کے سامنے ایک گندم کا دانہ پڑا ہوا تھا، انہوں نے وہ گندم کا دانہ اٹھا کر دکھایا اور قسم کھا کر کہا کہ اللہ کی قسم! میری زندگی کے گناہوں کا وزن گندم کے دانے کے برابر بھی نہیں، میں گناہوں سے نہیں رو رہا، اس بات پر رو رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت سے پہلے ایمان سے محروم کر دیا جاؤں۔ یہ خوف کی سب سے اعلیٰ مثال ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں تھا۔

محبوبہ محبوب خدا ام المؤمنین، مخدومۃ المسلمین، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساری رات اس آیت کو دہراتی ہیں:

.....وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ○ .....

(پ۲۴، سورہ زمر، آیت ۴۷)

''اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا''۔ پڑھتی ہیں اور پڑھتے پڑھتے پوری رات گزار دیتی ہیں۔ ان کے دل میں یہ خوف ہوتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا خوف:

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے دل پر خشیت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ وہ نوجوان ہے جو ابھی ابھی اپنے باپ کو دفن کر کے واپس آ رہا ہے اور جب بات کرتے تھے تو ان کے چہرے پر خشیت کا یہ حال ہوتا تھا کہ یوں لگتا تھا کہ یہ وہ مجرم ہے جس کی پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ وہ اتنا روتے تھے کہ ان کے آنسوؤں کا پانی زمین پر پڑتا حتیٰ کہ وہ پانی بہہ پڑتا، ایک مرتبہ روتے روتے ان کے چھت کے پرنالے سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ایسے نیک بندے تھے اور ان پر خشیت کا یہ عالم تھا۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی گریہ زاری:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں آتا ہے کہ روتی تھیں اور آنسو زمین پر چھڑکتی رہتیں۔ یہاں تک کہ زمین پر اتنے آنسو گرتے کہ اس جگہ پر بسا اوقات گھاس زمین پر اگ جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے بھنا ہوا مرغ کھانے کے لئے پیش کیا تو رونے بیٹھ گئیں۔ وہ حیران ہوا کہنے لگا کہ آخر کیا بات ہے؟ فرمانے لگیں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ مرغ تو مجھ سے اچھا ہے، اس نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگیں وہ اس لئے کہ اس مرغ کو پہلے ذبح کیا گیا، پھر اس کو آگ پر بھونا گیا اور اگر رابعہ کے گناہوں کو نہ بخشا گیا تو اس کو تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے گا، وہ لوگ بھنا ہوا گوشت کھاتے تھے تو جہنم کی آگ کو یاد کر کے رو پڑا کرتے تھے۔

اللہ کا خوف:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ پانی مانگا تو کسی نے ان کو پینے کے لئے شربت دے دیا۔ شربت کا گلاس منہ کو لگایا آنسو آ گئے اور وہ شربت کے گلاس میں آ کر گرے۔ کسی نے کہا امیر المؤمنین کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے ایسا نہ ہو قیامت کے دن اللہ

فرمادے:

.....اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ .....

''تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے''۔

حالانکہ یہ آیت کفار کے بارے میں آئی ہے لیکن وہ اپنے پر اس کو چسپاں کر لیتے تھے۔ اتنا ان لوگوں کے دلوں میں خوف ہوتا تھا کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا بنے گا؟ یہ غم ان پر سوار رہتا اور راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔

.....تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ .....

''ان کے پہلو ان کے بستروں سے الگ رہتے تھے''۔ اپنے رب کو مناتے تھے، کہتے تھے آج کی رات سجدے کی رات، کبھی کہتے آج کی رات رکوع کی رات، کبھی کہتے آج کی رات قیام کی رات، اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہو کر مانگتے تھے۔

ایک محدث کے بارے میں آتا ہے کہ حدیث پڑھا رہے تھے۔ طلباء نے دیکھا کہ چہرے کا رنگ بدلتا ہے، خوف کے آثار محسوس ہوتے ہیں۔ درس کے بعد کسی نے پوچھا حضرت آج کیا بات تھی؟ فرمایا تم نے نہیں دیکھا کہ جب میں حدیث کا درس دے رہا تھا میرے سر پر بادل آ گئے اور مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ ایسا نہ ہو اس سے پتھروں کی بارش برسا کر میری شکل مسخ کر دی جائے۔ حدیث پاک کا درس دیتے ہوئے اتنا ڈرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا خوفِ خدا:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ..... ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' اسماء الرجال کی کتب میں لکھا ہے کہ یہ ایسے محدث ہیں، ان کے بارے میں اتنے تعریفی کلمات کہے گئے کہ اتنے تعریفی کلمات کسی اور محدث کے بارے میں نہیں کہے گئے۔ ایسی ہر دلعزیز شخصیت تھی کہ حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ جو ان سے عمر میں بہت بڑے تھے، جب ان کو دیکھتے تھے تو ادب سے کھڑے ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ خراسان کے محدث ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن

مبارک ہے، یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اللہ نے ان کو بڑا مقام دیا تھا، ایک وقت میں چالیس چالیس ہزار طلباء ان سے بیٹھ کر حدیث پاک سنا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ ساؤنڈ سسٹم تو تھا نہیں، جب وہ حدیث شریف سناتے تو لوگ مکبر کی طرح اس کو آگے پڑھ کر سناتے جو آگے آواز پہنچانے والے تھے ان کی تعداد گیارہ سو ہوا کرتی تھی اندازہ کیجئے۔ جس مجمع کے مکبر گیارہ سو ہوں وہ مجمع کتنا بڑا ہوگا۔ اتنے سارے لوگوں کو حدیث کا درس دینے والے۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو اپنے شاگردوں کو کہا کہ مجھے چارپائی سے اٹھا کر زمین پر لٹا دو۔ طلباء ذرا پریشان ہوئے، وہاں کوئی قالین تو تھا نہیں بلکہ مٹی تھی۔ جب دیکھا کہ ذرا تاخیر ہو رہی ہے تو دوبارہ کہا کہ مجھے زمین پر لٹا دو..... الامر فوق الادب..... طلباء نے زمین پر لٹا دیا۔ جیسے ہی زمین پر لٹایا، ان کی چیخیں نکل گئیں۔ انہوں نے کیا منظر دیکھا کہ آپ نے اپنے رخسار کو زمین پر رگڑنا شروع کر دیا اور اپنی ریش کے بالوں کو پکڑ کر رونے لگے اور کہنے لگے یا اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما۔

حضور ﷺ نے پوچھا:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے ساتویں آسمان کو دیکھا کہ کچھ فرشتے ہیں جن کے قد بہت بڑے ہیں اور وہ سجدے کے عالم میں ہیں اور ان کے جسم کانپ رہے ہیں اور ان کے جسم کے کانپنے کی وجہ سے ایک عجیب سی آواز محسوس ہو رہی ہے۔ پوچھا جبرائیل! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ فرشتے سجدے کی حالت میں پیدا ہوئے۔ ہمیشہ اسی حالت میں اللہ پاک کی حمد کرتے رہیں گے، تسبیح پڑھتے رہیں گے لیکن اللہ رب العزت کی جلالت شان کا ان پر اتنا اثر ہے کہ یہ خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہیں اور ان کے کانپنے کی وجہ سے یہ آواز آپ کو سنائی دے رہی ہے۔

اندازہ کیجئے اللہ پاک کی جلالت کا کیا عالم ہوگا۔ نبی علیہ السلام عرش کے پاس جانے لگے تو آپ ﷺ نے عرش کی آواز سنی، پوچھا جبرائیل! یہ کیسی آواز ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ! یہ عرش کی آواز ہے جو اللہ رب العزت کی عظمت کی وجہ سے اس میں آ رہی ہے، جیسے

کوئی کرسی ہوتی ہے، جس پر کوئی مضبوط بندہ بیٹھ جائے اس میں سے جیسی آواز نکلتی ہے ایسی آواز عرش میں سے آ رہی تھی۔ جب فرشتوں کا یہ عالم ہے، عرش کا یہ عالم ہے تو عزیز دوستو! ہم بھی تو ذرا سوچیں کہ ہم نے تو ارادے کے ساتھ خطائیں کی ہیں، ایسا نہ ہو کہیں پکڑ آ جائے۔ اس لئے ڈرنے کی بات ہے اور معافی مانگنے کی ضرورت ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا..... اَنَا اَغْیَرُ وُلْدِ آدَمَ ..... ''میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ غیور ہوں''..... وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ ..... ''اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہیں''۔

ہم گناہ کرتے ہیں، یہ تو اللہ رب العزت کا احسان ہی ہے اگر مواخذہ فرمائیں تو ہمارا کیا حال بنے۔ دوستو! اگر گناہوں میں سے بو آ رہی ہوتی تو شائد آج ہمارے پاس لوگوں کا بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہمارے جسم سے اتنی بدبو نکل رہی ہوتی۔

اللہ تعالیٰ بڑے غیور ہیں۔ کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے جو مصر کا ہے کہ ایک آدمی اذان دینے کے لئے منارے پر چڑھا اِدھر اُدھر جو دیکھا تو ہمسایہ کی چھت پر اس کی جوان العمر لڑکی پر نظر پڑی۔ بس دل پر اثر ہو گیا، نیچے اترا، جا کر ہمسایہ سے بات کی کہ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دو۔ وہ غیر مسلم تھے، انہوں نے کہا اچھا آ جاؤ ہمارے گھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اب سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ پاؤں جو پھسلا گردن کے بل گرا اور وہیں پر موت آ گئی۔

پروردگار ایسے بھی کر دیتا ہے کہ جب اذان دینے منارے پر چڑھے تو مسلمان تھے۔ جب نیچے اترے تو سب نعمت چھن چکی تھی۔ ہم نے تو ارادوں سے گناہ کئے یہ تو اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اللہ پاک نے ڈھیل دی، ہمارے اوپر رحمت کے پردے ڈال دیئے، ہمیں چھپا لیا، لوگوں کی زبانوں سے پھر تعریفیں کروا دیں۔ کسی نے کہا اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی کہ جس پروردگار نے چھپا رکھا ہے۔ اگر وہ نہ چھپاتا تو لوگ تو دیکھنا بھی پسند نہ کرتے۔ اللہ رب العزت کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ وہ کتنا بڑا حلیم اور کتنا کریم ہے۔ انسان اور جن کے سوا ہر مخلوق کو مقام خوف حاصل ہے۔ اس لئے کوئی مخلوق اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتی، ہر چیز اس کام میں لگی ہوئی ہے۔ کام میں اللہ نے لگا دیا ہے۔ شجر و حجر یہ بھی اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں:

..... وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ..... ط

''جو بھی کوئی چیز ہے اللہ کی حمد بیان کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو''

ہر چیز کو پتہ ہے کہ اس کی ڈیوٹی کیا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا:

..... کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ .....

''ہر چیز کو اپنی نماز کا پتہ ہے''۔ ساری مخلوق اپنے فرض کو انجام دے رہی ہے، ایک انسان اور ایک جن صرف یہ دو ہیں جو من مانیاں کر لیتے ہیں، نافرمانیاں کرتے ہیں، اس لئے فرمایا:

..... سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَا الثَّقَلٰنِ .....

نافرمان جنوں اور نافرمان انسانوں کو اللہ نے فرمایا تم میری زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہو۔ فرمایا: ''اور میری زمین کے بوجھو! ہم اپنے آپ کو عنقریب تمہارے لیے فارغ کر رہے ہیں''۔ ہم تمہیں مزہ چکھائیں گے، جیسے ماں دھمکاتی ہے بچے کو کہ ابھی آتی ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آ نہیں سکتی، دھمکانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ باز آ جائے۔

اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو تمہارے لئے فارغ کرتے ہیں او میری زمین کے بوجھو! ''ہم تو زمین پر بھی بوجھ بنے ہوئے ہیں، کتنے گناہ کئے ہیں ہم نے، جن سے چند کلو وزن سر پر نہیں اٹھایا جاتا انہوں نے بھی ٹنوں کے حساب سے گناہوں کا بوجھ سر کے اوپر لادا ہوا ہے۔

نماز کی شان:

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ شجر و حجر یہ بھی اللہ رب العزت نے درختوں کو قیام کی حالت میں پیدا کیا۔ ساری زندگی قیام کی حالت میں رہتے ہیں، کیڑوں کو اللہ تعالیٰ نے سجدے کی حالت میں پیدا کیا، ساری زندگی سجدے کی حالت میں رہتے ہیں۔ پہاڑوں کو اللہ رب العزت نے قعدہ کی شکل میں پیدا کیا ساری زندگی اس حالت میں رہ کر اللہ رب العزت کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اے انسان! ان کو تو ایک ایک عمل دیا گیا وہ ایک ایک عمل کر رہے ہیں اور ہمیں تو تمام

اعمال کا مجموعہ نماز کی شکل میں عطا کیا، کاش کہ ہم نماز کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے۔

جب ہم قیام کرتے ہیں، ہمیں ان فرشتوں سے مناسبت مل رہی ہوتی ہے، جو قیام کی حالت میں پیدا ہوئے۔ رکوع میں ہوتے ہیں تو ان فرشتوں سے جو رکوع میں پیدا ہوئے اور تسبیح کر رہے ہیں تو ہمیں تو نماز میں کتنے مقامات مل رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم کسی سایہ دار درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک نے پوچھ لیا کہ اس میں کیا حکمت؟ فرمایا کہ جب اس کا سایہ گھٹتا اور بڑھتا ہے وہ درخت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو رہا ہوتا ہے۔ درخت بھی سجدہ ریز ہو رہا ہو اور ہم اس میں سستی کر جائیں کتنی عجیب بات ہے۔ ساری مخلوق کو مقام خوف حاصل ہے۔ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ خوف عطا فرمادیں کہ ہم گناہوں سے بچ سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ سے پوچھا:

مدینہ سکینہ کا واقعہ ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بار نبی علیہ السلام تشریف فرما تھے، ایک صحابی آئے اور آکر کہتے ہیں، اے اللہ کے نبی! میرا ایک اونٹ ہے اور میں اس اونٹ پر سامان لاد کر دوسری جگہ پہنچاتا ہوں، اس کا پورا خیال رکھتا ہوں، کھانے دانے کا، پینے کا، لیکن جب رات ہوتی ہے اور میں سو جاتا ہوں تو اے اللہ کے نبی! وہ ایسی غمناک سی آواز نکالتا ہے کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے، میری نیند پوری نہیں ہوتی، اگلے روز مجھے پھر کام کرنا ہوتا ہے تو مجھے مشکل پیش آتی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کیلئے آیا ہوں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے مدعی کی بات تو سن لی مدعیٰ علیہ کی بھی بات سنیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ اونٹ کو بلاؤ، اونٹ کو بلایا گیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اونٹ بڑے احترام کے ساتھ چلتا ہوا آیا اور نبی علیہ السلام کے سامنے التحیات کی حالت میں بیٹھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا مالک تیرا شکوہ بیان کر رہا ہے کہ وہ تو تیرے کھانے دانے کا پورا خیال رکھتا ہے اور تو اس کو رات بھر سونے نہیں دیتا۔

اونٹ نے جواب دیا اے اللہ کے محبوب! میرے مالک نے سچ کہا یہ میرے کھانے دانے کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ اے اللہ کے محبوب! میں بھی ان کا خیال رکھتا ہوں یہ جتنا بھی بوجھ لاد دیتے ہیں میں نے کبھی بوجھ لے جانے سے انکار نہیں کیا۔ ہمیشہ میں بھی بوجھ پہنچا دیتا ہوں یہ بھی محنت کرتے ہیں میں بھی محنت کرتا ہوں۔ ہم دونوں تھکے ہوئے شام کو گھر واپس لوٹتے ہیں۔ اے اللہ کے محبوب! یہ مغرب کے بعد کھانا کھا کر تھکاوٹ کی وجہ سے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے لیٹ جاتے ہیں مگر ان پر نیند غالب آجاتی ہے، اتنی گہری نیند ہوتی ہے حتیٰ کہ رات گہری ہو جاتی ہے، مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سوئے رہیں اور ان کی عشاء کی نماز قضاء ہو جائے۔ اس ڈر کی وجہ سے میں رات کو سوتا نہیں، تھکاوٹ کے باوجود میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد غمناک آوازیں نکالتا ہوں اور ان کو جگاتا ہوں کہ میرے مالک جاگ لے اور اپنے مالک کے حکم کو پورا کر لے۔ قیامت کے دن کہیں مجھے بھی نہ پوچھا جائے تو اس کا ساتھ تھا، ساتھ بیٹھا ہوتا تھا تو ہی جگا دیتا تا کہ میرا حکم پورا کر لیا جاتا۔ میں سارا دن تھکنے کے باوجود رات کو نہیں سوتا مالک کو جگاتا ہوں کہ تو اپنے مالک کی نافرمانی نہ کر۔

حیرت کی بات ہے کہ ان جانوروں کو بھی اللہ نے ایسا خوف عطا فرمایا۔ ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔ ہمیں بھی اللہ رب العزت سے اس خوف کو مانگنے کی ضرورت ہے، اللہ ہمیں ایسا خوف عطا فرما دے کہ ہم گناہوں سے، معصیت سے بچ کر زندگی گزار سکیں۔ آج اپنے دلوں میں یہ عہد کر لیجئے، رب کریم! آج تک جو بھی گناہ سرزد ہوئے ہم نادم ہیں، ہم شرمندہ ہیں میرے مولیٰ ہم آج سچی توبہ کرتے ہیں اور آج کے بعد دل میں پکا عہد اور ارادہ کرتے ہیں کہ ہم گناہوں سے پاک زندگی گزاریں گے۔ رب کریم! ہم گناہوں سے نہیں بچ سکتے لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ ہمیں بچا سکتے ہیں۔ اللہ آپ آئندہ ہمیں گناہوں سے بچا لینا۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی التجا:

چنانچہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اللہ کی نیک بندی تہجد کے وقت دعا مانگتی تھی اور یوں کہتی تھیں، اے اللہ! سارا دن جا چکا رات آ گئی ساری دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر لئے تیرا دروازہ

اب بھی کھلا ہے۔اے اللہ! میں تیرے سامنے فریاد کرتی ہوں اور اس کے بعد دعا یہ مانگتی ہوں اے اللہ! آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے اے اللہ! شیطان کو مجھ پر مسلط ہونے سے روک دیجئے۔

سلف صالحین اس طرح اپنے رب کو مناتے تھے اور عاجزی اور فریاد کرتے تھے، جس کی وجہ سے اللہ رب العزت ان کو معصیت سے خالی زندگی مرحمت فرمادیتے تھے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مقام خوف عطا فرمادیں، وہ خشیت عطا فرمادیں تاکہ ہم گناہوں سے بچ کر زندگی گزار سکیں۔یہ خوف دل میں جب ہو تو اللہ کی طرف سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔پروردگار عالم آنے والی زندگی میں ہمیں گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرمالیں اور ہمیں نیکی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادیں۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حُسنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ

(پ۲۱، سورۃ الاحزاب، آیت ۶)

وَقَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ..... لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر شروع کی تو انہوں نے اللہ رب العزت سے ایک دعا مانگی، اس دعا کا تذکرہ قرآن عظیم الشان میں موجود ہے۔

دعا یہ مانگی کہ اے اللہ میں نے آپ کا گھر بنا دیا۔ مسجد بنا دی، اب آپ عبادت سکھانے والے کو بھیج دیں۔ مدرسہ بنا دیا، تعلیم دینے والے کو بھیج دیجئے۔

دعا مانگنے والے ابراہیم خلیل اللہ۔ آمین کہنے والے اسماعیل ذبیح اللہ..... اور جہاں اس دعا کا تذکرہ کیا گیا، اس کتاب کا نام کلام اللہ اور جس جگہ دعا مانگی اس کا نام بیت اللہ اور جس

سے دعا مانگی اس کا نام اللہ.....اور جو اس دعا کی قبولیت بن کر اس دنیا میں تشریف لائے، ان کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چنانچہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت بن کر دنیا میں آیا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مبشرات:

نبی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں امید سے تھی تو میں نے بہت سے مبشرات دیکھے۔ برکتوں والے کام دیکھے۔ یہاں تک کہ میں جب زم زم بھرنے جاتی تو زم زم کا پانی کنارے کے قریب آتا۔ مجھے بھرنے میں بھی کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

نبی علیہ السلام کی ولادت مبارکہ سحری کے وقت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ سحری کے وقت میں یہ حکمت تھی کہ جیسے ظاہری طور پر شب کی تاریکی جارہی تھی اور صبح کا اجالا آرہا تھا۔ یہ ایک پیغام تھا کہ آج دنیا سے شرک وبدعت کی تاریکی جارہی ہے اور توحید کا اُجالا آرہا ہے۔

نبی علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے وقت جو آتش پرستوں کی آگ سال ہا سال سے جل رہی تھی۔ سینکڑوں سال سے جل رہی تھی اچانک بجھ گئی، پیغام تھا کہ شرک کی آگ جو دنیا کے اندر ہر طرف پھیلی ہوئی ہے، وہ اس مبارک ہستی کی تشریف آوری کے بعد بالکل ختم ہو جائے گی۔

ثناء خوانوں میں نام لکھوانے کے لئے:

نبی علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا.....وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ.....محبوب آپ کے ذکر کو ہم نے دنیا میں بلند فرمایا۔

اب ایسی مبارک ہستی کا تذکرہ کرنے کے لئے ہم لوگوں کو کتنی مرتبہ اپنی زبان کو مشک و گلاب سے دھونے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

ہزار بار بشویم دھن بمشک و گلاب
ہنوز نام گفتن کمال بے ادبی

تاہم اس مبارک مہینے میں ہمارے اکابر نبی علیہ السلام کی سیرت سے متعلق اکثر مجالس قائم کرتے ہیں۔ امت کو پیغام سیرت پہنچاتے ہیں۔

چنانچہ اس میں شمولیت حاصل کرنے کی تمنا لے کر اس عاجز نے یہ بہت نازک عنوان شروع کیا۔ اللہ رب العزت کما حقہ کہنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

حضور ﷺ کی ولادت اور رضاعت:

عرب کے ہاں دستور تھا کہ جب بچے کی ولادت ہوتی تو اس کی پرورش کیلئے اسے شہر سے باہر کسی دور مقام میں بھیج دیا جاتا تھا۔

حضرت حلیمہ کی سعادت:

چنانچہ طائف سے اسی میل آگے ایک قبیلہ تھا۔ جس کا نام بنوسعد تھا اور وہاں کی ایک خاتون جس کا نام حلیمہ سعدیہ تھا۔ اپنے گھر کے حالات سے پریشان تھی۔ اس نے سوچا کہ میں مکہ مکرمہ جاتی ہوں اور کسی بچے کو میں اپنی گود میں لاتی ہوں۔ لیکن جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ والی عورتوں سے پیچھے رہ گئی۔ کیونکہ اس کی سواری کمزور تھی۔ قبیلے کی دوسری عورتیں جب مکہ مکرمہ میں آئیں تو انہوں نے بڑے بڑے امراء کے بچوں کو گود لے لیا۔

نبی علیہ السلام کو لینے کیلئے جب کوئی عورت آتی اور وہ سنتی کہ آپ کے والد گرامی اس دنیا سے وفات پاگئے اور وہ سوچتی کہ اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔ چلی جاتیں۔

جب حلیمہ سعدیہ تشریف لائیں تو نبی علیہ السلام آرام فرمارہے تھے۔ اوپر ایک کپڑا تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اس بچے کو دیکھوں تو سہی کہ یہ ہے کیسا؟ فرماتی ہیں کہ جب میں نے کپڑا ہٹایا۔ بچے کو دیکھا تو بچہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ میں ایسی جاذبیت تھی کہ میرا دل اس پر فریفتہ ہوگیا۔

میں نے اپنے خاوند سے مشورہ کیا کہ گو ہمیں زیادہ معاوضہ تو نہیں ملے گا، لیکن اس بچے کی مسکراہٹیں مجھے سکون دیا کریں گی۔ خاوند نے کہا کہ تم اس بچے کو گود لے لو۔

چنانچہ اس کو لے کر جب واپس چلنے لگے تو خاوند نے اپنی سواری کو بٹھایا اور پہلے حلیمہ سعدیہ کو بٹھایا۔ بچہ ان کی گود میں تھا اور آگے خود بیٹھنے لگا۔ جب آگے بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ سواری نے چلنے سے انکار کر دیا۔ بڑا حیران، کہ آخر یہ سواری کیوں نہیں چلتی۔ اس افراتفری میں نیچے اترا تو سواری چلنے کیلئے تیار ہوگئی۔ پھر دوبارہ بیٹھنے کی کوشش کی تو سواری نہیں چلتی۔

اس کے دل میں خیال آیا کہ حلیمہ تم بچے کو لے کر آگے بیٹھو میں پیچھے بیٹھتا ہوں۔ چنانچہ اس نے جب اس طرح ترتیب بدلی تو سواری نے بھاگنا شروع کر دیا۔

اصل میں یہ پیغام تھا کہ یہ وہ مبارک ہستی ہے کہ جو اللہ رب العزت کی محبوب ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ تم اس کی طرف پشت کر کے بیٹھو اور سواری چلنا شروع کر دے۔ سواری ایسی بھاگی کہ جو آپ سے پہلے چل پڑی تھیں۔ ان سے بھی آگے نکل گئی۔

ان عورتوں نے پوچھا حلیمہ کیا تم نے سواری بدل لی؟ حلیمہ نے کہا کہ میں نے سواری تو نہیں بدلی، سواری کا سوار بدل لیا ہے۔

گھر میں برکات کا ظہور:

فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر پہنچی، گھر کے اندر عجیب برکتیں، بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہے اور اتنا دودھ کہ ہماری ضرورت سے بڑھ جاتا۔ میرے سینے میں اتنا دودھ کہ بچے کو پورا ہوجاتا۔ میں ان برکتوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

حضرت شیما کی بات:

فرماتی ہیں کہ ایک دن ایسا آیا کہ میں نے اپنی بیٹی شیما سے کہا تم بکریاں چرانے کیلئے جاؤ، وہ کہنے لگی امی! بکریاں زیادہ ہیں اور میں اکیلی ہوں۔ میرا ان کے پیچھے بھاگنا مشکل ہے۔ میرے ساتھ کسی اور کو بھی بھیجیں۔

انہوں نے کہا کہ گھر میں دوسرا تو اور کوئی نہیں، تم ہی گھر کی بچی ہو، وہ کہنے لگی کہ مجھ سے بکریاں نہیں سنبھالی جاتیں، میں نے کہا کہ آخر بکریوں کو لے کر تو جانا ہے۔

شیما نے کہا کہ اماں! اس چھوٹے بھائی دودھ پیتے کو میرے ساتھ بھیج دے۔ حلیمہ بڑی حیران ہوئی کہ آپ بکریوں کو سنبھالو گی یا بھائی کو سنبھالو گی؟

شیما نے کہا کہ اگر آپ بھائی کو بھیجو گی تو میں دونوں کو سنبھال لوں گی۔ نہیں بھیجو گی تو مجھ سے بکریاں نہیں سنبھالی جاتیں۔ اب ماں حیران ہے، ماں نے پوچھا کہ آخر وجہ کیا ہے؟

شیما نے کہا کہ اماں ایک دن میں اپنے بھائی کو لے کر گئی تھی۔ میں نے جب چراگاہ میں بکریوں کو چرانا شروع کیا تو بھائی کو لے کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ بکریوں نے بہت جلدی چارہ کھالیا اور جہاں میں بیٹھی تھی۔ وہ بکریاں میرے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔ میں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہی اور میری بکریاں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ مجھے بکریوں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حیا:

نبی علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے ظاہری حسن و کمال بھی ایسے عطا فرمائے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے بارے میں فرماتی تھیں کہ نبی علیہ السلام کی مبارک آنکھوں میں، میں نے وہ حیا دیکھا کہ جو مجھے مدینہ کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی نظر نہیں آتا تھا۔

ایسا منور چہرہ، رنگ نہ بہت زیادہ سفید اور نہ بالکل کالا، بلکہ سفیدی مائل گندم گوں جیسے رنگ ہوتا ہے۔ یوں نبی علیہ السلام کا مبارک رنگ تھا مگر چہرے پر کشش ایسی تھی کہ جو بندہ دیکھتا تھا۔ اس کو اپنے لئے آنکھ ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔

جبرائیل علیہ السلام سے نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ جبرائیل! تم نے دنیا میں لوگ دیکھے کیا تم نے میرے جیسا بھی کوئی دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا، جس کو شاعر نے یوں کہا:

اے چہرہ زیبا طور اے رشک بتانِ حاضری
ہر چند و صفت می کند در حسن داں بالاتری
آفاق ہا گردیدہ ام مہربتاں وردیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اماں تو چیز ے دیگری

اے میرے آقا! میں نے سارے جہاں کو دیکھا، سورج کی طرح دہکتے ہوئے محبوبوں کے چہروں کو بھی دیکھا، لیکن آقا! آپ کے حسن و جمال کا معاملہ ہی اور ہے۔

نبی علیہ السلام کے مبارک ہاتھ پُر گوشت تھے اور ریشم کی طرح نرم تھے۔

سینہ مبارک چوڑا تھا۔ ہڈیوں کے جوڑ بڑے تھے۔ قد درمیانہ تھا مگر دراز مائل تھا۔ اللہ نے ایسی کرامت دی تھی کہ جب آپ مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو پورے مجمع سے دراز قد نظر آتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ اتنا خوشبودار تھا کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ آپ کے پسینہ کے قطروں کو شیشی کے اندر جمع کرواتی۔ نبی علیہ السلام نے دیکھا تو پوچھا ام سلیم! یہ کیا کرتی ہو؟

عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس پسینہ کو جب خوشبو میں ڈال دیتے ہیں تو اس خوشبو کی خوشبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

پھول کھلتے ہیں پڑھ پڑھ کر صل علی
جھوم کر کہہ رہی ہے یہ باد صبا
ایسی خوشبو چمن کے گلوں میں کہاں
جو نبی کے پسینے میں موجود ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! میں نے مشک اور عنبر کو سونگھا، اس میں بھی وہ خوشبو نہ پائی جو نبی علیہ السلام کے مبارک پسینہ میں خوشبو آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں، زلیخا تم نے یوسف کو دیکھا تھا تو تم نے انگلیاں کاٹیں اگر تو میرے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں تو اپنے دل کے ٹکڑے کر بیٹھتیں، فرماتی تھیں۔

.....لعا شمس وللا فاق شمس .....

ایک آسمان کا سورج بھی ہے اور ایک ہمارا سورج بھی ہے۔ اے آسمان تیرا سورج

فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج عشاء کے بعد گھر میں طلوع ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اے آسمان کے سورج! تو طلوع ہوتا ہے تو تیرے لیے غروب ہونا ہی لکھا ہے اور جو میرا سورج ہے وہ ایسا طلوع ہوا کہ وہ کبھی بھی غروب نہ ہوگا۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میرے یوسف صبیح تھے اور میں ملیح ہوں۔ صبیح کہتے ہیں بہت گورا چٹا اور ملیح کہتے ہیں نمکین چہرہ۔

نمکین چہرہ کیوں کہتے ہیں کہ بندہ اگر دیکھے تو آنکھ ہٹانی مشکل ہو۔ ہم اس کو اپنی زبان میں کہتے ہیں، من بھانواناں، کہ جس کو دیکھو تو دل کو بھا جائے، نبی علیہ السلام کو اللہ نے یہ حسن و جمال دیا تھا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نعمت:

چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ ان کا نام ہے۔

واحسن منك لم ترقط عيني
واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

آپ سے زیادہ حسین چہرہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور آپ سے زیادہ خوبصورت بچہ کسی ماں نے جنا نہیں۔

اور اے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اتنے حسین اس دنیا میں پیدا ہوئے، لگتا ہے کہ جیسے من پسند کا حسن لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔

نازاں ہے جس پر حسن وہ حسن رسولؐ ہے
یہ کہکشاں تو آقا آپ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروانِ شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا کانٹا بھی پھول ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت:

نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال دیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس چیز کی نسبت آقا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی، وہی حسین کہلائی، جو آنکھیں ان جیسی بن گئیں، وہ خوبصورت بن گئیں۔ جو سراپا بن گیا وہ سراپا خوبصورت ہوگیا۔ جس کا لباس میرے آقا جیسا ہوگیا۔ وہ لباس خوبصورت بن گیا۔ جس چیز کی نسبت بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچی، وہ چیز دنیا میں حسین کہلانے لگی۔

چاند سے تشبیہہ:

چنانچہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں عشاء کے بعد مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ مگر منظر ایسا ہے کہ سامنے نبی علیہ السلام کا چہرہ انور اور اوپر آسمان کا چاند، میں تھوڑی دیر کھڑا ہوگیا، کبھی میں آسمان کے چاند کو دیکھتا اور کبھی میں عرب کے چاند کو دیکھا، میں کچھ دیر تو دیکھتا رہا، بالآخر میرے دل نے فیصلہ کیا، اے آسمان کے چاند! تیرا حسن ضرب المثل ہے۔ لوگ مثالیں دیتے ہیں لیکن تیرا حسن اپنی جگہ جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حسن دیا۔ اس کے سامنے تیرے حسن کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

اس کو ایک شاعر نے کہا:

چاند سے تشبیہہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
چاند کے منہ پر چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

حضرت نفیس الحسینی کی نعت:

چنانچہ ایک بزرگ نے یہاں تک فرمایا:

اے رسول امیں، خاتم المرسلیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
بزم کونین پہلے سجائی گئی، پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں، تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

حضور ﷺ کے اخلاق:

نبی علیہ السلام صورت میں بھی بے مثال تھے۔ اپنی سیرت میں بھی بے مثال تھے۔ ایسے اخلاق اللہ رب العزت نے عطا فرمائے کہ خود تعریف فرمائی۔ اے میرے پیارے حبیب ﷺ! .....وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ..... آپ تو اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔ مدینہ کو نبی علیہ السلام نے اپنے اخلاق سے فتح فرمالیا تھا۔ لوگوں کے دل جیت لئے تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کامل اتباع کرنے والے تھے۔ اور اللہ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی صاحب فضل وکمال بنادیا۔ یہ نبی علیہ السلام کی اتباع کی برکت تھی۔ ایسا مقام اللہ نے دیا کہ کہنے والے نے کہا:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں بسا
شوکت و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید با یزید تیرا جمال بے نقاب
تیری نگاہ ناز پر دونوں مراد پاگئے
علم و ضیاء و جستجو عشق حضور اضطراب

حضور ﷺ محبوب کل جہاں تھے:

چنانچہ نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں تھے۔ یہ نکتہ یاد رکھیں! نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں تھے۔ ذرا توجہ فرمائیں۔ جمادات کے بھی محبوب، نباتات کے بھی محبوب، حیوانات کے بھی محبوب، اور انسانوں کے بھی محبوب۔ محبوب کل جہاں تھے۔

جمادات کے محبوب:

جمادات کے محبوب تو ایسے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ..... احد جبل یحبنا

و نحبہ..... احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم احد پہاڑ سے محبت کرتے ہیں۔

جمادات بھی آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر دو پتھر تھے۔ ایک کا نام تھا متقی اور ایک کا نام تھا متکلم۔ جب بھی آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو ان میں سے ایک پتھر ایسا تھا کہ نبی علیہ السلام کو سلام کیا کرتا تھا اور دوسرے کے اوپر جب آپ بیٹھتے تو اس کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے۔ نبی علیہ السلام جمادات کے بھی محبوب تھے۔ نباتات کے بھی محبوب۔

نباتات کے محبوب:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام جس راستے سے گزرتے تھے۔ اس راستے کے درخت آپ کو دیکھ کر جھک جایا کرتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ نبی علیہ السلام جب خطبہ دینا چاہتے تو ایک کھجور کا تنا اس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ اس سے ٹیک لگاتے تھے، تمیم داری جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے ایک منبر بنا کر دیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں۔

نبی علیہ السلام اس پر جب کھڑے ہوئے خطبہ دینے کیلئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہے ایسے رونے کی آواز آئی۔ ہم بہت حیران ہوئے اس آواز کو سن کر۔ نبی علیہ السلام نیچے تشریف لائے اور آپ ﷺ اس کھجور کے تنے کے پاس گئے اور آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھا وہ تنا سسکیاں لیکر اس طرح چپ ہوا جیسے کہ روتا ہوا بچہ سسکیاں لے کر چپ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کیوں رو رہا تھا؟

کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! پہلے آپ میرے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، اب منبر بن گیا، اب مجھے آپ کی جدائی برداشت کرنی پڑ جائے گی۔

آپ ﷺ جمادات کے بھی محبوب اور نباتات کے بھی محبوب اور حیوانات کے بھی محبوب۔

جانوروں کے محبوب:

جانور آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ آخری حج کے موقع پر نبی علیہ السلام نے اونٹوں کی قربانی دی۔ ایک وقت میں نو اونٹ لائے جاتے اور ان کو ذبح کیا جاتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب ان اونٹوں کو لایا جاتا تو وہ اونٹ نبی علیہ السلام کا چہرہ انور دیکھتے اور سب اپنی گردنیں لمبی کر دیتے۔ ہر اونٹ یہ چاہتا تھا اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ قربانی کے لئے مجھے پہلے قبول فرمالیں۔

جمادات کے بھی محبوب.....نباتات کے بھی محبوب اور حیوانات کے بھی محبوب۔

اونٹ نے بتایا:

چنانچہ ایک صحابی تشریف لائے اور عرض کرنے لگے اے اللہ کے نبی ﷺ! میں سارا دن کام کرتا ہوں۔ تھکا ہوا ہوتا ہوں۔ میری آنکھ لگ جاتی ہے۔ میرا اونٹ رات کو ایسی آوازیں نکالتا ہے کہ مجھے سونے نہیں دیتا۔ مجھے کوئی عمل بتا دیجئے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹ کو میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ اس اونٹ کو اشارہ کیا گیا، وہ چلتا ہوا آیا اور مسجد نبوی کے دروازے پر آ کر بیٹھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے اس اونٹ سے ہم کلامی فرمائی کہ تم اپنے مالک کو سونے کیوں نہیں دیتے؟ اونٹ نے ادب سے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میرا مالک میرا بڑا خیال رکھتا ہے۔ کھلاتا بھی ہے، پلاتا بھی ہے۔ میرے اوپر بوجھ ڈالتا ہے، میں اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔ ہم دونوں سارا دن مزدوری کرتے ہیں۔ اتنی مزدوری کہ رات جب آتی ہے تو ہم تھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ میرے مالک جب گھر میں آتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ ان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ سوچتے ہیں کہ بس ذرا تھوڑی دیر کمر سیدھی کرلوں، پھر عشاء پڑھوں گا۔ لیکن کمر سیدھی کرتے ہی انکی آنکھ لگ جاتی ہے تو گہری نیند آتی ہے اور وقت زیادہ ہونے لگتا ہے۔ آدھی رات کے وقت قریب ہوتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ ایسے نہ ہو کہ میرے مالک پر نیند غالب ہو اور نماز کا وقت نکل جائے۔ میں آوازیں

نکالنی شروع کرتا ہوں کہ قیامت کے دن کہیں اللہ رب العزت مجھ سے نہ پوچھیں کہ تیرے مالک کی آنکھ لگ گئی تھی تو نے قریب ہو کر اپنے مالک کو میری بندگی کے لئے کیوں نہ جگایا۔

نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں تھے۔ جمادات کے محبوب، نباتات کے محبوب، حیوانات کے محبوب اور انسانوں کے محبوب۔

حضور ﷺ کی نعت:

چنانچہ نبی علیہ السلام کو اللہ نے ایسا حسن و جمال دیا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت نبی علیہ السلام کے عشاق کی جماعت تھی۔ کہنے والے نے کہا:

بات میں سناواں اک ایسے ماہ جبین دی
جگ دے حسیناں کو لوں ودھ کے حسین دی
دیکھیا جے یوسف نوں انگلیاں کٹیاں
آقا دے دیوانیاں نے جاناں وار سٹیاں

نبی علیہ السلام کے عشاق نے جانیں قربان کر دیں۔

عشق دی اخیر ویکھی اودھے عاشقین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

اب اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عشق کے چند واقعات سننے ہیں تو چند واقعات یہ عاجز سنا دیتا ہے تا کہ ہمارے دلوں میں بھی وہ عشق و محبت کا جذبہ بڑھ جائے اور محبت کی روشنی بڑھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عشق رسول ﷺ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین چیزیں ہیں کہ جن سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ عرض کیا کہ اللہ کے محبوب پہلی پسندیدہ چیز ہے کہ آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا، یہ عاشق صادق کی علامت ہوتی ہے، کہ محبوب جب سامنے ہو تو اس کا نگاہ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا..... اور دوسری بات فرمائی آپ کے اوپر اپنے مال کو خرچ کرنا اور تیسرا کام یہ کہ آپ ﷺ کی خدمت میں اپنی بیٹی کو پیش کرنا۔ یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح

کر دینا۔ تین چیزیں جو دنیا میں بہت پسند ہیں۔

آپ جب دیکھیں گے کہ تینوں کا مرکز نبی علیہ السلام کی ذات گرامی کا محور ہے، یہ عاشق صادق ہے۔

چنانچہ جب ہجرت کا وقت ہوا تو نبی علیہ السلام صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت جلدی دروازہ کھول دیا۔ پوچھا ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! سوئے ہوئے تھے، جلدی اٹھ گئے، یا سوئے ہی نہیں تھے؟

عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ عرصہ سے دل میں خیال آتا تھا کہ مکہ کو ہجرت کا حکم ہوگا۔ اور یہ ہی دل میں توقع تھی کہ آپ رفیق سفر اور خادم سفر کے طور پر مجھے اپنے ساتھ قبول کریں گے۔ جب سے ابوبکر کو یہ خیال آیا ابوبکر نے رات کو سونا چھوڑ دیا۔ ایسا نہ ہو آپ تشریف لائیں اور دروازہ کھٹکھٹائیں اور کھلنے کے لئے آپ کو انتظار کرنا پڑے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! کیوں رو رہے ہو؟ کہا کہ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ میرے پاس کچھ مال ہے اور میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بے ادبی نہیں کرنا چاہتا۔

اے میرے اللہ! آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات ڈال دیجئے کہ وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے مال کو اپنے مال کی طرح خرچ فرمایا کریں۔

چنانچہ نبی علیہ السلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال کو اس طرح خرچ فرماتے تھے، جس طرح کہ کوئی اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

دیکھئے ہجرت کا وقت ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نبی علیہ السلام کا کھانا بناتی ہیں۔ آپ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا اس کھانے کو غار ثور میں پہنچاتی ہیں۔ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ..... وہ سارا دن مکے کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور رات کو جا کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں جا کر سناتے ہیں..... اور آپ کا غلام فہیرہ رضی اللہ عنہ وہ بکریاں چرانے کے بہانے غار ثور میں جا کر آپ کی خدمت میں دودھ پیش کرتا

ہے۔

بیوی بھی خدمت میں، بیٹی بھی خدمت میں، بیٹا بھی خدمت میں، غلام بھی خدمت میں اور خود بھی نبی علیہ السلام کے خادم بن کر ساتھ نکلے، پورا گھر خدمت میں ہے۔

چنانچہ نبی علیہ السلام غار ثور پہنچے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تھوڑی دیر یہاں رک جائیں۔ میں ذرا دیکھ لوں کہ غار میں کوئی ایذا دینے والی چیز نہ ہو۔ اندر گئے صفائی کر دی۔ چند سوراخ تھے تو انہوں نے ان کو کپڑوں سے بند کر دیا۔ ایک سوراخ بند نہ ہو سکا سوچا کہ کوئی بات نہیں میں اس کو اپنی ایڑھی سے بند کر لیتا ہوں وہاں جا کر بیٹھ گئے۔

نبی علیہ السلام اندر تشریف لائے عرض کیا کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تھکے ہوئے ہیں۔ آپ آرام فرمانا چاہیں تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی گود حاضر ہے۔

چنانچہ نبی علیہ السلام لیٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ دیا۔

دنیا میں دو ہی تو گودیں تھیں..... ابو بکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھا تو وہ صدیق بن گئے .....اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں آخری دفعہ سر رکھا انتقال فرمانے سے پہلے تو وہ صدیقہ بن گئیں۔ گودوں کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عظمت مل گئی۔

نبی علیہ السلام آرام فرمانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد کیا ہوا کہ کوئی موذی چیز تھی۔ جس نے صدیق رضی اللہ عنہ کو کاٹا اور کاٹنے کی وجہ سے جو درد ہوئی تو بے اختیار آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کیفیت دیکھئے کہ نبی علیہ السلام کا سر مبارک گود میں ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

آج جس سے محبت ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ایسی ہمیں صورت حال پیش آئے کہ بس ہم اپنے محبوب کے ساتھ اکیلے ہوں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قسمت دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ موقع غار ثور میں عطا کر دیا۔ نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ آرام فرما رہی ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا دیدار کر رہے ہیں۔ ایک تو کہتے ہیں:

ہم ہی ہم ہوں تیری محفل میں کوئی اور نہ ہو

بخت دیکھئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے.....ان کو یہ کیفیت کاملاً حاصل ہوئی۔ اکیلے ہیں، غار ثور ہے اور بیٹھے نبی علیہ السلام کے چہرے کی زیارت کر رہے ہیں۔

آج لوگ کہتے ہیں کہ:

کتاب کھول کر بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

اے میرے محبوب، میں جب کوئی کتاب کھول کر بیٹھا ہوں تو مجھے کتاب کے صفحوں پر بھی تیرا چہرہ نظر آتا ہے۔

مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان اور تھی۔ یہاں کتاب نہیں، یہاں محبوب کا چہرہ بھی سامنے تھا۔

شاہ صاحب کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی۔ جس کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ! جب میں تصور کی آنکھ میں دیکھتا ہوں کہ آپ جس گود میں نبی علیہ السلام کا مبارک سر لے کر بیٹھے ہیں اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھ رہے ہیں تو مجھے یوں لگتا تھا کہ آپ کی گود ایک رحل کی مانند ہے اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور قرآن کھلے ہوئے کی مانند ہے.....اور ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ مجھے وہ قاری نظر آ رہے ہیں کہ بیٹھے ہوئے اس قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔

یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لاجواب ہے

ذرا غور کریں یہ کیسا منظر ہوگا ایک طرف حسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور دوسری طرف عشق صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے.....

یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لاجواب ہے
رکھی ہوئی رحل پر خدا کی کتاب ہے

یوں لگتا ہے کہ جیسے رحل کے اوپر اللہ کی کتاب رکھی ہوئی ہے۔

جب موذی چیز نے کاٹا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، ایک آنسو نبی علیہ السلام کے رخسار مبارک پر آ کر گرا، نبی علیہ السلام کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا، پوچھا، ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! ...... ما یبکیک ...... آپ کیوں رو رہے ہو؟ کائنات کے سردار کا سر تو تمہاری گود میں ہے، پھر کیوں رو رہے ہو؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کسی موذی چیز نے کاٹا، زہر کی شدت کی وجہ سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ اس پر کسی شاعر نے کہا:

آنسو گرا ہے رُخِ رسالت مآب پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

نبی علیہ السلام کے مبارک چہرے پر جو آنسو گرا، تو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ شبنم تھی اور گلاب کا پھول کھلا تھا۔ یہ اس گلاب کے پھول پر قربان ہونے کیلئے آ گیا۔

اللہ رب العزت نے ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ ایسا عشق عطا کیا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی نبی علیہ السلام کی انتہا درجے کی محبت تھی۔ چنانچہ ان کی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ میں وہ رات کو چل رہے ہیں اور حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ایک مکان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں سے کسی کے گنگنانے کی آواز آ رہی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے سننے کے لئے تو محسوس ہوا کہ ایک بوڑھی عورت ہے اور نبی علیہ السلام کی محبت میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے۔ سنتے رہے، سنتے رہے، جب اس نے اشعار مکمل کیئے تو عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوا۔ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ بوڑھیا حیران، اس رات کے وقت میں مجھ بوڑھیا کے دروازے پر کون، پوچھا ...... من انت ...... تو کون ہے؟ جواب میں کہا ...... عمر امیر المؤمنین ...... آپ کے دروازے پر ایک سائل بن کر آیا ہے۔ بوڑھیا نے دروازہ کھولا، کہ عمر رضی اللہ عنہ کو مجھ سے کیا کام رات کے وقت!

عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ کے پاس ایک فریاد لے کر آیا ہوں۔ تمنا لے کر آیا

ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میری تمنا کو پورا کر سکتی ہیں۔

اس نے کہا کہ اندر تشریف لے آئیں۔ آپ اندر آئے اور اندر آ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ بوڑھیا کہتی ہے کہ امیر المؤمنین! چارپائی پر بیٹھیں، فرمایا چارپائی پر نہیں بیٹھوں گا۔ پہلے میری التجا سن لے، اسے پورا کر دے۔ پھر میں اس چارپائی پر بیٹھوں گا۔

بوڑھیا نے کہا کہ التجا کیا ہے امیر المؤمنین؟ آپ نے کہا کہ بوڑھی اماں! آپ نبی علیہ السلام کے عشق میں، محبت میں، جو اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ آپ کے اپنے لکھے ہوئے ہیں؟ بتایا کہ ہاں میں نے لکھے ہیں۔ پوچھا کہ اس کے آخری شعر میں آپ نہ یہ دعائیہ کلمہ کہا:

اے اللہ! جس محبوب کی محبت میں، میں نے یہ اشعار کہے ہیں۔ مجھے قیامت کے دن جنت میں ان کے ساتھ اکٹھا کر دینا۔ بوڑھیا نے کہا کہ ہاں۔ کہنے لگے کہ فریاد یہ لے کر آیا ہوں کہ اپنے شعر میں تھوڑی سی ترمیم کر دے اور اس شعر کو یوں بنا دے کہ:

اے اللہ قیامت کے دن مجھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے محبوب کے قدموں میں جگہ عطا فرما دے۔ کیا محبت تھی اُن کے دلوں میں!

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا محبت تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو دعوت دی۔ نبی علیہ السلام جب ان کے گھر تشریف لے جانے لگے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے قدموں کو دیکھ کر چلنے لگے۔ پورا راستہ قدموں پر نظر رہی۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے حیران کہ زمین کی طرف ہی دیکھتے جا رہے ہیں۔

جب وہاں جا کر بیٹھے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ! پورا راستہ تم میرے پاؤں کی ہی طرف دیکھتے رہے۔ جی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسے کرتا رہا۔ عثمان (رضی اللہ عنہ) کیوں؟

عرض کیا اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آج میرے گھر میں ایسے مقام والے، عزت وشرف والی ہستی مہمان آئے ہیں کہ میں نے دل میں ارادہ کیا تھا۔ آپ اپنے گھر مبارک

سے لے کر میرے گھر پہنچنے تک جتنے قدم اٹھائیں گے، میں گنتی کروں گا اور اتنی گنتی کے مطابق غلام اللہ کے راستے میں آزاد کردوں گا۔ ہر قدم کے بدلے ایک غلام آزاد کروں گا، کیا محبت تھی نبی ﷺ سے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو، یہ دیکھ کر ہم حیران ہوتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول ﷺ:

چنانچہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی محبت اور عشق رسول ﷺ ایسا تھا کہ انسان حیران ہوتا ہے۔ شمائل ترمذی کی روایت مبارک میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سراپا کا تذکرہ کر کے کہتے ہیں کہ .....لا اری قبلہ ولا بعدہ.....کہ میں نے نبی علیہ السلام جیسی شخصیت نہ پہلے کبھی دیکھی اور نہ بعد میں دیکھی۔

یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں نبی علیہ السلام کے ساتھ محبت تھی۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور عشق رسول ﷺ:

چنانچہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ، عشق رسول ﷺ میں بڑا مقام لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی خوب نوازا۔ چنانچہ ان کے عشق رسول کا حال یہ تھا کہ جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمالیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ میں پہلے اذان دیتا تھا اور نبی علیہ السلام کا چہرہ انور سامنے ہوتا تھا۔ اب میں اذان دوں گا اور مجھے دیدار نہ ہوگا تو میں اس کو برداشت نہ کرسکوں گا۔ لہٰذا اب ہجرت کر کے شام کے علاقے میں آ گئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے صرف دو مرتبہ اذان دی ہے۔ پہلی اذان جب بیت المقدس فتح ہوا۔ نبی علیہ السلام کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں ایک تمنا جاگی کہ آج ہمیں قبلہ اول میں نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ ہم بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنیں گے۔ جو نبی علیہ السلام کے دور میں سنا کرتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ٹالنے کے قابل نہیں تھا۔ چنانچہ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ یہ ایک موقع تھا اور دوسرا موقع کیا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی خواب میں زیارت ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا بلال (رضی اللہ عنہ)! کیا سرد مہری ہے کہ اتنا عرصہ گزر گیا شام رہتے ہوئے، ہمیں ملنے بھی کبھی نہیں آئے؟ آنکھ کھل گئی اپنی بیوی کو جگایا، فرمایا اسی وقت میری تیاری کرو، میں ابھی مدینہ روانہ ہوتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے تیاری کی اور مدینہ طیبہ کا سفر شروع کر دیا۔ جب مسجد نبوی میں پہنچے تو نبی علیہ السلام کی خدمت میں مواجہ شریف حاضر ہوئے۔ سلام پڑھا۔ دعائیں کیں۔ نماز کا وقت ہوگیا۔ اب جب نماز کا وقت ہوگیا، اذان کا وقت ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں پھر یہ تمنا جاگی کہ آج ہم نبی علیہ السلام کے زمانے کی اذان پھر سنیں اور اسی منظر کی یاد پھر تازہ کرلیں۔ لیکن بلال رضی اللہ عنہ تیار نہیں ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میں جب اذان دینی شروع کردوں گا اور اس مسجد میں نبی علیہ السلام کا چہرہ انور نہ دیکھ سکوں گا تو میرے لئے برداشت کرنا مشکل ہوگا۔

اتنے میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما شہزادے تشریف لائے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما دونوں نے آکر عرض کیا کہ آپ ہمیں نانا جان کے زمانے کی اذان سنا دیجئے۔ ان شہزادوں کی بات ایسی تھی کہ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ لہذا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کر دی۔

جیسے ہی مسجد نبوی سے اذان کی آواز بلند ہوئی..... اللہ اکبر..... صحابہ رضی اللہ عنہم کے کانوں میں وہ آواز پہنچی جو نبی علیہ السلام کے زمانے میں آتی تھی۔ نبی علیہ السلام کی یاد دل میں تازہ ہوئی۔ محبت نے جوش مارا، آنکھوں میں آنسو جاری ہوگئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے قریب کے گھروں کی عورتیں، انہوں نے بھی اپنے سر پر چادریں ڈالیں اور وہ بھی اس آواز کو سن کر حیران ہوئیں اور مسجد نبوی کی طرف آئیں کہ کون اذان دے رہا ہے۔ حتّٰی کہ مسجد کے اندر مرد رو رہے ہیں اور مسجد کے باہر عورتیں رو رہی ہیں۔ اس اذان کو سن کر اور نبی علیہ السلام کی جدائی کو یاد کر کے اس دوران ایک بچے نے عجیب بات کہہ دی اور مجمع کو تڑپا کر رکھ دیا۔ ماں نے اسے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں سے یہ بات کہنے لگا امی! دیکھئے! بلال رضی اللہ عنہ اتنے عرصہ کے بعد واپس آگئے، مجھے بتا نبی علیہ السلام کب واپس تشریف لائیں گے؟

صحابہ رضی اللہ عنہم اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

یہ عاشقین کی جماعت تھی، ان کے سینے نبی علیہ السلام کی محبت سے بھرے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم رات کو آتے تھے اور نبی علیہ السلام کے جہاں حجرات تھے ان حجروں کے باہر آ کر بیٹھ جاتے تھے اور ان حجروں کی طرف گھنٹوں دیکھتے رہتے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں میرے محبوب آرام فرما رہے ہیں۔

بعض ایسے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے کہ نبی علیہ السلام کی زندگی میں انہوں نے یہ قسمیں کھائیں کہ ہم جب صبح اٹھیں گے اس وقت تک آنکھ نہیں کھولیں گے جب تک نبی علیہ السلام کے چہرے کا دیدار نہیں کریں گے۔

حیران ہوتے ہیں۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی قسمیں کیسے پوری کی ہوں گی کہ جیسے ہی آنکھ کھولیں گے۔ سب سے پہلے نبی علیہ السلام کا دیدار کیا کریں گے۔ یہ ہر ایک کے دل میں محبت تھی۔ مردوں میں، عورتوں میں، بچوں میں، بوڑھوں میں، حیران ہوتے ہیں۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

چنانچہ عورتوں کی محبت کا یہ حال تھا کہ احد کے میدان میں ایک عورت کے خاوند شہید ہوئے۔ بیٹا شہید، والد شہید، اب اس عورت کو پتہ چلا کہ نبی علیہ السلام بھی شہید کر دیئے گئے۔ درمیان میں ایک آواز چل پڑی تھی۔ وہ کہنے لگی کہ میں اس بات پر یقین نہیں کروں گی جب تک خود جا کر تصدیق نہیں کروں گی۔ سواری پر سوار ہو گئی احد کے میدان میں پہنچی۔

چنانچہ ایک صحابی ان کو ملا، ان سے پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر بتائیں، ان کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ ان کی تو مجھے خبر نہیں، البتہ میں نے تیرے خاوند کو فلاں جگہ پر شہید پڑا ہوا دیکھا ہے۔ اب جس عورت کو بتایا جائے کہ آپ کا خاوند شہید ہو گیا، اس عورت کیلئے تو یہ بڑی عجیب غم کی بات ہوتی ہے۔ اتنی بڑی جدائی، وہ عورت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

آگے بڑھتی ہے۔ ایک دوسرے صحابی سے پوچھتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس

نے کہا کہ میں نے فلاں جگہ دیکھا کہ آپ کا بیٹا شہید ہوا پڑا ہے، وہ پھر ٹس سے مس نہیں ہوتی اور آگے بڑھتی ہے۔ تیسرے سے پوچھا اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے والد فلاں جگہ شہید ہوئے پڑے ہیں، وہ پھر ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اس عورت کے دل میں نبی علیہ السلام کی محبت کتنی زیادہ ہوگی جو خاوند کی شہادت پر، بیٹے کی شہادت پر، والد کی شہادت پر حیران و پریشان نہیں ہوتی۔ بلکہ قدموں کو آگے بڑھاتی ہے۔ لگتا ہے کہ اس کی قیمتی متاع کوئی اور ہے۔

ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھتی ہے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں بتائیں؟ انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں جگہ تشریف فرما ہیں۔ وہ عورت وہاں پہنچی، نبی علیہ السلام کو دیکھا، سواری سے نیچے اتری اور آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر کہتی ہے ..... کل مصیبة بعد محمد جلوا ..... کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد میرے لئے سب مصیبتیں برداشت کرنا آسان ہوگیا۔ یہ محبت تھی ان کے دلوں میں۔

بچوں کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

بچوں کے دلوں میں محبت تھی۔

چنانچہ بدر کے میدان میں معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ دو بھائی تھے، چھوٹے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کھڑے تھے۔ میں نے ان کو دیکھا تو سوچا کہ ادھر کوئی اور نوجوان ہوتے تو میرا ساتھ دیتے۔ ہم مل کر لڑتے، یہ تو چھوٹے بچے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ ہماری طرف دیکھا جا رہا ہے تو کہنے لگے چچا! آپ بتائیں کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں ان کے چہروں کو دیکھوں۔ چھوٹے سے بچے، چھوٹا سا قد ان کا اور میں نے سنا کہ وہ ابوجہل کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ جو کافروں کا سرغنہ تھا۔

میں نے پوچھا کیوں پوچھ رہے ہو؟ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ہم عہد لے کر کھڑے ہیں کہ یا ہم گھر واپس نہیں جائیں گے یا وہ اللہ کا دشمن گھر واپس نہیں جائے گا۔

بچوں کے دل میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ایسی محبت تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

چھوٹی چھوٹی بچیوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔

چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کا کھانا لے کر غار ثور میں پہنچی تو نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر کچھ اداسی ہے۔ مرجھایا چہرہ، ماتھے کے اوپر زخم بھی ہے۔

پوچھا اسماء کیا ہوا؟ عرض کیا کہ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! کل جب آپ کو کھانا دے کر میں واپس جانے لگی تو مکہ مکرمہ پہنچ کر ابوجہل مجھے مل گئے۔ اس نے مجھے پکڑ لیا۔

کہنے لگا کہ اسماء بتا تیرا باپ کہاں ہے؟ وہ وہیں ہوگا جہاں تیرے پیغمبر ہیں۔ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے نبی کہاں ہیں؟ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سچ بولا۔ میں نے کہا کہ ہاں مجھے پتہ ہے۔ اس نے کہا کہ بتاؤ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کہ نہیں بتاؤں گی۔ اس نے بڑا دھمکایا۔ اسماء! تجھے ماروں گا۔ میں نے کہا کہ مجھے پروا نہیں۔ اے اللہ کے نبی اس نے اچانک جو زور سے تھپڑ لگایا میں نیچے گری، ماتھا چٹان میں جا کر لگا خون نکل آیا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکلے، اس نے بالوں سے پکڑ کر پھر کھڑا کر دیا۔ اسماء! تجھے جان سے ماردوں گا۔ بتا تمہارے پیغمبر علیہ السلام کہاں ہیں؟ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابوجہل کو کہا ابوجہل! میری جان تو تیرے حوالے، میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے حوالے نہیں کروں گی۔

یہ محبت بچوں کے اندر موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کی یہ محبت ہمیں بھی عطا فرمادیں۔ (آمین)

عجب چیز ہے عشق شان مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا جینا
ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے مرنا اسی کا ہے جینا

یہ محبت اگر ہمیں نصیب ہو جائے تو ہمیں زندگی گزارنے کا لطف آ جائے، مزا آ جائے۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

بحر عشق مصطفیٰ (ﷺ) سامان اوست
بحرو بر درگوشہ دامان اوست

اکابرین دیوبند میں محبت رسول ﷺ کا انداز:

چنانچہ میں اپنی بات کو مکمل کرنا چاہ رہا ہوں۔ نبی علیہ السلام کی محبت ہمارے اکابرین کے دلوں میں بہت زیادہ تھی۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ..... آپ کے دل میں آپ کی اتنی محبت تھی آپ کا سراپا بالکل سنت کے مطابق تھا۔ ایک ایک عمل سنت کے مطابق ہوتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے عمل میں سنت کا خیال فرماتے تھے اور سنت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ تجلیات کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آپ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ آپ نے سلام پڑھا۔ قریب جو علماء تھے۔ انہوں نے سنا کہ نبی علیہ السلام نے آپ کے سلام کا جواب عطا فرمایا۔

کیا محبت ہوگی کیا عشق ہوگا ان کے دل میں؟ کہ جو سلام پڑھتے تھے اور وہاں سے ان کے لئے جواب آیا کرتے تھے اور اس نسبت کا اثر ہم نے اپنی زندگی میں خود تو نہیں دیکھا کہ حضرت صدیق رحمۃ اللہ پہلے وفات پا گئے لیکن ہم نے اس نسبت کا پچھلے دنوں خود اثر دیکھا۔

محترمہ اماں جی صاحبہ اپنے آخری وقت میں جب بیمار تھیں تو ہسپتال (Hospital) میں تھیں۔ اللہ کی شان کہ ان کی وفات سے دو دن پہلے ان کے سانس سے ایسا ذکر شروع ہوا۔ حالانکہ وہ قومہ میں تھیں اور ڈاکٹر کہتے تھے کہ یہ آخری اسٹیج کا قومہ ہے۔

آنکھ نہیں ہلا سکتی تھیں، ہاتھ نہیں ہلتا تھا۔ کوئی جسم کا عضو حرکت نہیں کرتا تھا۔ ایسی کیفیت ہوگئی تھی۔ لیکن اس کیفیت میں ان کی جو سانس تھی، اس سے اللہ اللہ کا ذکر ایسا شروع ہوا کہ سننے والی عورتیں، دیکھنے والے ان کے بچے حیران ہوتے تھے۔

یہاں تک ہم نے دیکھا کہ جو لیڈی ڈاکٹر ان کو Attend کر رہی تھی۔ وہ اس کیفیت کو دیکھ کر ایسی عقیدت مند بن گئی کہ پاس آ کر بیٹھی اور والدہ صاحبہ کا ہاتھ سر پر رکھ کر اپنی مغفرت کی دعا کرتی تھی۔

یہ نسبتیں عجیب ہیں۔ یہ کرامت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ کیا نسبتیں ہیں۔

ہمارے اکابر کو اللہ رب العزت نے عشق رسول ﷺ کی انتہا عطا کی ہوئی تھی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے دل میں محبت نبوی ﷺ کی یہ نعمت ان کے سینوں کے اندر موجود ہے۔

کہنے والے نے کہا:

ساڈے ول سوہنیاں نگاہاں کدوں ہونیاں
دسو منظور ایہہ دعاواں کدوں ہونیا
عشق دے بیماراں نوں دارو کوئی نہیں چاہی دا
اینڈا علاج ہے فقط تیریاں نگاواں ہن

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عشاق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمہید:

گزشتہ کل مسجد نبوی میں مواجہ شریف کے پاس کچھ باتیں ہوگئی تھیں۔ ہر امتی کو نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک محبت کا تعلق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان ہے:

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

تم میں کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا۔ جبکہ میں اس کو اس کے بچوں سے، والدین سے اور ساری دنیا سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

لہٰذا نبی علیہ السلام کی محبت باقی تمام محبتوں سے بلند ہے اور اس سے اوپر اللہ رب

العزت کی محبت ہے۔ جب محبت کا تعلق ہوتا ہے تو انسان کو ملاقات کا جی چاہتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے تھے۔ نبی علیہ السلام کا خیال آتا تھا۔ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ کئی مرتبہ اگر رات کو خیال آتا تو اٹھ کر آجاتے اور حجروں کے باہر آکر گھنٹوں حجروں کو دیکھتے رہتے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میرے محبوب آرام فرما رہے ہیں۔

صحابی نے سوال کیا:

ایک صحابی نے یہ بھی پوچھ لیا کہ اللہ رب العزت کے محبوب جہاں جب جی چاہتا ہے حاضر ہوجاتے ہیں۔ جنت میں تو آپ بلند درجے پر ہوں گے اور ہم تو وہاں نہیں جاسکیں گے تو آپ کے بغیر ہمیں جنت میں کیا مزا آئے گا؟

نبی علیہ السلام یہ بات سن کر بڑے حیران ہوئے۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آکر بتلایا کہ..... المرء مع من احب..... بندہ اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہوگی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک کو سن کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی، اتنی خوشی کہ ہمیں کسی اور بات سے نہیں ہوئی۔

بڑے عاشق:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ عشق ومحبت میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ سب سے بلند مقام تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا اور ان کی عشق ومحبت کی باتیں ہی کچھ اور ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کے ساتھ خوب محبت تھی۔ حتّٰی کہ جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمایا تو بلال رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں پہلے یہاں اذان دیتا تھا اور .....اشھد ان محمد رسول اللہ..... جب پڑھتا تھا تو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی کیا کرتا تھا۔ اب جب پڑھوں گا تو دیدار نہیں کرسکوں گا تو یہ جدائی مجھ سے برداشت نہیں ہوسکے گی۔

شام کی فتح اور اذان بلالی:

چنانچہ انہوں نے ملک شام کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا اور بقیہ زندگی وہاں گزر گئی۔ اس کے بعد انہوں نے دو مرتبہ زندگی میں اذان دی ہے۔ ایک جس دن بیت المقدس فتح ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان یہاں پر بھی سنیں جو ہم پہلے بیت اللہ شریف میں سنا کرتے تھے۔

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا۔ امیر المؤمنین کے حکم کے آگے انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک اذان تو اس وقت دی۔

مدینہ میں اذان اور صحابہ رضی اللہ عنہم اشک بار:

دوسری اذان کا واقعہ حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواب میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کا دیدار ہوا، ارشاد فرمایا کہ بلال رضی اللہ عنہ! کتنی سرد مہری ہے، اتنا عرصہ ہوا کہ تم ہمارے سامنے ہی نہیں آتے۔ بس آنکھ کھلی اور بیوی سے کہا کہ ابھی تیاری کرو ہمیں مدینہ طیبہ کا سفر کرنا ہے۔ چنانچہ اونٹنی پر سوار ہوکر مدینہ طیبہ پہنچے، مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، نماز کا وقت ہوگیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی چاہت تو تھی ہی سہی۔ مگر حسنین کریمین سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ دونوں شہزادوں نے درخواست کی، اپنے نانا جان کے زمانے کی اذان سننے کو جی چاہتا ہے۔ اب ان شہزادوں کی بات ایسی تھی کہ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان

دینی شروع کردی۔

اذان کی آواز جب سنی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی کیفیت عجیب تھی۔ ان کو دور نبوت یاد آ گیا۔ نبوت کی یاد نے دلوں کو تڑپا کر رکھ دیا۔ ایسے لگا کہ کسی نے دل کو گدگدا دیا ہے۔ حتیٰ کہ قریب کے گھروں میں جو عورتیں تھیں انہوں نے بھی یہ آواز سنی تو وہ بھی دور نبوت کو یاد کر کے روتی ہوئیں باہر نکل آئیں۔

اب مسجد کے اندر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھیں اشک بار تھیں اور مسجد سے باہر صحابیات رضی اللہ عنہن کی آنکھیں اشک بار تھیں..... اور اس کو ایک اور بچے نے تڑپا کر رکھ دیا، جو اپنی ماں کے سینے سے لگا ہوا تھا اور اس نے جب بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ اپنی امی سے پوچھنے لگا کہ امی! بلال رضی اللہ عنہ تو کچھ عرصہ کے بعد واپس آ گئے۔ یہ بتاؤ کہ نبی علیہ السلام کب واپس آئیں گے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے نبی علیہ السلام کے عاشق صادق تھے۔ تاہم ایک مرتبہ نبی علیہ السلام دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے میرے اللہ! مجھے جلدی سے احباء سے ملادے۔ جو مجھ سے محبت کرنے والے ہیں، ان سے مجھے جلدی ملا دینا۔

آپ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو بڑے حیران ہوئے۔ دعا کے بعد قریب آئے اور آ کر عرض کی آقا صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے غلام ہیں۔ بے دام ہیں اور ہر وقت آپ پر قربان ہیں۔ آپ کس لئے دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے میرے چاہنے والوں سے جلدی ملادے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا ثوبان! تم میرے صحابی ہو۔ تو نے میرا دیدار کیا۔ جبرائیل کو دیکھا، وحی کو اترتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو اُترتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا، تم نے کتنی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ تمہارے دل میں یہ محبت ہے اور وہ بڑی قابل قدر ہے۔

لیکن ثوبان جب میں دنیا سے پردہ کر جاؤں گا تو میرے بعد کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے

کہ جنہوں نے میری زیارت نہیں کی ہوگی۔ فقط وہ اپنے علماء سے میرا تذکرہ سیں گے اور میرا تذکرہ سن کر ان کو مجھ سے اتنی محبت ہوگی کہ اگر ممکن ہوتا کہ اپنی اولادوں کو بیچ کر میری زیارت کر سکتے تو ثوبان وہ یہ کام بھی کر گزرتے۔

میں اپنے ان عاشقین کے لئے دعا کر رہا ہوں کہ اللہ مجھے اپنے ان محبت کرنے والوں کے ساتھ جلدی ملا دینا۔

چنانچہ اس وقت کتنے لوگ ایسے گزرے کہ جن کے قلوب نبی علیہ السلام کی محبت سے بھرے ہوئے تھے۔ اس لئے کسی نے کہا:

عجب چیز ہے عشق شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا جینا
ہے معمور اس عشق سے جن کا سینہ
اسی کا ہے مرنا اسی کا ہے جینا

چنانچہ اس امت کے کتنے حضرات ایسے تھے کہ جو اس محبت کے ساتھ اپنے دیس میں تڑپتے تھے اور ان کی تمنا ہوتی تھی کہ کاش! کبھی ہم اپنے آقا کی زیارت کیلئے اور آپ کے مقامات مقدسہ کی زیارت کیلئے حاضر ہو سکیں۔

خواجہ غلام فرید اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سرائیکی زبان میں بڑے عجیب الفاظ لکھے، فرماتے ہیں:

ایتھے میں مٹھری ایتھے جان بلب
اوتھے خوش بسدا وچ ملک عرب
ایتھے دکھرے دوہڑے کھاندیاں
تینڈے نام توں مفت وی تاندریاں
تیری باندھ ریاں دی میں باندھ ری آں
تیرے وڑیاں سچیاں نال ادب

تتی بن جوگن چودار پھراں
اے سندھ پنجاب تے مار پھراں
گلی کوچاں شہر بازار پھراں
متاں یار ملے کئی سانگ سبب

پیر مہر علی شاہ اور محبت رسول ﷺ :

پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ...... جب انہوں نے ارادہ کیا کہ میں حرمین کی زیارت کیلئے جاؤں تو ایک رات خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ دل بڑا اداس تھا۔ انہوں نے بھی اشعار کہے:

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں دل اداس کندیری اے
لوں لوں وچ شوق چنگیری اے
اج نیناں نے لایاں کیوں لڑیاں

سبحان اللہ ماأجملک ماأکملک ما أحسنک
کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جالڑیاں

نبی علیہ السلام کی محبت میں یہ عشاق اتباع سنت والی زندگی بسر کرتے تھے......اور جب کبھی انہیں مدینہ طیبہ حاضر ہونے کی توفیق ہوتی تو محبت کے ساتھ یہ سفر کرتے تھے۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول ﷺ:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند تھے۔ وہ مدینہ طیبہ جب پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو ''بیرِ علی'' جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کنویں ہیں، مقام احد سے بھی آگے ہے۔ وہاں پہنچ کر جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں چلنا شروع کردیا۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ بہت نازک بدن ہیں، پتھریلی زمین ہے۔ ایسے نہ ہو کہ پاؤں زخمی ہو جائیں پھر

وضو کا مسئلہ بنے گا۔

فرمانے لگے کہ جس دیس کو میرے آقا کے قدم لگنے کا شرف حاصل ہوا، قاسم کو کہاں زیب دیتا ہے کہ اس جگہ پر جوتوں کے ساتھ چلتا پھرے۔

کیا محبت تھی، کیا نبی علیہ السلام کے ساتھ تعلق تھا۔

چنانچہ مدینہ طیبہ حاضر ہو کر انہوں نے نبی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ لکھا، عجیب بات لکھی، فرماتے ہیں:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں نام میرا شمار

دل میں بڑی امیدیں ہیں بخشش ہونے کی، مگر سب سے بڑی امید یہ ہے کہ مدینہ کے کتوں میں میرا نام بھی شامل کر لیا جائے۔

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں نام میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

ایسے تڑپ کر وہ یہاں وقت گزارتے تھے اور پھر اللہ رب العزت ان حضرات کو دامن بھر کر واپس لوٹاتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مواجہ شریف میں حاضر ہوئے۔ جب وہاں سے باہر نکلے، دیکھا دیکھنے والوں نے کہ چہرے پر بڑے انوارات ہیں۔ حیران ہو کر انہوں نے پوچھا کہ حضرت! آج تو چہرے پر بڑی برکتوں اور رحمتوں کا ہجوم نظر آتا ہے۔ حضرت نے آگے سے شعر پڑھ دیا۔ فرمایا:

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم تھا
بھر دیا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ ہے
نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

چنانچہ جو بندہ بھی اس جگہ پر محبت کے ساتھ، اپنے دل کو غیر سے خالی کر کے وقت گزارتا ہے۔ دنیا کی خواہشات سے فارغ ہو کر نبی علیہ السلام کی محبت میں ڈوب کر وقت گزارتا ہے تو اللہ رب العزت کی اس پر خاص رحمتیں ہوتی ہیں۔

امام رفاعی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

چنانچہ ان عشاق میں سے ایک تھے امام رفاعی رحمۃ اللہ علیہ..... ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ مواجہ شریف میں حاضر ہوئے تو ایک عجیب واقعہ خلاف معمول ظاہر ہوا۔ بہت ساری کتابوں میں نقل کیا گیا اور اس کے گواہ وشواہد موجود ہیں کہ قریب آ کر انہوں نے یہ اشعار پڑھے، نبی علیہ السلام کے سامنے، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے دوری کی حالت میں، میں اپنی روح کو یہاں بھیجتا تھا۔ جو میری نائب بن کر آتی تھی اور اس زمین کے بوسے لے کر نکل جاتی تھی..... اور اے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! اب مجھے آپ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہے۔ ذرا اپنے ہاتھوں کو قریب کر دیجئے تاکہ بوسہ لینے کی سعادت میرے ہونٹ پاسکیں۔

انہوں نے یہ اشعار پڑھے تو روضہ انور سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ انہوں نے بوسہ لیا۔ لوگوں نے اس واقعہ کو دیکھا، لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ سے اس عجب کو دور کرنے کے لئے یہ کام کیا کہ آگے بڑھے اور مسجد نبوی کا جو دروازہ تھا، اس کے اوپر جا کر لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ تم میرے اوپر سے گزر کر جاؤ، جو اپنے کو اس طرح مٹاتے ہیں، پھر محبوب کس طرح اپنے سینے سے لگاتے ہیں۔

آج ہمارے دلوں کے اندر عجب ہے، تکبر ہے، کینہ ہے، حسد ہے، کیا باطنی بیماریاں ہیں کہ جو اندر بھری ہیں اور پھر ہم دل میں امیدیں رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آئے کہ جو ان عشاق کے ساتھ پیش آیا۔

علم حدیث والے نوازے گئے:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مواجہ شریف میں حاضری کے وقت دیکھا کہ نبی

علیہ السلام کی قبر مبارک سے ایک روشنی ہے، جس کی شعاعیں نکلتی ہیں اور حاضرین کی طرف آتی ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو حدیث پاک کے علم میں مشغول رہتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دھاگے کی طرح اس نور کی کرنیں ان کے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔

سلام کا جواب آتا:

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ ہمارے دادا حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ..... اللہ تعالیٰ نے 27 بار اس جگہ حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔

ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی تشریف لاتے تو سلام کرتے، تو اُن کو سلام کا جواب آتا اور پھر کہا جاتا کہ دوبارہ آنا۔ جب آخری مرتبہ تشریف لائے تو سلام کا جواب آیا۔ یہ پیغام نہ آیا کہ دوبارہ آنا۔

چنانچہ حضرت کو محسوس ہو گیا کہ میں زندگی کی آخری حاضری دے کر واپس جا رہا ہوں۔

جنہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ سچی محبت کا تعلق جوڑا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ یہاں تشریف لاتے ہیں تو اللہ کی ان پر عنائتیں ہوتی ہیں۔

مولانا جامی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فارسی میں بہت محبت بھرے اشعار لکھے اور وہ چاہتے تھے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئیں، مگر راستے میں جب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، تو آگے ایک جگہ حاکم وقت نے ایک چیک پوسٹ بنائی ہوتی تھی۔

وہاں اس کو خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار ہوا اور فرمایا کہ اس طرح کا ایک آدمی ہے۔ اسے روک لینا، میرے پاس نہ آنے دینا، چنانچہ اس نے صبح آپ کو منع کر دیا۔

آپ ایک دن ادھر رکے پھر آنے کی کوشش کی، پھر اسی طرح کا معاملہ پیش آیا۔ اب کی مرتبہ اس نے سختی کی اور سختی سے روکا تو ان کو خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا

کہ دیکھو یہ میرے بہت مقرب ہیں ان کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ نہ کرو، میں اس لئے منع کر رہا ہوں کہ اس نے ایسے محبت بھرے اشعار لکھے ہیں کہ اگر آ کر میرے پاس پڑھ دیئے تو محبت کا تقاضہ ہے کہ اسے باہر نکل کر سینے سے لگایا جائے، اس لئے میں نے روکا ہے۔

محبت والے تو پھر محبت میں ڈوب کر جب بات کرتے ہیں تو پھر اس کی تو حالت بھی کچھ اور ہوتی ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جب ہم وہاں سلام کیلئے حاضر ہوں تو دل کو اس محبت کے ساتھ بھر کر لے جائیں۔ نبی علیہ السلام کے امت پر جو احسانات ہیں، ان کو یاد کریں، غور کریں۔

جتنا احسانات کو یاد کریں گے، اتنی ہی محبت زیادہ ہوگی۔ قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا خیال دل میں رکھیں، آپ کے بلندی درجات کو سامنے رکھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تقسیم کرنے والے ہیں:

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

.....انما انا قاسم واللہ یعطی.....

کہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں اس کو آگے تقسیم کرنے والا ہوں۔ یعنی علم کی نعمت، معرفت کی نعمت، آقا کے آگے سے تقسیم ہوتی ہے امت کے قلوب میں۔

ہم اگر دل کے برتنوں کو ٹھیک کر کے وہاں جائیں گے تو یقیناً ہمیں بھی خیر ملے گی اور دل میں بھی وہ نعمت آ جائے گی۔ اس لئے تو کسی نے کہا تھا:

مدینہ کا ارادہ ہو تو عشق نبوی پیدا کر
تعلق ہو نہ جن سے ان کے گھر جانا نہیں اچھا

جب دل میں وہ محبت نہ ہو تو پھر یہاں آ کر بندے کو وہ احساس نہیں ہوتا وہ آگے جا کر حاضر بھی ہو، تو اس کے دل کے اندر وہ تڑپ نہیں ہوتی۔ کوئی اس کو فرق محسوس نہیں ہوتا۔ یہ دل کی موت کی ایک علامت ہوا کرتی ہے، بہر حال:

طیبہ کے جانے والے تجھے دیتا ہوں دعائیں
در مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جا کے تو جہاں کو بھول جائے

اللہ کرے کہ ہم نبی علیہ السلام کے سامنے جب حاضر ہوں تو ہم باقی دنیا کو بھول چکے ہوں۔

ادب ملحوظ خاطر رکھیں:

ایک دو باتیں ذرا ذہن میں رکھیں کہ مدینہ طیبہ کے آداب کا خیال رکھیں، یہاں کی کسی چیز کو بھی برا نہ کہیں، اس لئے کہ اگر کوئی بھنگی کسی کے گھر میں جھاڑو دینے پر معمور ہو اور وہ بھنگی اس گھر کی چیزوں پر تنقید کرنا شروع کر دے کہ یہ اچھا نہیں، یہ اچھا نہیں تو گھر کے مالک کو کتنا غصہ آتا ہے، اس بھنگی کو اس وقت گھر میں داخلے سے روک دیا جاتا ہے۔

یوں ہی سمجھیں کہ ہم تو بھنگی سے بھی گئے گزرے ہیں اور اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے یہاں آنے کی توفیق دے دی۔ ہماری کیا مجال کہ ہم یہاں کسی چیز پر تنقید کریں اور ان کو برا کہیں۔

بے ادبی پر پکڑ:

چنانچہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا۔ فرماتے تھے کہ ایک آدمی حج پر آیا، ناشتہ لینے کیلئے ہوٹل پر گیا اور بھی چیزیں لیں اور دکان دار نے کہا کہ دہی لینی ہے تو لے لو، اس نے آگے سے کہہ دیا کہ مدینہ کی دہی کھٹی ہوتی ہے۔ بس اتنے الفاظ اس نے کہے۔

رات جب سویا تو خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار ہوا۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم بڑے غصے میں تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ مدینہ کی دہی کھٹی ہوتی ہے، چلو مدینے سے باہر نکل جاؤ۔

اب وہ اٹھا تو بڑا پریشان، میں کروں تو کیا کروں، بہت رویا، بہت معافیاں مانگیں، کسی صاحب دل کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے کہا کہ اچھا ایک کام کرو کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے بہت محبوب چچا تھے، ان کی طرف جاؤ ایصال ثواب کرو اور جا کر دعائیں مانگو، تاکہ اللہ تعالیٰ معافی کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی معاف کر دیں۔

اس نے ایسے ہی کیا، تو اگلی رات اس کو خواب میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ تجھے نبی علیہ السلام نے وضاحتاً، صراحتاً صاف لفظوں میں چلے جانے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے اگر تم اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو چلے جاؤ، ورنہ تمہارا ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اندازہ کیجئے کہ ہم یہاں رہ کر اپنی زبان کو بند رکھیں، یہاں کے لوگوں کے بارے میں باتیں، یہاں کے ماحول کے بارے میں باتیں، اِدھر بھی باتیں، اُدھر بھی باتیں، قطعاً کسی چیز کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کریں کہ جو ادب کے خلاف ہو۔

کیا یہ ان لوگوں کی سعادت کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب کی جگہ پر رہنے کیلئے پسند کر لیا ہے۔ ہمیں تو سب سے محبت رکھنی چاہئے۔ اگر کوئی چیز الٹی سیدھی دیکھ بھی لیں تو ایسے سمجھیں کہ ہم نے دیکھی ہی نہیں ہے۔ ادب کا بہت خیال رکھنا۔ بے ادبی تھوڑی سی بھی انسان کر لے تو نقصان بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

ایک اور بات ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ طیبہ میں اگر کوئی کھانے کی دعوت دے تو شرعی عذر نہ ہو تو دعوت کو ہمیشہ قبول کر لینا چاہیے۔

اس لئے کہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں دی ہوئی دعوت کو قبول کرو اور یہ سوچو کہ یہ نبی علیہ السلام کی طرف سے دعوت ملی ہے۔

چونکہ کھانا تو نوکر بھی لگاتے ہیں تو یہاں بھی کھانا لانے والا نوکر ہی ہے۔ مگر سبب جو بنے کے وہ ممکن ہے کہ میزبان ہوں۔ یہاں پر آنے والوں کی میزبانی فرماتے ہیں۔

وقت قیمتی بنائیں:

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم جو تھوڑا سا وقت رہ گیا اس کو قیمتی بنالیں جو گھڑیاں باقی ہیں، ان گھڑیوں کو ہم نہایت محبت کے ساتھ اخلاص کے ساتھ نبی علیہ السلام کی مسجد میں جا کر نمازیں پڑھنے میں، تلاوت کرنے میں اور اللہ کو منانے میں، اللہ تعالیٰ سے اللہ کے محبوب کی محبت مانگنے میں صرف کریں۔

ہم سائل ہیں اور ایک بڑے در پر آئے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہاں سے خالی ہاتھ

واپس نہ جائیں۔

فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر غور کرو:

ایک حدیث پاک ذرا توجہ کے ساتھ سنیں کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے کلمہ پڑھا۔ نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ تم یہیں رہو۔ مگر وہ یہاں سے چلے گئے۔

نبی علیہ السلام نے ان کے عمل کو دیکھ کر فرمایا کہ مدینہ طیبہ ایک مٹی کی مانند ہے تو میل کچیل اور کھوٹ کو الگ کر دیتی ہے۔

اس کو ہمارے بزرگ پڑھ کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ جن کو اللہ نے یہاں حاضری کی توفیق عطا فرمائی اب ایک بھٹی کے اندر آ گئے اب کھرے اور کھوٹے کا پتہ چل جائے گا۔

اگر دل کے اندر گند بھرا ہوا ہے تو یہاں سے واپس جائیں گے تو گند ساتھ لے جائیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بھری ہے تو یہاں سے مقبول ہو کر واپس جائیں گے۔

چنانچہ اس حدیث سے بہت ڈر لگتا ہے کہ ہمیں اللہ نے اپنی رحمت سے یہاں آنے کی توفیق عطا فرمائی کہ اللہ اس مٹی میں ہم پیتل نہ نکل آئیں۔ اللہ ہمیں سونا بنا دینا، اللہ ہم کھوٹے ہیں، ہمارے اندر کھوٹ ہے، اس کھوٹ کو دور کر دینا اور اے اللہ ہمیں سونا بنا کر یہاں سے واپس لوٹانا، ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں سے مردود بن کر واپس جائیں، ہم تو نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں مقبول ہونے کے متمنی ہیں۔

لہٰذا خوب دل سے دعائیں مانگیں اور یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آج زندگی میں یہ نورانی وقت عطا فرما دیا۔ آج مانگنا ہے، اللہ سے مانگ لیجئے اور محبت کے ساتھ یہاں سے اللہ کی محبت لیکر، نبی علیہ السلام کی محبت لے کر، رسولوں کی محبت لے کر، دین کی محبت لے کر واپس جائیں۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ سے واپس جانے لگے تو گنبد

خضریٰ پر آخری نظر ڈالی اور آخری نظر ڈال کر یہ شعر پڑھا۔

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ تجھ سے میں جدا ہوتا

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی سچی محبت کے ساتھ واپس لوٹائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (البقرہ: ۱۴۳)
وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخر ..... نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا
الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ○
(سورۃ الحجر: ۴۹)
وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخر ..... وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ
شَیْءٍ (سورۃ الاعراف: ۱۵۶)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی ناموں کی وضاحت:

اللہ رب العزت کے دو صفاتی نام ہیں ایک رحمٰن اور دوسرا رحیم۔ دونوں کا ماخذ اور بنیاد رحمت ہے۔ لہٰذا یوں بات سمجھ میں آتی ہے کہ رحمٰن کا لفظ بھی کافی تھا یا رحیم کا لفظ ہی کافی تھا۔ ایک ہی صفت سے متعلق یہ دو نام اللہ رب العزت نے کیوں پسند فرمائے۔ علمائے کرام نے اس کے علوم و معارف بیان کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رحمت کا ہونا ایک صفت ہے اور رحمت کا بے انتہا بے دریغ خرچ کرنا دوسری صفت ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ دولت مند ہونا ایک صفت ہے کہ

وہ صاحب مال ہے، اس کے پاس دولت موجود ہے اور اس کا سخی ہونا کہ وہ اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیکی کے راستے میں لٹا بھی رہا ہے۔ یہ علیحدہ صفت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی لوگ بڑے سخی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے پاس دینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا اور بسا اوقات ایک آدمی کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہوتا ہے مگر دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ وہ سانپ کی طرح اس پر نگران بنا ہوتا ہے۔

اب اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوچئے کہ پروردگار عالم کے پاس رحمتوں کے خزانوں کا ہونا ایک خوبی ہے اور اس کی رحمتوں کے خزانوں کا بے دریغ خرچ ہونا ایک مستقل دوسری خوبی ہے۔ اس لئے رب کریم نے اپنے لئے دو نام پسند فرمائے۔ اسی لئے تو پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ..... اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ..... میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، ہر چیز سے اس کی رحمت زیادہ ہے۔

گنہگاروں سے اللہ تعالیٰ کا محبت بھرا خطاب:

میرے دوستو! ہمارے گناہ میرے اور آپ کے لئے بڑے اور زیادہ ہیں۔ لیکن بخشنے والے کے لئے تو وہ بڑے اور زیادہ نہیں ہیں۔ رب کریم تو بار بار ارشاد فرما رہے ہیں:

..... نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ .....

میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بڑا ہی مغفرت کرنے والا، بڑا ہی رحمت کرنے والا ہوں۔ سبحان اللہ، انداز بیان دیکھئے، جیسے ایک سخی اپنا مال خرچ کرنے کا ارادہ کرے اور اپنے کسی غلام یا نمائندے سے کہے کہ لوگوں کو بلاؤ تو اس وقت لوگوں کو اطلاع دینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کہ میں اپنے مال کو لٹانا چاہتا ہوں اس لئے لوگوں کو بتا دو۔

بالکل وہی انداز یہاں اپنایا اور یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو بتا دو، یا انسانوں کو بتا دو، یا بندوں کو بتا دو بلکہ فرمایا..... نَبِّئْ عِبَادِیْ ..... میرے بندوں کو بتا دو۔ اب یہ جو ''میرے'' کا لفظ ہے اس میں اور زیادہ حسن پیدا فرما دیا ہے، سبحان اللہ، کلام میں کیا ہی مزہ پیدا فرما دیا ہے۔

نفس وشیطان کے پھندے:

میرے دوستو! انسان اس دنیا میں کئی طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک طرف شیطان نیکی کے راستے میں بیٹھ کر اسے روکتا ہے اور دوسری طرف نفس نے اسے پھندا ڈالا ہوتا ہے۔ کبھی نفس کی خواہشات اور چاہتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہیں اور کبھی شیطان کا بہکاوا اور مکر ایسا ہوتا ہے جو انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔ اس دنیا میں انسان امتحان کی حالت میں ہے۔ ہر وقت اسے خیر اور شر کی قوتیں بلاتی رہتی ہیں۔ کیونکہ نفس وشیطان کے شر کے ساتھ ساتھ نیک لوگ بھی انسان کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان اور اس کے نمائندے لذات دنیا کی طرف بہکاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے اس بھول جانے کی وجہ سے ہی تو اللہ فرما رہے ہیں کہ اے میرے بندو..... فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ..... تم کدھر جا رہے ہو؟ تمہاری منزل تو کہیں اور تھی اور تم نے اپنی امیدوں کا منتہا کسی اور کو بنا لیا ہے۔ تم نے اپنا مقصود اور اپنا معبود کسی اور کو سمجھ لیا ہے۔ تمہیں تو اپنے پروردگار کی پوجا کرنی چاہئے تھی لیکن تم نفس کی پوجا کرنے میں لگ گئے۔

..... اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ .....

اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا؟..... اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ..... تم شیاطین کی عبادت نہ کرنا..... اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ..... وہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے..... وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ..... اور تم فقط میری عبادت کرنا..... هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ..... یہ بالکل سیدھا راستہ ہے۔ سبحان اللہ، کس انداز سے انسان کو متوجہ کیا گیا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں:

اللہ رب العزت اپنی نعمتیں یاد کروا کر انسان کو جھنجھوڑتے ہیں تاکہ یہ راہ راست پر آجائے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے انسان! جب تو دنیا میں آیا تو..... اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ..... کیا ہم نے تمہاری لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟..... وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ..... کیا ہم نے بولنے کیلئے زبان نہیں دی، ہونٹ نہیں دیئے؟..... وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ..... کیا ہم نے دو راستوں کی رہنمائی نہیں

کردی، حق اور باطل کو واضح نہیں کردیا؟

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ
وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ

اے بندے! ہم نے تمہارے لئے آسمان نہیں بنایا، زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح نہیں گاڑا؟..... اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ..... کیا ہم نے تمہیں ایک گندے قطرے سے پیدا نہیں کیا؟ تو..... اَلَمْ ..... کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے اپنی نعمتوں کے تذکرے کئے۔

انسان کی بے رخی:

جب اتنا متوجہ کرنے کے بعد اور اتنی بڑی چھوٹ دینے کے بعد پھر بھی انسان نے رخ نہ بدلا اور اس نے موت سے پہلے پہلے توبہ کر کے سیدھے راستے کو نہ اپنایا تو پروردگار عالم کو کہنا پڑا ..... قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ..... مارا جائے تُو انسان، تو نے کفر کیا..... مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ..... تجھے کس چیز سے پیدا کیا؟..... مِنْ نُّطْفَةٍ ..... گندے قطرے سے.....

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۙ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۙ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۙ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۙ

پھر قدم بہ قدم اپنی نعمتیں گنوائیں کہ ہم نے یہ بھی دیا، یہ بھی۔ حتّٰی کہ یہاں تک فرمادیا کہ

.....وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا.....

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس سب کے باوجود تم میرے راستے کو چھوڑ جاتے ہو۔ میری طرف آنے کی بجائے شیطان کی طرف بھاگتے ہو۔ مجھے اپنا مقصود حقیقی بنانے کے بجائے دنیا کی خواہشات میں پھنس جاتے ہو..... اور واقعی انسان کا حال یہ ہے کہ رب کریم نے اسے مال دیا مگر مال سے محبت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا۔ رب کریم نے اسے جوانی دی، مگر یہ اپنی جوانی سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا۔ رب کریم نے اسے عزت دی یہ اپنی عزت سے محبت کرتا ہے، اللہ رب العزت سے محبت نہیں کرتا۔ پروردگار عالم بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ یہ میرے کیسے بندے ہیں کہ دی ہوئی بھی میری نعمتیں ہیں، یہ ان نعمتوں کو

پسند کرتے ہیں اور دینے والے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔

اسی کا کھا کر اسی کے شکوے:

ہمارا یہ حال ہے کہ اسی کا دیا کھا کر اسی کا شکوہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں، کہ جی بڑی دعائیں مانگی ہیں وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ ایسے شکوے بھرے الفاظ زبان سے نکالتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا..... اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ..... بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے..... وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ..... اور وہ اس کے اوپر خود گواہ ہے ..... وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ..... اور اس کے دل میں مال کی بڑی محبت ہے..... اور واقعی حالت یہ ہے کہ انسان کے کھا کھا کر دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور زبان سے شکوے نہیں جاتے۔ بڑا اچھا کاروبار ہو تو پوچھیں کہ سنائیں، کاروبار کیسا ہے؟ تو کہتا ہے جی بس گزارا ہے۔ رب کریم کو کتنا غصہ آتا ہوگا کہ میرا تو اتنا فضل وکرم ہے اس پر اور اتنا عطا کیا گیا مگر اس کی زبان اتنی چھوٹی ہوگئی کہ میری تعریف میں شکریہ کا ایک جملہ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلتا۔ کیا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے رب کا بڑا فضل وکرم ہے۔

میرے اللہ کا میرے اوپر بڑا انعام ہے۔ بہت ہوتا اگر یہی الفاظ کہہ دیتا۔ یقین جانئے کہ ہم بعض اوقات اپنی زبان سے ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں جو اس کے عذاب کو دعوت دینے والے ہوتے ہیں۔ ایک شاعر کیا ہی ہرزہ سرائی کرتا ہے۔ گناہ کی بات کرتے ہوئے کہتا ہے:

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

یعنی چار دن کی جو زندگی ہے اس کو وہ فرصت گناہ سمجھ رہا ہے۔ اندازہ کیجئے بندے کا کہ پروردگار کے احسانات کتنے اور بندے کی سوچ کیسی۔ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اگر گناہ کا موقع بھی دیا ہے تو وہ بھی صرف چار دن ہے۔ پروردگار کا بس یہی حوصلہ ہے؟ اب بتایئے کہ ہو بھی بندہ اور زبان سے پروردگار کی شان میں یہ کہے، یہ کتنی بڑی جرأت ہے۔

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے:

ایک محفل میں بیٹھے بیٹھے اس عاجز کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس شعر کو تو بدلنا چاہئے،

کچھ یوں الفاظ سمجھ میں آئے:

ہم نے کئے گناہ تو اس نے نہ کی پکڑ
کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

واقعی اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے اور اس زندگی پر پروردگار نے پھر بھی کتنی نعمتوں سے ہمیں نوازا ہوا ہے تو عجیب حیرانی ہوتی ہے کہ ہماری نافرمانیوں کا یہ حال اور اس پر پروردگار کی نوازشوں کا یہ معاملہ۔ کہنے والے نے کہا:

جب انسان تیرا کھا کے بھی ترا شکوہ کرے یا رب
تعجب ہے کہ اس پر بھی رہے لطف و کرم تیرا

کتنی عجیب بات ہے کہ پروردگار پھر بھی اتنی مہربانیاں فرماتے ہیں۔ ہم اپنی حالت دیکھیں اور اپنے گناہوں کا جائزہ لیں تو ندامت سے سر جھک جائے گا کہ ہم نے تو اپنے پروردگار کے حکموں کو بالکل بے وقعت بنا دیا اور زندگی کے، دن نہیں، ہفتے نہیں بلکہ سالوں گزر جاتے ہیں اور پروردگار پھر بھی ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ اسی لئے ایک عارف فرماتے ہیں اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔

ہمارا حوصلہ:

اس کے برعکس ہم اپنی حالت پر غور کریں۔ ہم اگر کسی آدمی کو کوئی کام کہیں، ایک دفعہ کہیں، دو دفعہ کہیں، تین دفعہ کہیں اور اس کے باوجود وہ کان نہ دھرے اور کام نہ کرے تو ہمیں کتنا غصہ آتا ہے۔ بیوی کو کوئی کام دو چار دفعہ کہہ دیا جائے اور وہ بھول جائے تو کہتے ہیں کہ تجھے کتنی دفعہ کہا، کوئی ماتحت کام نہ کرے تو اسے نوکری سے نکال دیتے ہیں۔ گویا ہمارا یہی حوصلہ ہے کہ دو چار دفعہ کہنے کے باوجود اگر کوئی ہماری بات نہ مانے اور نظر انداز کر جائے تو ہمارے غصے کی انتہا ہو جاتی ہے۔

نماز کے معاملہ میں چھوٹ:

ان نعمتوں کے علاوہ اعمال میں سے صرف نماز ہی کو لیجئے۔ پروردگار عالم نے اپنے کلام

مجید میں ایک دو بار یا چار دفعہ نہیں بلکہ سات سو دفعہ سے زیادہ مرتبہ فرمایا، نماز پڑھو، نماز قائم کرو۔ اس کے باوجود بھی اگر نماز نہ پڑھیں تو سوچئے کہ اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آنا چاہئے تھا مگر رب کریم کی مہربانی ہے کہ اس نے پھر بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا کہ اے میرے بندے! موت سے پہلے تو اگر توبہ کرلے گا اور قضا نمازیں پڑھ لے گا تو میں تیری قضا نمازوں کو بھی قبول کرلوں گا۔ حالانکہ آداب شاہی کا تقاضا یہ تھا کہ ایک مرتبہ فرمان جاری ہوجاتا اور اس کے بعد مخلوق پر حق ہوتا کہ وہ شاہی فرمان کی پابندی کرے۔

اس پروردگار حقیقی کی عظمت کا تقاضا یہ تھا مگر قربان جائیں ان کی مہربانی پر، ان کی شفقتوں پر اور ان کی عطاؤں پر۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بھولنے والا ہے، یہ بہکنے والا ہے، یہ ڈول جانے والا ہے۔ ایک دفعہ کہنے سے ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں اہمیت نہ بیٹھے۔ اس ذات کی اپنے بندوں پر جو کمال شفقت تھی، جو کمال محبت تھی، جو کمال رحمت تھی..... اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ .....اس کا تقاضا یہی تھا کہ بار بار یاد دلایا جائے۔ سات سو سے زیادہ مرتبہ اعادہ کرنے کے بعد حق یہ تھا کہ معینہ وقت پر ہر بندہ نماز کے لئے آجاتا۔ لیکن نہیں بلکہ حکم دے دیا کہ بندوں سے کوئی کھڑا ہو اور روزانہ پانچ مرتبہ یاددہانی کروادے کہ..... حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ..... حَیَّ عَلَی الْفَلَاح..... آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف۔

اب بتایئے اتمام حجت ہوگیا کہ نہیں۔ اس قدر چھوٹ اور مہربانی کے باوجود نماز کے لئے نہیں آتے۔ اب تو دروازہ بند ہوجانا چاہئے تھا۔ حق تو یہ تھا کہ اتنا کچھ کہنے کے باوجود جو نماز چھوڑ بیٹھا اس کے لئے حکم ہوتا کہ جو چھوڑ بیٹھا وہ چھوڑ بیٹھا، اب اس کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں مگر محبت نے راستہ پھر بھی بند نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ بے نماز ہی سہی لیکن کسی وقت بھی توبہ کرلے اور قضا نمازیں لوٹالے تو ہم توبہ کو قبول کرلیں گے اور قضا نمازوں کے مسئلے بتادیئے ورنہ تو قضا نماز کا تصور بھی نہ ہوتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ:

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی۔ شیطان نے قسمیں کھا کھا کر انہیں کہا کہ تم یہ کام کرلو۔ ان کے تصور میں یہ رہا کہ ہمیں اس درخت سے منع کیا گیا ہے۔ وہ درخت تو فلاں جگہ

تھا، تخصیص ذہن میں تھی، تعمیم نہیں تھی، کہ عام ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ چلو جس درخت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ہم اس درخت کا پھل نہیں کھاتے۔ لہٰذا بھول ہوگئی۔ اب کیا ہوا؟ پروردگار عالم نے جو جنت کی پوشاک پہنائی ہوئی تھی۔ وہ پوشاک اتار لی اور ان کو جنت سے نیچے اتار کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ بیوی کو افریقہ کے گرم ترین علاقے میں اور آدم علیہ السلام کو سری لنکا کے بہت ہی سرسبز علاقہ میں۔ درمیان میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔

اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کی جدائی میں اتنا روئے کہ اگر ان کے آنسوؤں کے پانی کو جمع کیا جاتا تو دریا کے پانی کی مانند بہنے لگ جاتا۔ پھر عرفات کے جبل توبہ کے اوپر دونوں کو ملایا اور ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اب دیکھئے کہ ایک بھول کی معافی کتنی مشکل سے جا کر ملی۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے توبہ کی سہولت:

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب معاملہ ہے۔ ہم کپڑے اتار کر گناہ کرتے ہیں اور پروردگار عالم ان بدنوں پر کپڑوں کو دوبارہ لوٹا دیتے ہیں۔ ہم گناہ کرتے ہیں گھر سے باہر نکل کر اور وہ ہمیں پھر بحفاظت گھروں کو واپس پہنچا دیتے ہیں۔ سمجھ میں تو بات یہی آتی تھی کہ جب جسم سے خود ہی گناہ کیلئے کپڑے اتارے تو اب اس جسم پر کپڑے نہ لوٹاتے، جیسے جنت کی پوشاک اتار لی تھی۔ گھر سے نکل کر گناہ کیا اب گھر کی نعمت دوبارہ نہ دیتے جیسے آدم علیہ السلام کو جنت سے نیچے اتار دیا تھا۔ مگر پروردگار کی رحمت دیکھئے کہ حکم دے دیا کہ بس تم نادم ہو جاؤ، دل میں شرمندہ ہو جاؤ ہم تمہارے دل کی ندامت اور شرمندگی کو بھی قبول کر لیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور تمہیں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیں گے۔

سو آدمیوں کا قاتل جنت میں:

بنی اسرائیل کے ایک آدمی کی روایت حدیث پاک میں آئی ہے۔ اس نے ننانوے قتل کئے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ میں بڑا گنہگار اور بڑا خطا کار ہوں، پتہ نہیں کہ میری توبہ کی بھی کوئی صورت بنے گی یا نہیں۔ چنانچہ توبہ کی نیت سے وہ کسی صوفی صاحب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہوئے ہیں، کیا میری بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا

توبہ توبہ! ننانوے قتل اور اب تو کہتا ہے کہ میں گناہوں سے توبہ کرلوں۔

جیسے ہم کہتے ہیں کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی، اس نے بھی آگے اسی طرح کی بات کردی۔ اس کو غصہ آیا اور اس نے کہا اچھا میں بھی سنچری مکمل کئے دیتا ہوں۔ اس نے اسے بھی قتل کردیا۔ مگر دل میں خلش باقی تھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد دل میں پھر یہ احساس ہوا کہ میں سو بندوں کا قاتل ہوں، میرا کیا بنے گا؟ لہٰذا کسے دوسرے آدمی سے پوچھا۔ اس نے کہا فلاں بستی میں علماء رہتے ہیں، ان کے پاس چلے جاؤ، وہ تمہیں توبہ کا طریقہ بتائیں گے۔

اب اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ اگر کوئی انسان توبہ تائب ہونا چاہے تو کسی اللہ والے کے پاس جا کر اگر وہ توبہ کے کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ جلد قبول فرمائیں گے۔ خیر وہ آدمی توبہ کی نیت دل میں لے کر اس بستی کی طرف چل پڑا قضا وقدر کا فیصلہ کہ راستے میں ہی تھا کہ اسے موت آ گئی۔ اس کے پاس جنت والے فرشتے بھی آ گئے اور جہنم والے فرشتے بھی آ گئے۔ دونوں کی یہ کوشش تھی کہ اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں۔ جنت والے فرشتوں کی یہ دلیل کہ نہیں یہ توبہ کی نیت سے جا رہا تھا لہٰذا اسے جنت میں جانا چاہئے اور جہنم والے فرشتوں کی یہ دلیل کہ نہیں یہ سو بندوں کا قاتل ہے، ابھی توبہ تو نہیں کی اس لئے اسے جہنم میں لے جانا چاہئے۔ اب دونوں میں بحث ومباحثہ شروع ہوگیا۔ مگر معاملہ طے نہ ہوسکا۔

اللہ رب العزت کے حضور فیصلے کے لئے بات پہنچی۔ اللہ رب العزت نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرشتو! یہ توبہ کی نیت سے جو گھر سے چل پڑا تھا، ذرا فاصلہ تو دیکھو۔ اگر یہ اس بستی کے قریب پہنچ گیا تھا جہاں اس نے توبہ کرنی تھی تو پھر جنت والے فرشتے لے جائیں اور اگر ابھی تھوڑا ہی فاصلہ کیا ہے تو اسے جہنم والے فرشتے لے جائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ پروردگار عالم نے فرشتوں کو تو یہ حکم فرمایا مگر زمین کو بھی ساتھ ہی حکم کردیا کہ اے زمین! تو سکڑ جا۔ چنانچہ اس بستی کی طرف کی زمین سکڑ گئی۔ جب فرشتوں نے فاصلہ کی پیائش کی تو پتہ چلا کہ اسے موت تو وہاں آئی جہاں دونوں راستوں کے بالکل درمیان کی لائن بنتی تھی۔ مگر مرتے مرتے، گرتے پڑتے اس کی لاش اگلی بستی کی طرف جا کر گری۔ بس اتنا فاصلہ توبہ کی بستی کے قریب ہونے کی وجہ سے رب کریم نے فرمایا، چونکہ یہ توبہ والی بستی کے قریب

ہوگیا اس لئے ہم نے اس کے گناہ معاف فرما کر اسے جنت عطا کر دی ہے۔

میرے دوستو! اگر مرتے مرتے بھی ہماری لاش توبہ کی بستی کی طرف جا کر گرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی معاف فرما دیں گے۔ اور اگر کوئی اپنے ہوش وحواس میں توبہ کرے گا پھر اللہ رب العزت اس کی توبہ کو کیوں نہیں قبول فرمائیں گے۔ لہٰذا ہمیں وقت سے فائدہ اٹھا کر زندگی کے گناہوں سے سچی توبہ کرنی چاہئے۔

قارون کی سرکشی کا واقعہ:

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا کہ تمہارے پاس بہت زیادہ مال ہے لہٰذا تم اس میں سے زکوٰۃ ادا کرو۔ اس نے خطرہ محسوس کیا کہ اس طرح تو میرا مال کم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کوئی ایسی بات کی جائے کہ ان (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی Public Insult ہو جائے۔ عوام الناس میں ان کی بے عزتی ہو جائے۔ پھر میں اُن کی بات نہیں مانوں گا۔ بلکہ میں کہوں گا کہ ایسے بندے کی بات میں نہیں مانتا۔

چنانچہ اس نے کسی عورت سے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام قوم کے سامنے خطاب کریں تو تُو کھڑے ہو کر کہنا کہ یہ تو میرے ساتھ بدکاری کا ارادہ کر رہے تھے۔ تم صرف الزام لگا دینا باقی پروپیگنڈہ ہم خود سنبھال لیں گے اور میں تمہیں اس کے بدلے میں اتنے اتنے پیسوں دوں گا۔ وہ مال کے جھانسے میں آ کر کہنے لگی، بہت اچھا۔

چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اتنے میں وہ عورت کھڑی ہوگئی۔ جب کھڑی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام کے تقدس اور جلال کو دیکھ کر کانپ گئی اور سچ سچ بات کہہ سنائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غصہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے پیارے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے زمین کو تیرے تابع بنا دیا ہے تو جو اسے حکم کرے گا یہ اس حکم کو پورا کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے کہا کہ تو قارون کو نگل جا۔ زمین پھٹی اور اس نے اس کے پاؤں جکڑ لئے۔ قارون معافی مانگنے لگا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلال میں تھے۔ لہٰذا دوبارہ حکم

دیا کہ اے زمین تو اسے نگل جا۔ زمین نے اس کو پیٹھ تک اپنے اندر لے لیا۔ تیسری دفعہ پھر یہی فرمایا کہ اے زمین اسے نگل جا۔ زمین اسے نگل گئی۔ قیامت تک وہ زمین میں دھنستا رہے گا۔

جب قارون زمین میں دھنس گیا اور موسیٰ علیہ السلام کا جلال کچھ ٹھنڈا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے پیارے موسیٰ علیہ السلام! وہ آپ کے سامنے روتا رہا اور معافی مانگتا رہا مگر آپ زمین کو حکم دیتے ہی رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اے اللہ! اس نے الزام بھی تو اتنا بڑا لگایا تھا۔ فرمایا، ٹھیک ہے لیکن اگر وہ مجھ پروردگار کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا تو میں پروردگار تو اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا۔

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

ہم انسان تھوڑے ظرف والے ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی کوئی بات پیش آ جائے تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس بندے کے اندر سے جان نکال دیں۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس کے ٹکڑے کر دیں، ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس کو اپنی نگاہوں سے نیچے گرا دیں۔ ہمارا حسد اتنا ہوتا ہے کہ کسی کو اچھا دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن پروردگار کا تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔

ایک چغلخور پر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعطا:

بنی اسرائیل ہی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ قحط پڑ گیا۔ بارش بند ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر باہر نکلے تا کہ بارش کی دعا مانگیں۔ چنانچہ دعا مانگی مگر بارش کے آثار پھر بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ بڑے حیران و پریشان تھے۔ پانی کے قطروں کو انسان، پرندے، چرندے اور درندے بھی ترستے تھے۔ آپ دوبارہ پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا مانگی کہ اے رب کریم! رحمت کی بارش عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبر! میں رحمت کی بارش کیسے برساؤں، اس مجمع میں تو ایک چغلخور موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو گئے۔ آپ نے ساری قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ، اس مجمع میں ایک چغلخور موجود ہے۔ جب تک وہ یہاں ہے رحمت کی بارش نہیں ہوگی۔ بہتر ہے کہ وہ نکل جائے تا کہ باقی لوگ تو رحمت سے محروم نہ ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اللہ کی شان کہ

جو بندہ چغلخور تھا اس نے دل میں سوچا کہ اوہو! میں اتنا برا ہوں کہ میری وجہ سے ساری قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو چکی ہے۔ وہ بڑا شرمسار ہوا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور نکل کر چلا جاتا ہوں۔ مگر اس کو پھر خیال آیا کہ میرے پروردگار! میں جب تک چغلخور بنا رہا تب تک تو آپ نے مجھے رسوا نہ کیا اور جب میں توبہ کی نیت کر چکا ہوں تو کیا اب آپ مجھے رسوا فرما دیں گے۔ وہ ابھی یہ بات سوچ رہی رہا تھا کہ رحمت کی بارش چھم چھم برسنے لگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حیران ہوئے۔

جب بارش خوب ہو چکی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے، اے رب کریم! آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ ایک چغلخور کی وجہ سے رحمت رکی ہوئی ہے اور خود ہی بارش برسا بھی دی حالانکہ نکل کر کوئی بھی نہیں گیا۔ پروردگار نے فرمایا اے میرے پیارے پیغمبر! جس بندے کی وجہ سے رحمت رکی ہوئی تھی، اس بندے کی وجہ سے رحمت برس گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور زیادہ حیران ہوئے اور پوچھا، اے اللہ! وہ بندہ کون ہے؟ رب کریم نے فرمایا، جب میں چغلخوری کو اتنا ناپسند کرتا ہوں کہ رحمت کی بارش نہیں برساتا تو میں اس بندے کی چغلی کیسے کھاؤں۔

کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے

اللہ تعالیٰ کے باغی کے حقوق:

ہم غور کریں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمتیں ہیں۔ دیکھیں کہ ہر ملک کا یہ قانون ہوتا ہے کہ ہر شہری کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ مگر دنیا کے کسی ملک میں بھی باغی کو کوئی حق نہیں ملتا۔ ساری سزائیں اس کے واسطے ہوتی ہیں۔ ساری عطائیں اس سے ہٹالی جاتی ہیں۔ اس کو اس ملک میں جینے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ کہا جاتا ہے کہ اسے پھانسی پر لٹکا دو۔ گویا باغی کے لئے دنیا کی بدترین سزائیں ہوتی ہیں۔

مگر دین اسلام وہ دین ہے جسے رحیم و کریم ذات نے بھیجا ہے۔ کتنا کرم اور رحمت کا معاملہ فرمایا کہ اس دنیا کے ملک میں اس پروردگار کا شاہی قانون لاگو ہے۔ مگر اس میں پروردگار

عالم نے اپنے باغی کے بھی حقوق رکھ دیئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ کوئی بندہ دہریہ ہو یا غیر مسلم ہو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا باغی ہوتا ہے۔ اس باغی کو بھی اس ملک میں اپنی زندگی گزارنے کی اسی طرح اجازت ہے جس طرح کہ ایک عام مؤمن کو اجازت ہے۔ اس کی جان و مال پر بھی کوئی بندہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ جس طرح مؤمنوں کی عزت، جان اور مال محفوظ ہے، اب اسلام کی سلطنت میں کفار کی جان و مال پر بھی کوئی بندہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔

کیونکہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ جس طرح مؤمنوں کی عزت، جان اور مال محفوظ ہے۔ اب اسلام کی سلطنت میں کفار کی جان و مال اور عزت کو ہم نے محفوظ فرما دیا ہے۔ دیکھیں کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ اگر کوئی دین قبول نہیں کرتا تو چاہئے تو یہ تھا کہ کہہ دیتے کہ تجھے میری زمین پر جینے کا کوئی حق نہیں ہے مگر نہیں، بلکہ فرمایا کہ اگر دین اختیار نہیں کرتا تو تمہاری مرضی۔ البتہ اگر تم اسی ماحول میں رہو گے تم اور تمہاری جان کو اگر کوئی نقصان پہنچائے تو اس کو وہی سزا ملے گی جس طرح کی مسلمان کی جان کو نقصان پہنچانے پر دی جاتی ہے۔ جب فقہ کا یہ مسئلہ پڑھتے ہیں تو دل سے بات نکلتی ہے کہ.....

کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے

میرے دوستو! ایک وہ عورت جس کی زندگی زنا کاری میں گزر گئی۔ اگر وہ ایک پیاسے کتے کو دیکھتی ہے اور اپنے دوپٹے کے ساتھ جوتا باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکال کر اس کے منہ میں ڈالتی ہے اور کتا پانی پی کر خوش ہوتا ہے۔ جیسے ہی خوشی کی آواز کتے کی زبان سے نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

لمحہ فکریہ:

پھر ہم اپنا معاملہ کیوں نہیں دیکھتے کہ وہ گناہ جن کی وجہ سے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی زمین کانپتی ہے اور زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتی ہے کہ اے رب کریم! تیری شان میں ایسی گستاخی، تیرے حکموں کو اس طرح توڑنے والا بندہ، مجھے اگر اجازت ہوتی تو پھٹ جاتی اور اسے نگل جاتی۔ مگر پروردگار زمین کو حکم نہیں فرماتے۔

شکلیں مسخ کرنے والے گناہ کرتے ہیں مگر رب کریم شکلوں کو پھر بھی سلامت رکھ لیتے ہیں۔ رب کریم کو ہم اتنا غصہ دلانے والے کام کرتے ہیں مگر وہ رب کریم پھر بھی اپنی رحمت کا معاملہ کیے رکھتے ہیں۔

گناہ گار پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات:

دنیا کی عدالت میں کسی پر کوئی ایسا مقدمہ درج ہو جائے جو غلط ہو اور عدالت بھی تحقیق کرے کہ مقدمہ غلط تھا تو عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ ہم نے اس معاملہ میں تحقیق کی، گواہیاں لیں اور اس نتیجہ پر ہم پہنچے کہ مقدمہ غلط تھا۔ لہٰذا اس آدمی کو باعزت بری کر دیا گیا۔ پھر وہ عدالت اس آدمی کو باعزت بری کرنے کے باوجود اس جھوٹے مقدمہ کا بھی اپنے پاس ریکارڈ ضرور رکھتی ہے۔ دنیا کی عدالت کا تو یہ معاملہ ہے جب کہ رب کریم کی عدالت کا یہ معاملہ ہے کہ ایک آدمی جو واقعی مجرم ہے اور اس کے گناہ کا جرم ثبوت کے ساتھ موجود ہے اور فرشتے اس کو عدالت کی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ یہ اتنے بڑے بڑے گناہ والا مجرم ہے۔ جب وہ رحم کی اپیل کرتا ہے تو رب کریم اس کے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نامہ اعمال میں سے ان گناہوں کو مٹا بھی دیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو ہمارے سامنے نادم و شرمندہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہم نے تجھے سچے مقدمہ سے باعزت بری کر دیا ہے اور مقدمہ کے ریکارڈ کو بھی ہم نے اپنی عدالت سے ختم کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط نامہ اعمال سے ہی ریکارڈ ختم نہیں کرواتے بلکہ..... اَنْسَی اللّٰہُ الْحِفْظَۃَ ..... اللہ تعالیٰ لکھنے والے فرشتوں کی یادداشت سے بھی ان گناہوں کو نکال دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن میرے بندوں کے خلاف گواہی نہ دے سکیں۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا

ہم تو گناہ کماتے پھرتے ہیں، جہنم کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں..... اور رب کریم ہیں جو جہنم سے ہٹا کر پھر جنت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔ ساری ساری زندگی اپنی من مانیاں کرنے والے بھی موت کے قریب جا کر معافی مانگ لیتے ہیں اور پروردگار ان کی بھی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

گناہوں کا نیکیوں میں بدلنا:

دیکھئے کہ ایک آدمی جو پہلے مجرم تھا، خطا کار تھا جب اس نے پکی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کے گناہوں کو معاف ہی کر دیا بلکہ دو کام اور بھی کر دیئے۔ پہلا کام تو یہ..... فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ..... کہ ہم نے تمہارے گناہوں کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیا ہے۔

وہ جرم معاف ہی کر دیتے تو بڑی بات تھی مگر نہیں۔ وہاں تو کرم اور عطا کا معاملہ ہے۔ اس لئے فرمایا کہ معاف تو ساری دنیا کر دیتی ہے۔ لیکن وہ سخی ایسا ہے کہ معاف ہی نہیں کرتا بلکہ معاف کرنے کے بعد گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔

گناہ کا طعنہ دینے والے کے لئے وعید:

دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اب دوسرے لوگوں سے کہا جو بندہ اپنے گناہ سے توبہ کر لے، اسے تم گناہ کا طعنہ نہ دینا، یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ وعید فرما دی کہ اگر ایک بندہ واقعی گناہگار تھا، اب سچی پکی توبہ کر چکا ہے۔ اب اگر تم میں سے کوئی بندہ اس کو اس گناہ کو طعنہ دے گا تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک اللہ تعالیٰ خود اس کو اس گناہ میں ملوث نہ کر لے گا۔ سبحان اللہ، اس کی عزت کی ایسی حفاظت کی کہ لوگوں کی زبانوں کو بند کر دیا کہ تم میں سے کسی کی جرأت نہیں کہ گزرے ہوئے گناہ کی عار دلائے اور اسے طعنہ دے۔ کیونکہ اگرچہ یہ غافل تھا مگر اب توبہ کر چکا گناہ کی عار دلائے اور اسے طعنہ دے۔ کیونکہ اگرچہ یہ غافل تھا مگر اب توبہ کر چکا ہے، یہ صلح کر چکا ہے، میرے زیر پر آ چکا ہے اور جو شہنشاہ کے در پر آ جائے۔ اس کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ شریعت نے کیسا عجیب تصور دیا ہے کہ اگر کوئی گنہگار ہو تو اس گنہگار سے نفرت نہیں کرنی

چاہئے۔ بلکہ گناہوں سے نفرت کرنی چاہئے۔ جیسے بیمار سے نفرت نہیں کی جاتی بیماری سے نفرت کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ سچی توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں تبدیل فرمادے۔ سچی بات ہے کہ.....

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

رحمت اور فضل میں فرق:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو الفاظ استعمال فرمائے:

.....وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ.....

اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی۔ یہ دو الفاظ کیوں ارشاد فرمائے؟ حالانکہ فضل کا لفظ ہی کافی تھا یا رحمت کا لفظ ہی کافی تھا۔ مگر ملتے جلتے دو الفاظ استعمال فرمائے۔ مفسرین نے پھر آگے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کی خطا کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں۔ یہ تو ہوگئی اللہ کی رحمت، کہ رحمت کی وجہ سے اس کے اتنے بڑے جرم کو معاف فرمادیا..... اور دوسرا اپنی طرف سے یہ انعام بھی عطا کیا کہ گناہوں کے باوجود رب کریم نے انہیں نیکیوں میں تبدیل فرمادیا۔ اس کو کہتے ہیں ''اللہ کا فضل''۔ اس لئے فضل اور رحمت دو الفاظ الگ الگ استعمال فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کب آتی ہے:

میرے دوستو! بجلی کے تار کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ پہلی غلطی بھی معاف نہیں کرتی۔ اس کی تار کو غلطی سے پہلی دفعہ ہاتھ لگ جائے تو پھر بھی نقصان پہنچادیتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کا یہ دستور ہے کہ وہ انسان کی پہلی غلطی پر پکڑ نہیں فرماتے۔ کیونکہ وہ رحیم وکریم ذات ہے.....اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ..... وہ مہربانی فرمانے والے ہیں۔ وہ ایک آدھ غلطی پر انسان کو سزا نہیں دیتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت پکڑ آتی ہے جب بندہ نے ایک گناہ کیا، پھر کیا، پھر کرتا رہا، کرتا رہا اور زندگی کے سال ہا سال گزر گئے۔ حتّٰی کہ ایک مدت کے بعد وہ وقت آتا ہے جب رب کریم اس کی پکڑ فرمالیتے ہیں۔

اس کی دلیل حدیث پاک سے ملتی ہے۔ ایک آدمی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسے چوری کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ کہنے لگا، اے امیر المؤمنین! مجھے معاف فرمادیجئے، مجھ سے پہلی غلطی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں پہلی غلطی پر اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرتے۔ چنانچہ حکم دے دیا گیا کہ تحقیق کی جائے۔ جب لوگوں نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ عادی مجرم تھا اور پہلے بھی چوری کرتا تھا۔

انسان جب گناہوں میں اُلجھ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ آتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا..... مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً ..... جس نے گناہ کئے..... وَاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ ..... اور اس کی خطاؤں نے اس کا احاطہ کرلیا۔ احاطہ کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی اتنے گناہ کئے کہ ان گناہوں کے اندر ڈوب گیا، گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا..... فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ..... یہ وہ لوگ ہیں جو آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

دیکھیں! کوئی آدمی اپنے نافرمانوں کو بھی محبت سے بلاتا ہے؟ کوئی نہیں بلاتا، بلکہ غصہ سے بلاتے ہیں، مگر رب کریم کا معاملہ ہی عجیب ہے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہم گناہ گاروں کا تذکرہ بھی بڑے عجیب الفاظ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یوں فرمایا..... قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ..... آپ فرمادیجئے میرے ان بندوں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ سبحان اللہ، تذکرہ بھی ان لوگوں کا جو جانوں پر ظلم کرتے رہے، اے پروردگار عالم! تیری رحمت پہ قربان جائیں کہ خطاب کرتے ہوئے آپ نے اجنبیت اور بے تعلقی کا احساس نہیں ہونے دیا، آپ نے ان سے رخ نہیں پھیرا اور صرف یہ نہیں کہا کہ بندوں یا لوگوں سے کہہ دو بلکہ فرمایا..... "عبادی" ..... میرے بندوں سے۔ کیا فرمادیجئے؟ کہ..... لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ..... اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجانا..... اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ..... اللہ تعالیٰ سب گناہوں کی رحمت معاف کرنے والے ہیں..... اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ..... وہ تو بڑی مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

اے رب کریم! آپ گنہگاروں کو بھی خطاب کرتے ہوئے اپنے بندوں کے نام سے

خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ کی اتنی رحمتیں، آپ کے اتنے کرم، ہم قربان جائیں آپ کی رحمتوں پر آپ کی بخششوں پر اور آپ کی عطا پر کہ ادھر سے پیہم گناہ اور آپ کی رحمت کی طرف سے تکرار کہ اے میرے بندو! اب بھی میرے در پر آ جاؤ اور توبہ کرلو، میں تمہاری توبہ قبول کرلوں گا۔

خلاصہ کلام:

اللہ رب العزت ہمیں سچی توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ یہ پروردگار کا کرم ہے، اس کی رحمت ہے، اتنے گناہوں کے باوجود، اتنی خطاؤں کے باوجود، ہم سے پروردگار نے بینائی نہ چھینی، گویائی نہ چھینی، سماعت نہ چھینی، عزت نہ واپس لی، ہم سے رزق نہ واپس لیا، پروردگار نے ہم سے بیوی بچے نہ واپس لئے، ہم کو ساری نعمتیں عطا کئے رکھیں، یہ سب میرے پروردگار کا کرم اور احسان ہے۔

میرے دوستو! کہنے والے نے پتہ نہیں کسی شیطانی خیال میں بات کردی ہوگی کہ:

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

تو دل میں خیال آیا کہ ہم کیوں نہ اس بات کو واضح کردیں کہ دل میں تو یہ بات آتی ہے کہ.....

ہم نے کئے گناہ تو اس نے نہ کی پکڑ
کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زبان کا استعمال

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ کَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ (سورۃ الصف:۲،۳)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تمہید:

انسان کو اللہ رب العزت نے زبان کی ایک نعمت عطا فرمائی ہے، جس سے انسان آپس میں گفتگو کرتا ہے۔ اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتا ہے۔ اپنے احساسات اور جذبات کو الفاظ کا جامہ پہناتا ہے۔ اس لئے فلاسفر لوگ انسان کو حیوان ناطق کہتے ہیں کہ یہ بولنے والا حیوان ہے۔ حالانکہ یہ اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ لیکن ہر عضو کے استعمال کے طریقے ہیں۔ اگر اس کو شریعت کے مطابق استعمال کریں تو عبادت ہے۔ شریعت کے خلاف استعمال کریں تو گناہ ہوتا ہے۔

زبان سے نکلے الفاظ عبادت یا گناہ:

اسی طرح انسان کی زبان سے جو گفتگو ہوتی ہے..... اگر وہ شریعت اور سنت کے مطابق ہو تو وہ عبادت بنے گی اور اگر خلاف شریعت ہوگی تو وہ انسان کے لئے جہنم میں جانے کا سبب بنے

گی۔

الفاظ کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اس لئے جب انسان مسلمان بنتا ہے تو وہ فقط اپنی زبان سے کلمہ پڑھتا ہے۔ نہ اس وقت کوئی ورزش کرنی پڑتی ہے۔ نہ دوڑنا، نہ بھاگنا، کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ فقط..... **اقرار باللسان و تصدیق بالقلب** ..... دل سے تصدیق کر دینا اور زبان سے اقرار کرنا، کلمہ شہادت کو پڑھ لینا۔ اب اتنے الفاظ جو زبان سے نکلے تو اس پر اللہ تعالیٰ کو اس قدر خوشی ہوئی کہ اس بندے کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ چند الفاظ پر زندگی کے تمام گناہوں کو معاف کر دینا اس سے زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

الفاظ کی طاقت:

غور فرمائیں جب انسان کا نکاح ہوتا ہے تو اس وقت مرد اپنی زبان سے ایک لفظ نکالتا ہے..... قَبِلْتُ ..... میں نے اس عورت کو اپنے نکاح میں قبول کیا..... اور ایک لفظ کے ادا ہونے سے وہ لڑکی جو اس کیلئے غیر محرم تھی، جس کی طرف نظر اٹھانا حرام تھا۔ جس سے گفتگو کرنا ناجائز تھا۔ صرف گواہوں کی موجودگی میں..... قَبِلْتُ ..... کا لفظ کہنے سے وہ اب اس کی بیوی بن گئی۔ اتنا قریبی رشتہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا..... هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ..... وہ تمہارا لباس ہے تم ان کا لباس ہو۔ لباس کے ساتھ تشبیہ دی گئی میاں بیوی کے تعلق کی۔

اگر بالفرض ایک آدمی اپنی بیوی سے ناراض ہے اور فیصلہ کر لیتا ہے کہ میں نے اس کو اپنے سے جدا کرنا ہے، اب اس کی زبان سے ایک ہی لفظ نکلتا ہے کہ میں نے تمہیں طلاق دی ..... طَلَّقْتُ ..... اب ایک لفظ سے وہ جو اس کے بچوں کی ماں تھی۔ اس کی زندگی کی ساتھی تھی۔ اس کے سب راز و نیاز جانتی تھی۔ اس کی خوشی و غمی میں اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ اب پھر وہ اجنبی بن گئی۔

اس سے اندازہ لگائیں کہ زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اللہ رب العزت کے ہاں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔

سائز میں چھوٹی گناہ میں موٹی:

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ زبان سائز میں بہت چھوٹی ہے۔ لیکن اپنے گناہوں میں بڑی موٹی ہے۔ غیبت انسان زبان سے کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ چغل خوری، بہتان تراشی، طعنے دینا، مزاق اڑانا، یہ سب کی سب چیزیں انسان کی زبان سے ہوتی ہیں۔

اکثر گناہ زبان سے:

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر مرد کا ہاتھ بے قابو ہوتا ہے۔ عورت کی زبان بے قابو ہوتی ہے۔ دنیا میں ایسی ہی نیک عورتیں گزریں کہ جو قرآن کی آیتوں میں سے کلام کرتی تھیں۔ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت کا واقعہ لکھا..... المرأۃ متکلمۃ بالقرآن.....

لیکن آج کل کے حالات میں ہم نے دیکھا کہ عورتیں اپنی زبان کے الفاظ میں بہت زیادہ بے احتیاطی کرتی ہیں۔ دوسروں کی غیبت کرتی ہیں۔ جب سمجھایا جائے کہ یہ غیبت ہے تو آگے سے پھر حیل وحجت کرتی ہیں۔ ہم جو کہہ رہی ہیں سچ ہی تو کہہ رہی ہیں۔

حالانکہ شریعت کہتی ہے، غیبت کہتے ہیں کسی عیب کو اس کی پیٹھ پیچھے اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو دکھ ہو، وہ برا منائے۔

اگر سچ ہے تو یہ غیبت بنے گی اور اگر جھوٹ ہے تو یہ بہتان بنے گا۔ یہ الگ الگ گناہ ہیں۔

اس لئے کوشش یہ کرنی چاہیے کہ انسان اپنی محفل میں کسی اور کا اول تو تذکرہ کرے نہیں، کرنا بھی پڑ جائے تو اچھے الفاظ سے تذکرہ کرے۔ برے لفظوں سے یاد نہ کرے۔ شریعت کا حسن دیکھیں اس نے مومن کی عزت کو کس طرح محفوظ رکھا کہ اسے کہا کہ تمہیں گھبرانے کی ضرورت ہی نہیں۔

اگر دونوں آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں تو وہ تمہارے متعلق بری بات کر ہی نہیں سکتے۔ اگر کریں گے تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

غیبت زنا سے برتر:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے..... الغیبة اشد من الزنا ..... کہ غیبت تو زنا سے بھی برا کام ہے۔ اب بتائیں کہ اتنا بڑا جرم اور آج اس کے برے استعمال کی عام ایک وبا پھیل گئی ہے۔ زبان ہے کہ چلتی رہتی ہے۔

جنت کی ضمانت:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دو اعضاء کے ٹھیک استعمال کی ضمانت دے دے، میں اس کو جنت میں گھر بنانے کی ضمانت دے دیتا ہوں..... ما بین لحییه وما بین رجلیہ..... جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے، یعنی زبان اور جو دو رانوں کے درمیان ہے، یعنی انسان کی شرم گاہ۔

جو انسان جسم کے ان اعضاء کو ٹھیک استعمال کرنے کی ضمانت دے دے، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کو جنت میں گھر بنانے کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس لئے جہنم میں جو لوگ اکثر جائیں گے وہ اپنی زبان اور شرم گاہ کے غلط استعمال کی وجہ سے جائیں گے۔

شریعت نے زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو بڑی اہمیت دی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اکثر زبان کو پکڑ کر فرماتے کہ زبان تو ٹھیک رہنا تو جسم کے سارے اعضاء ٹھیک رہیں گے..... اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اکثر لوگ جہنم میں اپنی زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے جائیں گے۔

زریں قول:

اس لئے خوش نصیب ہے وہ شخص جس کی خاموشی فکر کے ساتھ ہو اور جس کی گفتگو ذکر

کے ساتھ ہو۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ حضرت! آپ کوئی گفتگو کریں۔ ہمیں نصیحت فرمائیں۔

حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

زبان کی لغزش بڑی ہے:

اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ پاؤں پھسل جائے تو انسان کے جسم پر چوٹ پڑ جاتی ہے۔ اس کو مندمل ہونے کے چانس ہوتے ہیں اور اگر زبان پھسل جائے تو دوسرے بندے کے دل پر چوٹ پڑتی ہے اور انسان زمین پر نہیں گرتا، انسان پھر جہنم کے اندر جا کر گرتا ہے۔

بچّی کی اچھی بات:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی لڑکی نے مجھے ایسی نصیحت کی کہ ہلا کر رکھ دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت وہ کیسے؟

فرمانے لگے کہ بارش ہوئی تھی اور بہت زیادہ کیچڑ تھا۔ میں اپنے گھر سے مسجد کی طرف جا رہا تھا، میں نے راستے میں ایک چھوٹی سی لڑکی کو آتے ہوئے دیکھا۔

میں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ بچی ذرا احتیاط کرنا، کہیں پھسل نہ جانا، یہ دیکھ کر وہ مسکرائی اور مجھے کہنے لگی کہ حضرت! میں گری تو نقصان فقط میری ذات کا ہوگا۔ آپ سنبھل کر رہئے گا، اگر آپ پھسل گئے تو پھر امت کا کیا بنے گا۔

واقعی بات تو ایسے ہی ہے۔ زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔

بدقسمت انسان کون؟:

بدقسمت ہے وہ انسان کہ جس کی زبان اس پر حکمرانی کررہی ہو، اس لئے انسان کی زندگی اور موت کا فیصلہ وہی کرتی ہے۔ بعض لوگوں کو فحش کلامی کی عادت ہوتی ہے۔ الٹی سیدھی بددعائیں زبان سے نکال دیتے ہیں اور کئی مرتبہ اُن کو سمجھایا بھی جائے کہ بھائی ایسے الفاظ نہیں کہتے، کہتے ہیں کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔

یعنی ان کی زبان سے ایسے الفاظ نکلتے ہیں کہ ان کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ آج کسی کو بے ایمان کہہ دینا، خبیث کہہ دینا، کمینہ کہہ دینا، ذلیل کہہ دینا بہت آسان ہے۔ لیکن کل قیامت کے دن جب اس کا جواب دینا پڑے گا تو انسان کیلئے مشکل بنے گی۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بتاؤ تم نے اس کو ذلیل کیوں کہا تھا؟ کمینہ کیوں کہا تھا؟ تو اس وقت اگر جواب نہیں دے سکیں گے تو پھر ہمیں اس کی سزا ملے گی۔

ایک نوجوان نے فحش کلامی کی۔ اس پر ایک بزرگ نے انہیں فرمایا کہ اے نوجوان ہوش کر، ذرا دیکھ کہ تو اپنے اللہ کے نام کیا خط بھیج رہا ہے۔ ہم جو اعمال کرتے ہیں، یہ ہمارا نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور روزانہ پیش ہوتا ہے تو گویا ہم جو بھی گفتگو کررہے ہیں۔ ہم یہ خط لکھ کر اللہ کے حضور پیش کررہے ہیں۔

اس لئے ایک موٹی سی بات ہے کہ جو شخص اپنے قول میں حیاء کا لحاظ نہیں رکھتا، وہ اپنے فعل میں بھی حیاء کا لحاظ نہیں رکھ پاتا۔

دل کی مثال:

یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ دل کی مثال ہنڈیا کی مانند ہے اور زبان کی مثال چمچ کی مانند ہے۔ جب چمچ ڈالا جائے ہنڈیا میں تو وہی نکلتا ہے جو ہنڈیا میں موجود ہوتا ہے۔

اسی طرح جب زبان بولتی ہے تو زبان سے وہی کچھ نکلتا ہے جو انسان کے دل میں

موجود ہوتا ہے۔

اس لئے کہا گیا کہ عورت کی زبان ایسی تلوار ہوتی ہے جو کبھی زنگ آلود نہیں ہوتی، چلتی رہتی ہے۔

بعض لوگوں کو یہ بھی دیکھا کہ وہ اپنی زبان کا بے جا استعمال کر کے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ لمبی زبان انسان کی زندگی کو چھوٹا کر دیتی ہے۔ زبان کے غلط استعمال کی وجہ سے عورت کے اوپر مصیبتیں زیادہ آتی ہیں۔

فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

.....المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده.....

مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں۔

اب یہاں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کا تذکرہ بعد میں کیا۔ زبان کا تذکرہ پہلے کیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے اگر تلوار کا وار کریں تو اس کا زخم جسم پر لگتا ہے لیکن اگر زبان سے غلط لفظ نکالیں تو اس کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے۔

تلوار کا زخم جلدی مندمل ہوتا ہے اور زبان کا زخم جلدی مندمل نہیں ہوتا۔ بلکہ جن رشتوں کو تلوار نہیں ختم کر سکتی، زبان ان رشتوں کو ایک لمحہ میں ختم کر دیتی ہے۔

تلوار کے ذریعہ جو لوگ فوت ہو چکے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اس لئے کہ وہ تو دنیا سے چلے گئے، لیکن زبان کے ذریعہ سے انسان ان کی اگر غیبت کرے تو ان کو بھی ایذاء پہنچا دیتا ہے۔

اس لئے زبان کا تذکرہ پہلے اور ہاتھ کا تذکرہ بعد میں، خاموشی ایک بہترین عبادت ہے۔ کسی نے کیا اچھی بات کہی۔ بند منہ کے اندر کبھی بھی مکھیاں نہیں پڑا کرتیں، مکھیاں منہ میں تب ہی پڑتی ہیں کہ جب انسان منہ کھولتا ہے۔ اس طرح جب انسان خاموش رہے تو اس سے کوئی گناہ

سرزد نہیں ہوتا۔ گناہ سرزد تب ہوگا جب زبان کو استعمال کرے گا۔

آج کل کثرت سے بولنے کی عادت ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا کہ بس بولتے ہی رہتے ہیں۔ دوسرے کی سنتے ہی نہیں۔ کئی دفعہ میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ بحث شروع کر دیتے ہیں۔ خاوند بیوی کی نہیں سنتا، بیوی خاوند کی نہیں سنتی۔ یہ بہت زیادہ بری عادت ہے۔

تحمل مزاجی کے ساتھ ایک دوسرے کی بات سننی چاہئے۔ یہ تو وہی والی بات ہوگئی کہ ایک بوڑھے نے کہا کہ جب میری شادی ہوئی، میں بولتا تھا اور میری بیوی سنتی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ بچے ہوگئے، بڑے ہوگئے تو پھر بیوی بولتی تھی اور میں سنتا تھا۔ پھر زندگی گزری اور ہم دونوں بوڑھے ہوگئے، پھر ہم دونوں بولتے تھے اور محلے والے سنتے تھے۔ بعض لوگوں کی ایسی عادت ہوتی ہے کہ بولتے ہیں تو ہمسائیوں کو سنا رہے ہوتے ہیں۔ شاعر نے کیا اچھی بات کہی:

کہے ایک جب سن لے انسان دو
خدا نے زبان ایک دی کان دو

اللہ نے زبان ایک کان دو دیئے:

اللہ تعالیٰ نے زبان تو ایک دی ہے اور کان دو دیئے ہیں۔ اس لئے انسان جتنا سنے، اس کے جواب میں آدھا بولے تو یہ بہتر ہے۔ مختصر بولنے کی کوشش کرے۔ آج کل یہ ٹیلی فون کا سلسلہ ایسی مصیبت بن گیا کہ نوجوان بچے اور بچیاں گھنٹوں آپس میں گفتگو کرتے ہیں اور وہ گفتگو اکثر و بیشتر گناہ کی گفتگو ہوتی ہے۔ سوچیں پھر نامہ اعمال کتنا سیاہ ہوتا ہوگا۔ جھوٹ جب انسان کی زبان سے نکلتا ہے تو ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کے منہ سے بدبو نکلتی ہے اور فرشتوں کو ایذاء پہنچتی ہے۔

اب ہر بندے کو منہ سے جھوٹ بولنے کے وقت بدبو نکلتی محسوس نہیں ہوتی۔ مگر فرشتے محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مومن سب کچھ ہوسکتا ہے۔ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا..... اور آج شیطان نے جھوٹ کی نفرت کو دل سے ختم کرنے کیلئے اس کا نام بدل دیا۔ اس کا نام بہانہ رکھوا دیا۔

چنانچہ بچی کہتی ہے کہ میں نے امی کے سامنے بہانہ بنالیا۔ بیوی کہتی ہے کہ میں نے اپنے خاوند کے سامنے بہانہ بنالیا۔

بھائی! یہ بہانہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا دوسرا نام جھوٹ ہے۔ انسان جھوٹ سے بچے، بعض لوگ اپنی غلطی کو چھپانے کیلئے جھوٹ بولتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ بھائی اگر ہم ایک جھوٹ بولیں گے تو اس جھوٹ کو چھپانے کیلئے ہمیں دس جھوٹ اور بولنے پڑیں گے اور جب دس جھوٹ بولیں گے تو یہ گیارہ ہوجائیں گے..... اور گیارہ جھوٹوں کو چھپانے کیلئے پتہ نہیں کتنے جھوٹ اور بولنے پڑیں گے۔

سچ بولنے کی ایک بہترین خوبی یہ ہے کہ انسان کو یہ یاد نہیں رکھنا پڑتا کہ میں نے کیا بولا تھا۔ اس لئے کہ سچ تو سچ ہے، جب بھی بولے گا تو وہ سچ ہی ہوگا۔

ہاں! جھوٹ بولے تو یاد رکھنا پڑتا ہے کہ اس کو کیا کہا تھا اور اس کو کیا کہا تھا۔ اس لئے جھوٹ جتنا ہی تیز دوڑے سچ جا کر اس کو ہمیشہ پکڑ لیتا ہے۔ سچ کا بول بالا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ انسان بسا اوقات جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام لکھوا دیتے ہیں۔ فرشتوں کو فرماتے ہیں کہ تم اس کا نام ہی جھوٹوں کی فہرست میں رکھوادو۔

زبان پہچان کراتی ہے:

انسان کی گفتگو کی اہمیت کے بارے میں کسی نے کیا اچھی بات لکھی ہے۔ اس نے کہا کہ بے وقوف انسان کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب بولتا ہے تو خود ہی بتا دیتا ہے کہ وہ کس قدر بے وقوف ہے۔

عقل مند میں اور بے وقوف میں تھوڑا سا فرق ہے..... کہ عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف انسان بول کر سوچتا ہے۔ اس لئے پہلے تولو پھر بولو۔ انسان کو چاہئے کہ پہلے تحمل مزاجی کے ساتھ یہ سوچے کہ مجھے یہ بات کہنی بھی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد بات کرے۔ چونکہ موقع کے مطابق اچھی بات کا کہنا سونے کی ڈلیوں کی مانند ہے۔

انسان اگر نرم جواب دے تو دوسرے بندے کا غصہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے زبان میں ہڈی نہیں بنائی کہ اے میرے بندو! تم زبان سے سخت باتیں مت کرنا۔ ایک دوسرے کے دلوں میں نفرتیں مت پیدا کرنا۔ میں زبان کو اس لئے نرم بنا رہا ہوں کہ تم نرم گفتگو کرنا اور آپس میں الفتیں، محبتیں پیدا کرتے رہنا۔

فرمان مرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے:

.....المرء تحت لسانه.....

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تم بات کرو تو پہچانے جاؤ گے۔

واقعی بات ٹھیک ہے۔ آدمی جب تک گفتگو نہ کرے تو پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ جاہل ہے یا عالم ہے۔ بات کرتے ہی اس کی پہچان ہو جاتی ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہے۔

حکماء کی حکمت کا انداز:

پہلے وقتوں میں حکیم لوگ بیماری کا اندازہ لگانے کیلئے زبان کی رنگت دیکھا کرتے تھے۔ ہاضمے کا پتہ چلتا تھا رنگت زبان سے کہ اچھا ہے یا برا۔ جیسے حکیم لوگ زبان سے جسمانی بیماری کا اندازہ لگا لیتے تھے۔ اللہ والے کسی بندے کی گفتگو سنتے ہی اس کی روحانی حالت کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔

کچھ خوش نصیب انسان ہوتے ہیں کہ جن کی زبان میں شیرینی ہوتی ہے۔ وہ بات کرتے ہیں تو دوسرے کے دل میں اتر جاتی ہے۔ دوسرے کو سمجھ آ جاتی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی ان پر خصوصی رحمت ہوتی ہے۔

چنانچہ انسان کو دنیا میں کئی نعمتیں ملتی ہیں۔ ان نعمتوں میں سے کچھ نعمتیں ایسی ہیں کہ جن کو انسان سوچے تو وہ اس کو حاصل ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر شکر کرنے والی زبان اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ آج ہم نے دیکھا کہ زبان سے شکر بہت کم لوگ ادا کرتے ہیں۔ شکوے بڑی جلدی کرتے ہیں۔

شکوے کی پٹی کھولو شکر کی باندھو:

چنانچہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا نے ایک نوجوان کو دیکھا سر کے اوپر پٹی باندھے جا رہا تھا۔ پوچھا نوجوان! تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگا سر میں بہت درد ہے..... پہلی دفعہ ہوا اور زندگی میں کبھی نہیں ہوا۔ اس لئے میں نے سر پر پٹی باندھی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ بتاؤ تمہاری عمر کتنی؟ کہنے لگا کہ میری عمر 30 سال ہے۔ رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ بیٹا تیس سال تمہارے سر میں درد نہیں ہوا۔ تم نے شکر کی پٹی کبھی نہیں باندھی، آج پہلی مرتبہ درد ہوا تو تم نے شکوے کی پٹی فوراً باندھ لی ہے۔

اب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ زندگی کے کتنے دن اور رات صحت میں گزارنے کی توفیق دیتا ہے۔ اس پر شکر ادا نہیں ہوتا۔ بیماری آتی ہے تو شکوے فوراً آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ زندگی میں کتنا وقت پیٹ بھرے رکھتا ہے۔ شکریہ ادا نہیں کرتے۔ ذرا فاقہ آتا ہے، رزق میں تھوڑی سی کمی آتی ہے تو فوراً اللہ کی شکایتیں بیان ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

الہام:

چنانچہ ایک بزرگ گزرے ہیں عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ۔ وہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں الہام فرمایا کہ عطاء! میرے بندوں کو بتادو کہ جب تمہیں رزق میں ذرا اونچ نیچ محسوس ہوتی ہے، تم دوستوں کی محفل میں بیٹھ کر میرے شکوے شروع کر دیتے ہو۔ جبکہ تمہارا نامہ اعمال گناہوں سے بھرا میرے پاس آتا ہے، میں فرشتوں کی محفل میں تمہارے شکوے تو نہیں کیا کرتا۔

زبان سے جب ہم دوسروں کو بتا رہے ہوتے ہیں۔ عورت بتاتی ہے کہ میرا خاوند اچھا نہیں، میری تو ساس اچھی نہیں، میری تو نند اچھی نہیں۔ وہ حقیقت میں شکوے کر رہی ہوتی ہے۔ مجھے تو یہ نہیں ملا۔ مجھے اولاد نہیں ملی۔ میرا رزق نہیں کھل رہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے شکوے ہوتے ہیں۔ لوگوں کے سامنے کیوں بیان کرتی ہیں؟ اگر کرنے ہوں تو اللہ رب العزت کے سامنے بیان کئے جائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مہربانی کا معاملہ فرمادیں۔

اس لئے پڑھنے والی بچیوں کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ زبان کا صحیح استعمال کس کو کہتے ہیں اور اس سے انسان کو کیا فائدے ہوتے ہیں۔ جب کوئی آپ کے ساتھ بری گفتگو کرے تو آپ کو چاہئے کہ آپ اس کو جواب مت دیں۔ اس لئے کہ جس کے پاس چند لفظ برے ہیں۔ اگر آپ اس کے ساتھ سخت گفتگو کریں گی تو وہ اور برے الفاظ بھی آپ کے سامنے کہنے لگ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی چھ چیزوں سے نفرت:

اللہ تعالیٰ کو چھ چیزوں سے نفرت ہے۔ اونچی آنکھوں سے، جو ہر وقت دوسروں کے چہروں پر پڑتی رہتی ہیں..... یا تو شہوت کے ساتھ یا پھر نفرت کے ساتھ۔ نفرت سے پڑتی ہیں تو دوسروں کے عیب ٹٹولتی ہیں اور شہوت کے ساتھ پڑتی ہیں تو انسان کے دل میں گناہ کے خیالات آتے ہیں۔ اس لئے مومن کو نظریں جھکا کر چلنے کا حکم ملا۔

دوسری چیز جھوٹی زبان۔ اس سے بھی اللہ رب العزت کو بہت نفرت ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ بہت ناپسند فرماتے ہیں۔

تیسرا فرمایا برے منصوبے باندھنے والا دل۔ ایسا دل کہ جس میں ہر وقت پلاننگ چل رہی ہو کہ میں ایسے کرلوں۔ میں ایسے کرلوں۔ میں اس طرح خواہش کو پورا کرلوں۔ میں اس طرح اپنی چاہتوں کو پورا کرلوں۔ یہ برے منصوبے باندھنے والا دل اللہ کو بہت ناپسند ہے۔

برائی کی طرف لے کر چلنے والے پاؤں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

فرمایا بے گناہ انسان کو دکھ پہنچانے والے ہاتھ، ایسے ہاتھ کہ جو دوسرے کو دکھ پہنچائیں۔

فرمایا دو مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور فاصلہ ڈالنے والا انسان۔ اب جو میاں بیوی کے درمیان فاصلے ڈالتا ہے تو یہ اللہ کے نزدیک جرم ہے۔ کئی مرتبہ ہم نے دیکھا کہ ساس اپنے بیٹے سے ایسی گفتگو کرتی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جدائیاں ہو جاتی ہیں۔ نند اپنے بھائی سے ایسی گفتگو کرتی ہے کہ بھابھی اور بھائی کے درمیان جدائیاں ہو جاتی ہیں۔ بیوی خاوند سے ایسی گفتگو کرتی ہے کہ دو بھائیوں کے درمیان جدائیاں ہو جاتی ہیں۔

موٹی سی بات سمجھ لیں کہ دو مسلمانوں کو جدا کرنے والا انسان اللہ رب العزت کو بہت

ناپسند ہے۔ اکثر یہ کام زبان سے ہوتا ہے۔ زبان کا صحیح استعمال ہو تو بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

یہ حق دوست ادا کریں گے:

جو شخص زبان سے ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد بھی فرماتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی زبان سے بڑے عاجز بنتے ہیں۔ اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ میں تو بہت ہی برا ہوں۔ میں تو بہت ہی ایسا ہوں۔

اس پر کسی نے کہا کہ اپنی توہین اپنی زبان سے نہ کرو۔ اس موضوع پر بولنے کا حق آپ کے دوست ادا کریں گے۔ لوگ تھوڑے ہیں بات کرنے والے کہ تم کیسے ہو اور کیسے نہیں۔ اس لئے محفل میں اپنے بارے میں یوں کہنا کہ میں تو بس ٹھیک نہیں، میں تو بہت فلاں ہوں۔ یہ تنہائی میں بیٹھ کر کہیں اور اپنے آپ کو سمجھائیں۔ لوگوں کی محفل میں ایسی بات کرنا حقیقت میں اپنے آپ کو ظاہر کرنا ہوتا ہے..... اعرفونی ..... مجھے پہچانو کہ میں کیا ہوں؟ یہ کام تو جب انسان محفل سے اٹھ کر جاتا ہے تو بعد والے لوگ خود ہی ادا کر دیتے ہیں۔

دو باتیں:

اس لئے عالم کے سامنے زبان کو سنبھال کر رکھو۔ حاکم کے سامنے اپنی آنکھ کو سنبھال کر رکھو، اور اہل اللہ کے سامنے اپنے دل کو سنبھال کر رکھو۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی زبان کے ٹھیک استعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سچ کی طاقت:

ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جب لوگ سچ بولتے ہیں۔ اللہ ان کا وکیل، اللہ ان کا سرپرست، اللہ ان کا مددگار بن جاتا ہے۔ وہ ان کے کاموں کو خود ہی سنوار دیتا ہے۔

چنانچہ ایک گاؤں ہے انڈیا میں کاندھلہ۔ اس میں ایک زمین کا ٹکڑا تھا، جس پر جھگڑا ہوا ایک مسلمان کا اور ایک ہندو کا۔ مسلمان کہتا تھا کہ یہ میری زمین ہے، ہندو کہتا تھا کہ یہ میری زمین

ہے۔اب جھگڑا تو تھا دو شخصوں کا لیکن مسلمان نے Smartness دکھائی اور اس نے یہ اعلان کر دیا کہ یہ ٹکڑا زمین مجھے ملا تو میں اس پر مسجد بناؤں گا۔اس کے جواب میں ہندو نے بھی یہ کہہ دیا کہ اگر یہ زمین مجھے ملی تو میں اس پر مندر بناؤں گا۔دو بندوں کا جھگڑا اب پورے شہر کا جھگڑا بن گیا۔اتنا حساس مسئلہ تھا کہ قریب تھا کہ ایک دوسرے کا خون بہہ جاتا،لوگ ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تل جاتے۔

چنانچہ مقدمہ ہو گیا انگریز کی عدالت میں،انگریز بھی سمجھتا تھا کہ اس کا حل گفت وشنید سے نکالنا چاہئے۔چنانچہ اس نے دونوں پارٹیوں سے پوچھا کہ بھائی کوئی ایسا طریقہ ہے کہ اس مسئلہ کو ہم گفتگو سے حل کر لیں۔اس پر ہندوؤں نے کہا ہاں!اک مسلمان ہے،عالم ہے،ہم آپ کو ان کا نام بتاتے ہیں۔آپ ان کو بلا کر پوچھ لیں۔اگر وہ کہیں کہ زمین ہندوؤں کی ہے تو ہمیں دے دیں۔اگر کہیں کہ مسلمانوں کی ہے تو مسلمانوں کو دے دیں۔

چنانچہ انگریز نے اگلی تاریخ ڈال دی۔اب لوگ اس مقدمہ کی پیروی کے بعد باہر نکلے عدالت سے اور لوگوں کو پتہ چلا کہ ہندوؤں نے کسی مسلمان کو حاکم بنالیا تو ان ہندوؤں نے ان لوگوں کو بہت برا بھلا کہا،تم نے تو جیتی بازی ہار دی۔مسلمان کو چنا،مسلمان تو مسجد بنانے کی بات کرے گا۔تم نے تو ہماری نیا ہی ڈبو دی.....اور مسلمان بڑے خوش کہ جو بھی شخص ہوگا،آخر مسلمان تو ہوگا۔وہ مندر کے بجائے مسجد بنانے کی بات کرے گا۔

چنانچہ جب اگلی تاریخ آئی تو عدالت میں بہت زیادہ مجمع تھا۔ہندو بھی تھے،مسلمان بھی تھے۔ایک بزرگ تھے جن کا نام تھا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ان کے بارے میں ہندوؤں نے کہا تھا کہ ان کو بلا کر پوچھیں۔

چنانچہ جج نے ان کو بلایا اور بلا کر پوچھا کہ بتاؤ یہ زمین کس کی ہے؟انہوں نے فرمایا کہ یہ زمین ہندو کی ہے۔جج نے پوچھا کہ کیا ہندو اس پر اپنا مندر بنا سکتے ہیں۔مفتی صاحب نے فرمایا کہ جب زمین ان کی ہے تو اختیار بھی انہی کا ہے۔چاہے مندر بنائیں یا کچھ اور بنائیں۔اس پر مسلمانوں کے دل بہت خفا ہوئے کہ یہ عالم ہو کر،مفتی ہو کر کیا اس نے بات کر دی۔

مگر اس پر انگریز نے تاریخی فیصلہ لکھا۔اس نے پڑھ کر سنایا کہ دیکھو لوگو!آج کے دن

مسلمان مقدمہ تو ہار گئے مگر اسلام مقدمہ جیت گیا۔ پھر اس کے بعد اس نے اپنا فیصلہ دیا کہ یہ زمین ہندو کو دے رہا ہوں۔ جب اس نے ہندو کو دی تو پھر ہندوؤں میں سے وہ شخص جس نے کہا تھا کہ میں مندر بناؤں گا وہ آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ جج صاحب! آپ نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اب میرا فیصلہ بھی سن لیجئے کہ اگر اسلام نے سچ کی ایسی تعلیم دی ہے تو میں آج کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہوں اور اس جگہ پر مسجد بنانے کا اعلان بھی کرتا ہوں۔

قول وفعل میں تضاد نہ ہو:

سچ جب انسان بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے زبان سے جو انسان کہے اسی پر اس کا عمل ہو، قول اور فعل کا تضاد نہ ہو۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔

دو چار نہیں، دس بیس نہیں
تم ایک ہی دکھلا دو ایسا کہ جو
اندر سے بھی باہر کی طرح ہو

فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ قرب قیامت میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جن کے لباس بھیڑوں کی کھال سے، ریشم سے زیادہ نرم ہوں گے۔ ان کی زبان شہد سے زیادہ میٹھی، مگر ان کے دل بھیڑیئے کی مانند ہونگے۔

اللہ تعالیٰ اگر ہمیں نرم زبان عطا فرمائے تو اللہ تعالیٰ سے نیک دل بھی مانگنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا دل عطا فرمادیں۔ بہر حال جب تک انسان سچ بولنے کی عادت نہ ڈالے اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے ساتھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور ہماری زندگی میں ہمیں سچ پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ہندی کا ایک شعر ہے، لیکن ہے موقع کے مناسب، کہنے والے نے کہا کہ:

رام رام جپ دیاں میری جیا گس گئی

کہ رام رام پکارتے میری زبان گس گئی۔

رام رام جپ دیاں میری جیبا گس گئی
رام نہ دل وچ وسیاں اک ہی ڈھار پئی

کہ اتنا رام رام کرنے سے میرے دل میں رام نہ بسیا، یہ کیا مصیبت بنی۔

گل وچ مالا کاٹ دی تے منکے لے پرو
دل وچ گھنڈی پاپ دی رام چیاں کی ہو

جب دل میں ہی پاپ کی گھنڈی ہوگی تو پھر رام جپنے سے کیا ہوگا۔

آج ہم اوپر سے لا الٰہ اور اندر سے کالی بلا..... جب تک ہم اپنے طور طریقے کو نہیں بدلیں گے، اپنی زبان کا استعمال، جسم کے دوسرے اعضاء کا صحیح استعمال نہیں کریں گے، اس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ کے مقرب نہیں بن سکتے۔

اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین) جو پڑھنے والی طالبات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سچ کی زندگی عطا فرمائے، جھوٹ سے محفوظ فرمائے۔ اللہ رب العزت پڑھانے والی معلمات کی محنت کو بھی قبول فرمائے اور جو مختلف جگہوں سے مرد آئے ہیں یا عورتیں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی نیک مرادوں کو پورا فرمائے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

نیکی اور بدی

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (سورۃ التین:۴)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

تمہید:

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ ہر انسان کو اللہ نے خوبیوں سے نوازا ہے۔

انسان صفات کا مجموعہ ہے:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

.....الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ.....

جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، انسانوں کی مثال بھی ان کانوں کی مانند ہوتی ہے۔ کسی سے سونا نکلتا ہے، کسی سے چاندی، کسی سے تانبا، کسی سے لوہا.....اسی طرح ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے مختلف صفات رکھی ہیں۔ حتّٰی کہ برے سے برے انسان کی شخصیت پر غور کریں تو کچھ نہ کچھ خوبیاں اس میں بھی مل جائیں گی۔ انسان خیر اور شر کا مجموعہ ہے۔ سراپا خیر فرشتے ہیں۔ جو سراپا شر ہیں وہ شیطان ہے۔ جو خیر اور شیر کا مجموعہ ہے وہ حضرت انسان ہے۔

مگر دستور یہ ہے کہ جس بندے پر خیر غالب ہو وہ اچھا انسان ہے اور جس پر شر غالب ہو

وہ برا انسان ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ماحول اور معاشرے کے اندر خیر کے ضامن بن کر زندگی گزاریں، اللہ کے بندوں کے لئے راحت جان بن کر رہیں۔ اگر شر غالب ہوا تو وبال جان بن کر رہیں گے، یہ چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

دنیا کے برے سے برے انسان کو بھی نیک مجلس میں لائیں تو اس کے نیک بننے کے چانسز موجود ہوتے ہیں اور نیک سے نیک انسان کو برے ماحول میں لے جائیں تو اس کے پھسلنے کے چانسز موجود ہوتے ہیں۔

انسان اگر اپنے گرد اچھا ماحول بنالے، نیک دوست بنالے تو آہستہ آہستہ اس کے اندر نیکی اور خیر بڑھتی جاتی ہے۔ ہم لوگ جو اس دنیا میں آئے تو ہمارے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے نہ اس کے پاس لباس اپنا، نہ مکان اپنا، نہ کھانا اپنا، منہ میں دانت نہیں، عقل پختہ نہیں، اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔

وہ ضرورت کیسے پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بچے کو ایک نعمت دیتے ہیں جس کو رونا کہتے ہیں۔ بچے کو سردی لگی وہ رو پڑا۔ ماں باپ نے بستر کا انتظام کر دیا۔ بچے کو بیماری ہوئی وہ رو پڑا، ماں باپ نے دوائی کا انتظام کر دیا۔ بچے کو بھوک لگی رو پڑا۔ دودھ کا انتظام ہو گیا۔ بچے کی جتنی بھی ضروریات ہیں۔ وہ رونے سے پوری ہوتی ہیں۔

یہاں سے کسی عارف نے نکتہ نکالا کہ اے انسان! جب تو رونا جانتا تھا اللہ تعالیٰ تیرے سب کاموں کو سنوار دیتے تھے۔ تو نے رونے کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے کاموں کو اٹکا دیا۔

انسانی زندگی پر غور کرو:

انسان کی زندگی پر غور کریں۔ اللہ رب العزت اس دنیا میں آنے کے بعد انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ اپنی نعمتیں آہستہ آہستہ اس پر کامل کرتے ہیں۔ کچھ وہ نعمتیں ہیں کہ جو یہ پیدا ہوتے ہی لے کر آیا اور پھر کچھ اس دنیا میں آ کر کامل بنتی ہیں۔

مثال کے طور پر شروع میں یہ چھوٹا ہے۔ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اٹھ کر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمت طاقت دیتے ہیں۔ کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا۔ پھر چلنا سیکھ

لیتا ہے۔ پھر دوڑنے کے قابل ہو گیا۔ شروع میں بول نہیں سکتا۔ آہستہ آہستہ چند لفظ سیکھتے سیکھتے پھر بولنا بھی شروع کر دیتا ہے۔ پھر اس کے پاس علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ پھر اس کو لڑکپن کی عمر میں علم عطا کرتے ہیں۔ علم سیکھتے سیکھتے جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔

اب اس عمر میں اس کے پاس زندگی کا ساتھی نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو نکاح کے ذریعہ بیوی عطا فرما دیتے ہیں اور مدد مل جاتی ہے۔ پھر اس کیلئے رزق حلال کا بندوبست ہوتا ہے۔

گھر ملا، اپنی زندگی شروع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں آہستہ آہستہ اس پر کامل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جب پیدا ہوا تھا تو اسے پوچھتا کوئی نہیں تھا۔

جوانی میں اللہ نے ایسی عزت سے نوازا کہ پورے ملک میں اس کے نام کو لوگ پہچانتے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے۔

اب ایسا ذہین کہ لوگوں کے جھگڑوں کے بہترین فیصلے کرتا ہے۔ اب اس کا کاروبار ایسا شروع کیا کہ سینکڑوں لوگ اس کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور ان کی زندگی کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ کتنی فیملیز کیلئے سپورٹ کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ نعمتیں اسے مل رہی ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک نعمت اللہ تعالیٰ اسے دیتے جاتے ہیں۔

نعمتوں کا مقصد:

مگر ان نعمتوں کو دینے کا کوئی مقصد تو ہے نا؟ یہ نعمتیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیں، ہمارا اپنا اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ غور کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بینائی نہ دیتے	.....	ہم اندھے ہوتے
گویائی نہ دیتے	.....	ہم گونگے ہوتے
سر پر بال نہ دیتے	.....	ہم گنجے ہوتے
صحت نہ دیتے تو	.....	بیمار ہوتے
کھانا نہ دیتے تو	.....	ہم بھوکے ہوتے
پینے کو پانی نہ دیتے تو	.....	ہم پیاسے ہوتے

اگر اللہ تعالیٰ اولاد نہ دیتے تو ..... لاولد ہوتے

اگر اللہ تعالیٰ گھر نہ دیتے ..... بے گھر ہوتے

اگر اللہ تعالیٰ علم نہ دیتے ..... ہم جاہل ہوتے

اگر اللہ تعالیٰ مال نہ دیتے تو ..... ہم بھکاری ہوتے

اگر اللہ تعالیٰ عقل نہ دیتے تو ..... ہم پاگل ہوتے

اگر اللہ تعالیٰ عزت نہ دیتے تو ..... ذلیل ہوتے

یہ جو عزتوں بھری زندگی دنیا میں گزار رہے ہیں۔ یہ سب اس مولیٰ کا کرم اور احسان ہے۔ یہ سب اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔

یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کیوں دیں، کہ میرے بندے ان نعمتوں کو میرے حکم کے مطابق استعمال کرو:

.....اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ .....

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم فرماتا ہے

.....اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا .....

کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو۔

چنانچہ یہ امانتیں ہیں جو کچھ ملا۔ ان کو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان امانتوں کو اور بڑھائیں گے اور اگر غلط استعمال کریں گے، اللہ تعالیٰ امانتیں واپس لے لیں گے۔

مثال سے وضاحت:

آپ نے اگر کسی بندے کو کرائے پر مکان دیا ہو تو آپ کے بھی مطالبات ہوتے ہیں۔ وہ میرے گھر کو صاف رکھے، مین ٹین رکھے، اس کا فلاں سسٹم بھی ٹھیک ہو، بجلی کا سلسلہ بھی ٹھیک ہو اور اگر وہ بندہ کیئر نہ کرے اور جو آپ نے گارڈن بنایا تھا اس کے پودوں کو پانی بھی نہ دے، مکان کو گندا کرنا شروع کر دے تو آپ چھ مہینے کے بعد نوٹس دیتے ہیں کہ آپ گھر کو خالی کر دو۔ آپ

اس قابل ہی نہیں کہ اتنے اچھے مین ٹین گھر کے اندر زندگی گزار سکو۔ آپ اس کرائے دار کو نکال دیتے ہیں۔

کیوں؟ ہماری چیز، ہم نے استعمال کیلئے دی اور اس نے ٹھیک استعمال نہ کی تو ہم واپس لے لیتے ہیں۔ یہی معاملہ اللہ رب العزت کا ہے۔

اوقات یاد رکھو:

وہ بھی ہر بندے کو دنیا میں نعمتیں دیتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ نعمتیں کامل ہو جاتی ہیں۔ جب 30 ,35 سال کی عمر ہوتی ہے تو انسان کے اوپر بھرپور جوانی ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا میں اس کے پاس کاروبار بھی ہے۔ مال بھی ہے۔ جمال بھی ہے۔ اولاد بھی ہے۔ تجربہ بھی ہے۔ اس وقت بندے کے پاس نعمتوں کا عروج ہوتا ہے۔ پھر اس وقت کئی مرتبہ بندہ اپنی اوقات کو بھول جاتا ہے۔ اس کو اوقات یاد نہیں رہتی۔

پھر ذرا سی بات پر دوسرے کو کہتا ہے کہ تو مجھے نہیں جانتا میں کون ہوں، اب ''میں'' آ گئی۔ بات ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ میں تو وہ کروں گا جو میری مرضی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے تو وہ کر جو میری مرضی ہے۔

اس لئے کہ یہ تو کرائے کی گاڑی ہے۔ تمہیں سٹیئرنگ پر بٹھا دیا۔ اب تم تھوڑی دیر ڈرائیونگ کرنے کے بعد واپس کر دو گے۔

یہ ہماری زندگی کی چھ فٹ کی گاڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا ڈرائیور بنا دیا۔ اب ہم اسے چلاتے پھرتے ہیں۔ کبھی جاگتی ہے، کبھی سوتی ہے۔ کبھی کھانا کھاتے ہیں، کبھی دوستوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے ہیں۔ یہ ہم اس گاڑی کو استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس گاڑی کو میری منشی کے مطابق استعمال کرو تو تمہیں اس پر اجر ملے گا اور اگر میرے حکم کے خلاف استعمال کرو تو پھر تم نا اہل ہو، اس گاڑی کے مالک بننے کے تم قابل ہی نہیں۔

چنانچہ اس کو میں ایک مثال سے عرض کر دیتا ہوں تا کہ بات آگے بڑھے۔

سوچ کا امتحان:

ایک باپ بڑا امیر ہے۔ اربوں پتی ہے۔ اس کا بیٹا پڑھ لکھ کر تیار ہو جاتا ہے۔ باپ کہتا ہے کہ دیکھو میں تمہیں چھوٹا سا کاروبار کر کے دوں گا۔ تم اسے خود مختار چلاؤ، اگر تم نے اس چھوٹے سے کاروبار کو، 25, 30 لاکھ کے کاروبار کو اچھا چلا لیا اور ثابت کر دیا کہ تمہارے اندر اہلیت بھی ہے اور جو میں نے ہدایات دی تھیں تم نے اس کے مطابق اس کو چلایا ، اس کو اپنی خصوصی توجہ کے ساتھ چلایا۔ تو بیٹے! یہ جتنا کاروبار ہے، میں سب تیرے حوالے کر دوں گا۔ تو کوشش کرے گا۔ اگر 20, 25 لاکھ کا کاروبار نہ سنبھال سکا اور اس میں بھی تو نے من مرضی کی اور کمپنی کو نقصان میں لے گیا تو تُو اس قابل نہیں کہ میں تجھے پوری کمپنی کا مالک بناؤں۔ میں یہ بھی تجھ سے واپس لے لوں گا۔ یہ مثال اگر سمجھ میں آ گئی تو پوری زندگی کی مثال سمجھنی آسان ہے۔

نعمتوں کی تکمیل:

اللہ تعالیٰ دنیا میں یہ نعمتیں دیتے ہیں۔ لیکن ایک وقت آتا ہے کہ یہ نعمتیں واپس لینا شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے نظر کمزور ہونا شروع ہوگئی، چنانچہ 40 سال کے بعد دور کی نظر اکثر لوگوں کی کمزور ہو جاتی ہے۔ جو ریڈنگ کا کام زیادہ کرتے ہیں انہیں ریڈنگ Glasses لگانے پڑتے ہیں۔ اب یہ نعمت آہستہ آہستہ واپس جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ لے رہے ہیں عمر کے ساتھ ساتھ، پہلے دانت صحیح تھے۔ ہڈی توڑتا ہے۔ اب ایک دانت کے اندر کمزوری ہوئی۔ ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے۔ ایک دانت نکلا، پھر دوسرا نکلا، عمر کے ساتھ کئی دانت ہی نکل جاتے ہیں۔ ان کو دوبارہ لگوانا پڑتا ہے۔ یہ نعمت واپس جا رہی ہے۔

جوانی تھی، سارے بال کالے تھے۔ پھر ایک بال سفید ہوا، دوسرا سفید ہوا، اب بڑھاپا آ رہا ہے حتیٰ کہ سارے بال ہی سفید ہو جاتے ہیں۔

جوانی میں یہ دوڑتا تھا۔ بھاگتا تھا۔ کھیلتا تھا۔ تھکنا جانتا نہیں تھا۔ اب حالت یہ ہوگئی کہ بیٹھا، اٹھ کر کھڑا ہو تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آتا ہے۔ تھوڑی دور چلتا ہے تو کمر کی درد شروع

ہوگئی۔ سیڑھیاں چڑھ جائے تو اس کو سانس کی تکلیف ہو جاتی ہے۔

یہ نعمتیں آہستہ آہستہ واپس جارہی ہیں۔ پہلے لکڑ ہضم، پتھر ہضم، جو کھاتا تھا سب ٹھیک، اب میں فلاں چیز کھاتا ہوں، پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ نعمت واپس جارہی ہے۔

پہلے ایک دفعہ بات سن لیتا تھا۔ سمجھ آتی تھی۔ اب یاد کی ہوئی باتیں بھولنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ نعمت واپس جارہی ہے۔

آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ بندے کو زندگی میں نعمتیں دیتے ہیں اور نکتہ کمال تک پہنچاتے ہیں اور کچھ عرصہ جوانی کا کامل نعمتوں میں انسان زندگی گزارتا ہے۔ زندگی کے پرائم وقت گزارتا ہے، اس کا ایسا وقت ہوتا ہے۔ پھر یہ اس کا امتحان ہے، اب اس میں Play کیسے کر رہا ہے۔ یہ گیم کیا کر رہا ہے۔ اب مرضی کی یا ہمارے حکم کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ ہم نے پاؤں دیئے تھے چل کر مسجد اللہ کے گھر میں نماز پڑھنے کیلئے جائے، یہ تو کلب کی طرف جارہا ہے۔ اس نے پاؤں کا استعمال ٹھیک نہیں کیا۔ ہم نے تو آنکھ دی تھی کہ اس سے یہ اللہ کے قرآن کو پڑھے، ہمارے گھر کو محبت سے دیکھے۔ ماں باپ کے چہرے پر عقیدت کی نظر ڈالے، لیکن اس نے آنکھ کا غلط استعمال کیا، غیر محرم کو دیکھتا پھرتا ہے۔ یہ تو جمال کا عاشق بن گیا اور جمال عطا کرنے والے کے حکم کو بھول گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت کا غلط استعمال کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں:

کچھ عرصہ اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتے ہیں۔ آزمانے کے بعد پھر ان نعمتوں کو واپس لیتے ہیں۔ حتّٰی کہ جب موت آتی ہے تو یہ تمام نعمتیں بندے سے کامل طور پر چھن جاتی ہیں۔ واپس لے لی جاتی ہیں۔

اب یہ بندہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے بتا میرے بندے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ اب اس کو جواب دینا پڑے گا۔ اس کیلئے چار سوال ہوں گے۔

زندگی کیسے گزاری؟

جوانی کیسے گزاری؟

کدھر سے کمایا کدھر استعمال کیا؟

اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟

ان چار سوالوں سے پتہ چل جائے گا کہ اس نے اپنی لائف کیسے گزاری ہے؟

اگر ثابت ہو گیا قیامت کے دن کہ یہ نیکی پر زندگی گزارنے والا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں بھیجیں گے اور تمام نعمتوں کو پہلے سے زیادہ کامل فرمادیں گے۔

اگر ثابت ہو گیا کہ اس نے نعمتوں کا غلط استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں بھیجیں گے اور اپنی نعمتیں اس سے ہمیشہ کیلئے واپس لے لیں گے۔

نیکی اور گناہ کے اثرات ہوتے ہیں:

ذرا غور کیجئے کہ یہ کیسے معاملہ ہے؟ چنانچہ وہ بندہ جو دنیا میں نیکی کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر دنیا میں بھی نیکی کا نور تھا۔ شگفتگی تھی۔ موت کے بعد جب اس کا حساب ہوا، پتہ چلا کہ نیک تھا متقی تھا۔ جتنی دنیا میں اس نے نیکی کی ہوگی، اللہ تعالیٰ اتنا نور اس کے چہرے پر سجادیں گے۔

چنانچہ اس دن اس کا چہرہ..... یوم تبیض وجوہ..... منور چہرہ ہوگا، چمکتا چہرہ ہوگا، ایسا اللہ تعالیٰ چہرہ عطا فرمادیں گے۔

اگر اس نے دنیا میں گناہ کئے تو جتنی گناہوں کی ظلمت ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے پر لیپ کردیں گے۔ چنانچہ فرمایا..... وتسود وجوہ..... ایسے بھی لوگ ہوں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے بالکل کالے کردیئے جائیں گے۔ وہ چہرے کی رعنائی سے محروم کردیا گیا۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم اس حسین چہرے کے ساتھ رہو۔ تم چہرے بنا کے کسی غیر کو دکھانے کے لئے تیار ہو کر جاتے تھے۔ تم اس قابل نہیں۔ لہٰذا جہنم میں کالے چہرے کے ساتھ ڈالے جائیں گے..... وھم فیھا کالحون..... قرآن مجید گواہی دے رہا ہے کہ جہنمی جہنم میں جائیں گے، چہرے سیاہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بینائی عطا فرمائی۔ اگر اس نے قیامت کے دن ثابت کردیا۔ اے اللہ میں

نے اس بینائی کو تیرے حکم کے مطابق استعمال کیا، میں نظریں جھکا کر چلتا تھا۔ میں غیر محرم سے نظریں بچاتا تھا۔ میں تیرے قرآن کو محبت کی نظر سے دیکھ کر پڑھتا تھا۔ اب یہ اس قابل ہے کہ اللہ اس کی نظر کو پہلے سے زیادہ کامل کر دیں۔

چنانچہ جنت میں اللہ تعالیٰ بھیجیں گے اور آس کو ایسی نظر عطا فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ یہ اپنے اللہ کا دیدار کر سکے گا۔ کیا جنتیوں کو نگاہ ملے گی جو اللہ کا دیدار کرے گی۔ یہ کامل نظر اسے مل گئی ہے۔

اگر اس نے دنیا میں اپنی نظر کو غلط استعمال کیا اور قیامت کے دن پتہ چل گیا کہ اس نے اس نعمت کو صحیح استعمال نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو واپس نہیں لوٹائیں گے۔ موت کے وقت لیں گے اور قیامت کے دن اندھا کھڑا کریں گے اور جہنم میں بھی اندھا ڈالیں گے۔

قرآن عظیم الشان اس پر گواہی دے رہا ہے:

..... مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا .....

جو دنیا میں اندھا بن کر رہے گا، ہمارے احکام سے غفلت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کو اندھا کھڑا کریں گے:

.....قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى .....

پوچھے گا۔ اللہ! مجھے اندھا کھڑا کیوں کیا؟

.....وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا .....

میں دنیا میں تو آنکھوں والا تھا:

.....قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى .....

فرمائیں گے کہ دنیا میں تمہارے پاس ہماری آیتیں آئیں تھیں، تو نے ان کو بھلا دیا۔ اس کے بدلے ہم نے آج تجھے بھلا دیا۔

چنانچہ جہنم میں جہنمی کی بینائی نہیں ہوگی، روشنی نہیں ہوگی، اندھا ہوگا۔ دنیا کے اندر اللہ رب العزت نے اسے زبان عطا کی۔ زبان دی کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھو، دین کی دعوت دو، خیر کی طرف لوگوں کو بلاؤ، لیکن یہ زبان سے غیبت کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، بہتان لگاتا ہے۔ لوگوں کو

تکلیف پہنچاتا ہے۔ دل آزاری کرتا ہے۔

قیامت کے دن اس بندے کو کھڑا کیا جائے گا۔ اگر اس نے زبان کا استعمال ٹھیک کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ایسی زبان عطا کریں گے کہ یہ جنت میں جائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہم کلامی کرے گا۔

اگر غلط استعمال کیا تو پھر جہنم میں بھیجیں گے اور جہنم میں اس آدمی کو گونگا بنا کر ڈالیں گے۔ قرآن اس پر گواہی دے رہا ہے کہ جہنمی کو گونگا بنا دیا جائے گا۔ بات ہی نہیں کر سکے گا۔

اگر اس بندے نے دنیا کے اندر لباس شریعت کے مطابق پہنا، سنت کے مطابق پہنا اور قیامت کے دن ثابت ہو گیا کہ بھائی لباس اس کا شریعت کے مطابق تھا۔

اب اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں بھیجیں گے..... وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ..... اور اس بندے کو ریشم کا لباس عطا فرمائیں گے..... اور اگر پتہ چلا کہ نہیں اس کو غیروں کی طرز اپنانے میں شوق تھا، محبت تھی۔ یہ تو کفار سے مشابہت کرتا تھا۔ اللہ رب العزت قیامت کے دن اس لباس کی نعمت اس سے واپس لیں گے اور کیسا لباس پہنائیں گے..... سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ..... اللہ تعالیٰ گندھک کا لباس پہنائیں گے۔ کیسا ہوگا؟

فقہاء نے لکھا ہے کہ ساری دنیا کے انسان، حیوان، درند، پرند، اگر ایک جگہ پر جمع ہوں اور مر جائیں اور سب کی لاشیں گل سڑ جائیں، اتنی بدبو وہاں نہیں ہوگی جتنی بدبو جہنمی کے کپڑوں میں ہوگی۔ ایسے بدبودار کپڑے پہنا دیئے جائیں گے۔ دم گھٹے گا۔

پھر سوچیں گے کہ دنیا میں Pionson لگایا کرتے تھے۔ خوشبو کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا تھا۔ روم فریشر لگاتے تھے۔ اب ایسے کپڑے پہنا دیئے جائیں گے۔ کیوں؟ کہ تو نے چھوٹی سی نعمت دی تھی، تم نے اس کو غلط استعمال کیا۔ تو اس قابل ہی نہیں کہ تجھے زیادہ نعمت دیں، ہم تجھ سے وہ بھی واپس لے لیں گے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھانے کی صلاحیت دی۔ اگر یہ حلال کھاتا ہے، حرام سے بچتا ہے اور قیامت کے دن ثابت ہو گیا کہ یہ بندہ حلال کھاتا تھا تو اللہ رب العزت اس کو جنت میں بھیجیں گے اور اس کی کھانے کی صلاحیت اتنی بڑھا دیں گے کہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے فرشتے

دسترخوان لگائیں گے اور ان میں سے یہ مزے لینے کی وجہ سے کھائے گا۔ پیٹ بھرے گا، ڈکار آئے گا اور اسے پھر بھوک لگے گی اور پھر انسان کھانا شروع کر دے گا۔ ایسی کھانے کی صلاحیت کہ انسان کھاتا ہی رہے گا اور مزے لیتا رہے گا۔ بھوک کی وجہ سے نہیں کھائے گا۔ جنت میں لطف لینے کیلئے، Enjoy لینے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنتیوں کے دسترخوان کی تقسیم بیان کی:

وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝
وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝

مختلف قسم کے مشروبات، میوے، بھنے ہوئے گوشت، اس جنتی کو ملیں گے اور یہ بیٹھ کر کھائے گا اور مزے اڑائے گا، کیوں؟ دنیا میں حلال کھایا، اب اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس کو بڑھا کر عطا کر دی..... اور اگر پتہ چلا کہ جناب دنیا میں حلال حرام کی تمیز بھی نہیں تھی۔ اپنے پیٹ کو بھرتا رہا، جیسے ردی کی ٹوکری ہوتی ہے جو آئے ڈالتے جاؤ۔ بعض لوگوں کا پیٹ بھی ردی کی ٹوکری کی طرح ہوتا ہے جو آتا ہے، آتا رہے۔

اگر نعمت کا صحیح استعمال نہ کیا تو:

اگر یہ ثابت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے وہ نعمت واپس لیں گے اور جہنم میں اس کو پھر صحیح کھانا نہیں ملے گا۔ کیسا ملے گا؟ قرآن سے پوچھئے، جواب ملے گا کہ:

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي
الْبُطُونِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ۝

زقوم ایک پودا ہوتا ہے، جس کے اوپر کانٹے ہوتے ہیں اور وہ کڑوا بھی ہوتا ہے، وہ زقوم کا پودا کھانے کیلئے دیا جائے گا۔ یہ بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کو کھائے گا۔ کانٹے چبھیں گے، نہ نگلتے بنے گی، نہ اگلتے بنے گی۔ پریشان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے پگھلا ہوا تانبا اندر ڈال دیا جائے اس طرح اس کے پیٹ میں جا کر عمل کرے گا، یہ کھانے کو ملے گا۔ دنیا میں اگر اس نے حلال مشروبات پیئے تو اللہ تعالیٰ اس

کو جنت کے اندر شراب طہور پلائیں گے۔ خود پلائیں گے:

..... وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا.....

کئی مہمان ہوتے ہیں، تو آتے ہی انسان اپنے خادم کو کہہ دیتا ہے، نوکر کو کہہ دیتا ہے کہ ان کو پانی پلاؤ، خادم ان کو پانی پلاتے ہیں..... اور کچھ ایسے مہمان ہوتے ہیں کہ انسان ان کو اپنے ہاتھوں سے پیش کرتا ہے۔

جنت میں بھی ایسے ہی ہوگا کہ کچھ جنتی ہونگے ان کو جنت کے فرشتے یا..... ولدان..... وہ ان کو پانی پلائیں گے اور کچھ ایسے ہوں گے کہ اللہ کے چاہنے والے..... وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا..... ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا۔

کیسی خوش نصیبی ہوگی۔ اگر ہم اس دن یہ ثابت نہ کر سکے کہ ہم صحیح مشروبات پیتے تھے، کوئی صاحب تھوڑی سی پیتے ہوں گے، زیادہ پیتے ہوں گے تو پھر قیامت کے دن جہنم میں بھیجا جائے گا۔ جہنم میں کیا پینے کو ملے گا۔ قرآن مجید سے پوچھئے۔ قرآن عظیم الشان جواب دیتا ہے۔ فرمایا:

.....وَلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝.....

کہ جہنمیوں کے زخموں سے جو خون اور پیپ بہے گی اس کو جمع کیا جائے گا اور پیالے میں بھر کر گرم گرم جہنمی کو پینے کو دی جائے گی اور یہ اُسے پیئے گا اور وہ اتنی گرم ہوگی کہ اس کی آنتیں اس کے پاخانے کے راستے باہر نکل جائیں گی۔ اتنی بدبودار چیز پینے کو ملے گی۔ آج اگر کسی بندے کے جسم میں پیپ ہو تو کمرے میں نہیں کھڑا ہوا جاتا، اتنی بدبو ہوتی ہے۔

قیامت کے دن بندہ اس پیپ کو پیئے گا شدت پیاس کی وجہ سے، اللہ نعمت واپس لے لیں گے۔ فرمائیں گے کہ تو Jestify نہیں کر سکتا کہ تو اس نعمت کے حاصل کرنے کے قابل ہے۔ تجھے دنیا میں امانت دی تھی۔ کیوں غلط استعمال کیا؟

دیکھئے! دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس کو مکان دیا کہ تم اس میں بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارو۔ اس کو میرے پیارے حبیب ﷺ کی یادوں کا گلشن بناؤ۔ نمازیں پڑھو۔ تلاوت ..... خیر کے کام کرو۔

اگر ہم نے ایسا کرلیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر گھر عطا کریں گے۔

اللہ کے راستہ کی برکت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں نکلا اور اس کی راستے میں موت آ گئی تو جہاں سے نکلا تھا، وہاں سے لے کر اس کی موت آنے کی جگہ تک ایک ہیرے کا بنا ہوا گھر اسے عطا فرمادیں گے۔ بے جوڑ ہیرے کا گھر اسے عطا فرمائیں گے۔ کم سے کم جنتی کو جو گھر ملے گا وہ اس دنیا سے دس گنا بڑا ہوگا۔ آج تو مرلوں کے مکان میں رہتے ہیں۔ جنت میں چلے گئے تو دنیا سے دس گنا بڑا مکان ملے گا۔

اگر آپ نے ثابت کردیا کہ نہیں ہم تو گھر میں ٹی وی بھی لگا بیٹھے، کیبل بھی لگا بیٹھے، انٹرنیٹ کی مصیبت کو بھی لے آئے اور نماز کیلئے صبح اٹھتا بھی کوئی نہ تھا۔ ہفتوں تلاوت بھی کوئی نہیں کرتا تھا اور روز میوزک بجتی تھی اور انڈیا کے گانے، پاکستان کے گانے چلتے تھے۔ روز فنکشن ہوتے تھے کھانے پینے کے، مگر نمازوں کی طرف دھیان نہیں تھا۔ ہم نے گھر کی نعمت کو صحیح استعمال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم میں بھیجیں گے۔

جہنم میں تکلیف:

جہنم میں کیسا مکان ہوگا؟ پوچھئے قرآن عظیم الشان سے کہ کیسا ہوگا؟ فرمایا:

..... مَكَانًا ضَيِّقًا .....

جہنمی کو ایسا مکان دیں گے کہ اتنا چھوٹا ہوگا جیسے ڈربہ ہوتا ہے چھوٹا، مرغیوں کا، اس طرح کا ڈربہ سا بنا ہوگا ..... دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ..... قرآن کہتا ہے کہ اتنا تنگ ہوگا کہ یہ بے اختیار کہے گا اللہ! مجھے اس سے تو موت دے دے۔ یہ موت مانگے گا۔

جواب کیا ملے گا؟

.....لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا.....

اللہ فرمائیں گے کہ ایک موت نہ مانگو، کئی موتیں مانگو، پھر بھی تمہاری آج جان نہیں چھوٹتی۔

اب تو گھبرا کر کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

دیکھئے! یہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ یہ جسم ہمارا ہماری ملکیت تو نہیں ہے۔ یہ اللہ کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے۔ ہمیں تو اس کا کنٹرول اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر کیلئے دیا ہے۔ ہم جب چاہیں دیکھتے ہیں، اٹھتے ہیں۔ بیٹھتے ہیں۔ کھاتے ہیں۔ پیتے ہیں۔ مگر قرآن نے فرمایا:

.....اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا .....

امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچاؤ اور ان کی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

اگر ہم نیکی کی زندگی گزاریں تو گویا ہم نے امانتوں کا ٹھیک استعمال کیا اور اگر ہم گناہ پر زندگی گزاریں گے تو گویا ہم ان امانتوں کو غلط استعمال کرنے والے بنیں گے۔ پھر اللہ رب العزت ہمیں یہ دوبارہ مرنے کے بعد امانتیں واپس نہیں عطا فرمائیں گے۔ بندہ سے واپس لے لی جائیں گے۔

کچھ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ ماشاء اللہ زندگی کی قدر و قیمت کو پہچاننے والے، سر کے بالوں سے لے کر ناخنوں تک ان کے جسموں سے اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں ہوتی۔

امام ربانی کا فرمان:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اس امت میں ایسے بھی لوگ گزرے کہ ان کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس سال تک گناہ لکھنے کا کوئی موقع نہ ملا۔

ایسے بھی لوگ گزرے، پانچ انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں اگر ہم کمزور ہیں، گناہ گار ہیں۔ خطا کار ہیں تو نیک لوگوں سے تو دنیا قائم ہے۔ انہی کی وجہ سے تو دنیا آباد ہے۔

قرآن فہمی کا عجیب واقعہ:

عبداللہ ابن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے سفر سے واپس آرہا تھا۔ ایک جگہ تھکا تو سوگیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اونٹ پر سوار کوئی آرہا ہے۔ قریب آیا تو

میں نے کہا السلام علیکم۔ جواب میں ایک عورت کی آواز آئی، پکی عمر کی لگتی تھی۔ جس نے کہا:

.....سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ .....

یعنی ایسی آیت پڑھی کہ جس سے سلام کا معنی نکلتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اماں! آپ اکیلی جنگل میں کہاں؟ اس نے قران کی آیت پڑھی:

..... مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ .....

جس کا مطلب یہ تھا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔ میں نے کہا کہ اماں آئی کہاں ہے؟ اس نے آیت پڑھی:

..... وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ .....

میں سمجھ گیا کہ حج کر کے آ رہی ہے۔

میں نے پوچھا کہ اماں جانا کدھر ہے؟ کہنے لگی:

.....ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ.....

مجھے پتہ چل گیا کہ یہ شہر جانا چاہتی ہے۔ میں نے بھی شہر جانا ہے۔

میں نے کہا کہ اماں! میں آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ لیتا ہوں اور آپ کو شہر تک پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے آیت پڑھی:

..... اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ.....

مطلب کیا کہ نیکی کرو گے تو نیکی کا اجر پاؤ گے۔

میں چل پڑا، راستے میں خیال آیا کہ پتہ نہیں کہ یہ کس قبیلے کی ہے؟ میں ذرا پوچھوں تو صحیح، میں نے اس سے پوچھا کہ اماں آپ کس قبیلہ کی ہیں؟ اس نے جواب میں آیت پڑھی:

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ○

مطلب کیا تھا کہ جس چیز سے تمہارا واسطہ نہیں، تم کو اس کے پوچھنے کا کیا فائدہ؟

..... لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ .....

کہنے لگے کہ میں خاموش ہو گیا۔

اب تھوڑا راستہ لمبا تھا۔ میں نے کہا کہ اچھا میں کچھ شعر پڑھتا ہوں۔ میں نے کچھ عربی کے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ بندہ جیسے گنگنانے لگ جاتا ہے۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگی:

.....فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ .....

مطلب کیا کہ اگر تم نے کچھ بولنا ہے تو قرآن پڑھو۔ میں نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ لیکن اندر اندر میں بڑا حیران، پتہ نہیں یہ کیسی عورت ہے، میری ہر بات کے جواب میں اللہ کے قرآن کی تلاوت کرتی ہے۔

خیر میں جب شہر میں داخل ہونے لگا تو میں نے پوچھا کہ یہاں آپ کا کون ہے؟ اس نے آیت پڑھی:

..... اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا .....

میں پہچان گیا کہ اس کے بچے ہیں۔ بیٹے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ اماں آپ کے بچوں کے کیا نام ہیں؟ کہنے لگی:

.....ابراھیم واسماعیل و اسحاق.....

میں سمجھ گیا کہ بچوں کے یہی نام ہیں۔ میں نے آواز لگائی، تھوڑی دیر کے بعد تین بڑے خوبصورت جوان نیکی کے نور سے معمور، تقویٰ سے سرشار وہ آ گئے۔ اپنی والدہ سے ملے۔ بڑے خوش ہو گئے، وہ والدہ کو ڈھونڈ رہے تھے کہ اس کا کہیں اونٹ گم ہو گیا ہے۔

جب وہ آ کر ملے تو والدہ نے ان کو کہا:

..... وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ .....

مطلب تھا کہ اس کو کھانا کھلاؤ۔ جب کھانا میرے سامنے رکھا تو میں نے کہا کہ کیا ضرورت ہے کھانے کی؟ کوئی بات نہیں میں چلتا ہوں۔ اس نے آیت پڑھی:

..... اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ .....

مطلب یہ ہے کہ ہم تو تجھے اللہ کی رضا کیلئے کھلا رہے ہیں۔ میں نے کھا لیا، جب کھا کر فارغ ہو گیا تو اس نے قرآن کی آیت پڑھی:

..... اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا .....

شکریہ ادا کیا۔

میں بڑا حیران ہوا اور مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اس کے بیٹے سے پوچھا کہ مسئلہ کیا؟ جب بھی میں نے کوئی بات کی اور پوچھی، اس نے آگے سے قرآن کی آیت پڑھی۔

اس نے کہا کہ میری والدہ قرآن کی حافظہ اور حدیث کی عالمہ ہے اور اس کے دل میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہونے کا اتنا خوف ہے کہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں قرآن کے سوا کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالوں گی۔ پچھلے 20 سال سے قرآن کے سوا کوئی لفظ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلا۔

ذرا غور کرو:

اگر قیامت کے دن ایسے بھی لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے..... اور پھر ہم بھی کھڑے ہوں گے کسی کو کمینہ کہا، کسی کو ذلیل کہا، کسی کو بے ایمان کہا تو سوچو پھر اس دن کتنی ندامت ہوگی؟ کتنی شرمندگی ہوگی؟ آج غیبتیں کرنی آسان، کل اللہ کے سامنے جواب دینا مشکل کام ہے۔

امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے والد کا واقعہ:

نیک لوگ بھی دنیا میں گزرے ہیں۔ بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے والد کا واقعہ لکھا ہے۔ بعض نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ تاہم دو تین کتابوں میں، میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں پڑھا ہے۔ ان کے والد درویش آدمی تھے۔ ثابت نام تھا۔ جوانی تھی۔ عبادت اور ذکر میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن جا رہے تھے نہر کے کنارے، بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایک سیب پانی میں تیرتا دیکھا۔ جب بھوک لگی ہوئی ہو تو کچھ سمجھ بھی نہیں لگتی۔ انہوں نے وہ سیب لیا اور کھا لیا، جب پیٹ میں کچھ پڑ گیا تو اب بات سمجھ میں آئی پہلے تو آئی نہیں۔

پیٹ نہ پیاں روٹیاں
سبے گلاں کھوٹیاں

اب جب پیٹ میں کچھ پڑ گیا۔ اب خیال آیا کہ یہ سیب میرا تو نہیں تھا۔ یہ تو کسی اور کا ہوگا اور میں نے بغیر اجازت کے اس کو کھالیا ہے۔ اب یا تو میں اس کی قیمت ادا کروں یا میں اس سے معافی مانگ لوں۔

چنانچہ جدھر سے پانی آ رہا تھا۔ ادھر انہوں نے چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور آگے گئے، دیکھا کہ سیب کے درخت لگے ہوئے ہیں، پہچان گئے کہ اس کا سیب گرا ہوگا۔ مالک کو ملے۔ اس کو بتایا کہ ایک سیب آپ کا پانی میں بہہ رہا تھا۔ میں فقیر درویش آدمی ہوں۔ میں نے اس کو لے کر کھالیا۔ آپ مجھے اللہ کے لئے معاف کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو معاف نہیں کرتا۔

اب آپ معافی مانگ رہے ہیں اور وہ معاف ہی نہیں کرتا۔ ادھر سے اقرار ادھر سے انکار۔ پھر کہا کہ اچھا آپ مجھے کوئی سزا دے دیں۔ اس نے کہا کہ ہاں سزا دیتا ہوں۔ کون سی سزا؟ اس نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے۔ کیسی بیٹی ہے؟ زبان سے گونگی ہے۔ آنکھوں سے اندھی ہے۔ کانوں سے بہری ہے۔ پاؤں سے لولی لنگڑی ہے۔ اب اگر تم اس سے نکاح کر لو اور زندگی بھر اس کی خدمت کرو تو پھر میں اپنا حق بخشتا ہوں۔ انہوں نے تھوڑی دیر کیلئے سوچا، کہ یہ تو زندہ لاش ہوئی، مگر اس زندہ لاش کی دنیا میں خدمت کرنا آسان، قیامت کے دن کسی کی چیز کا بغیر اجازت استعمال کرنا، اس کا جواب دینا مشکل کام ہے۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے، میں حاضر ہوں۔ نکاح ہوگیا۔ جب بیوی کو ملے پہلی رات، دیکھا اتنی خوبصورت، چاند سا چہرہ، عقل والی، سمجھ والی، جمال بھی ہے۔ کمال بھی ہے۔ بڑے حیران، پوچھا کہ تم اسی باغ والے آدمی کی بیٹی ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تمہاری کوئی اور بہن؟ اس نے کہا کہ نہیں، خیر چپ ہو گئے۔

میاں بیوی نے رات گزاری۔ اگلے دن سسر سے ملاقات ہوئی۔ سسر نے پوچھا کہ بتاؤ مہمان کو کیسے پایا؟ اس نے کہا کہ جو آپ نے بتایا تھا وہ تو بالکل ہی اور ہیں اور بندہ بالکل ہی اور!

اس وقت اس کے سسر نے کہا کہ دیکھو! یہ میری بیٹی ایسی ہے کہ زندگی میں اس نے غیر محرم کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ یہ اندھی ہے، آنکھ سے، غیر محرم سے گفتگو بھی

نہیں کی، میں نے کہا کہ گونگی ہے بہری ہے۔

بغیر اجازت باپ کے قدم باہر نہیں رکھا، میں نے کہا لولی لنگڑی ہے۔

مگر یہ میری بیٹی حدیث کی عالمہ ہے، قرآن کی حافظہ ہے۔ میں اس کیلئے کوئی ایسا بندہ چاہتا تھا کہ جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو۔ تقویٰ ہو، تاکہ وہ میری بیٹی کے حقوق کو صحیح ادا کرے اور زندگی بھر اس کو خوش رکھے۔ جب تم ایک سیب کی معافی مانگنے کیلئے آئے اور یوں رونے لگے تو میں نے سوچا کہ اس بندے کے دل میں کتنا اللہ کا خوف ہے کہ ایک سیب کے پیچھے رو رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں بیٹی کا نکاح اس سے کروں گا۔ یہ ماں تھی، یہ باپ تھا۔ اللہ نے ان کو بینا دیا جس بیٹے کا نام نعمان رکھا، جو بڑا ہو کر امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بنا۔

پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ہم کمزور اور گناہ گار ہیں۔ نیک لوگ اسی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ کوئی جنگلوں غاروں میں نہیں ہوتے۔ انہی گلی کوچوں بازاروں میں ہوتے ہیں مگر ان کی زندگی اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہوتی ہے۔

توبہ کرلیں:

آج بھی وقت ہے کہ ہم اگر آج سچی توبہ کرلیں اور عہد کریں کہ اے اللہ! آئندہ ہم آپ کے حکموں کے مطابق پورے جسم کے اعضاء کو استعمال کریں گے تو اللہ تعالیٰ پچھلے گناہ معاف کردیں گے۔ آئندہ سے ایک نئی زندگی شروع ہو جائے گی۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔

اگر ایسا نہ کیا تو قیامت کے دن ہمارے جسم کے اعضاء ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ ایک ہوتی ہے خفیہ پولیس، پتہ نہیں چلتا، ہوتے پولیس کے لوگ ہیں۔ اسی طرح ہمارے جسم کے یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی خفیہ پولیس ہے۔ کل قیامت کے دن یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں گے، جو ہم نے کیا ہوگا پورے کا پورا کھول کر بیان کردیں گے۔ سب بتادیں گے۔ کھول دیں گے اللہ کے سامنے، اس وقت انسان پشیمان ہوگا۔ کاش! کہ میں نے دنیا میں اللہ کی نافرمانی نہ کی ہوتی۔

گناہ پر آٹھ گواہ پیش ہوں گے:

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن انسان کے گناہوں پر آٹھ گواہ پیش ہوں گے۔کون کون سے آٹھ گواہ؟ سب سے پہلے.....المکان..... جس جگہ پر بندے نے گناہ کیا ہوگا۔وہ زمین گواہی دے گی۔آج کل تو یہ کیمرے ہیں۔ویڈیو کیمرے،انہوں نے بات آسان بنادی۔دیکھو کیمرے لگے ہوئے ہیں۔وہاں بندہ جو حرکت کرتا ہے،وہ ویڈیو کیمرے کے ذریعہ محفوظ ہوجاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے۔جس طرح یہ ویڈیو کیمرہ تصویر بنالیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر ذرے میں یہ خوبی رکھی ہے۔یہ زمین ہر بندے کی تصویر بناتی ہے۔جو کچھ اس کے اوپر کررہا ہوتا ہے۔

چنانچہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیں گے۔سنیں قرآن عظیم الشان.....بات پکی ہو،اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

.....یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ .....

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے اور زمین اپنی خبریں نشر کرے گی۔اس جگہ پر یہ ہوا،اس پر یہ ہوا،اس پر یہ ہوا،یہ جگہیں قیامت کے دن گواہی دیں گی۔جس کمرے میں گناہ کیا ہوگا۔جس جگہ پر گناہ کیا ہوگا۔جھوٹ بولا ہوگا۔وہ جگہ گواہی دے گی کہ اس جگہ گناہ ہوا تھا۔

دوسری گواہی ہماری زندگی کے یہ ایام دیں گے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وقت کو بھی گواہ کے طور پر کھڑا فرمائیں گے۔کس طرح کھڑا کریں گے۔یہ اللہ کو معلوم ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

.....ینادی کل یوم انا یوم جدید وانا فیما تعمل فی شهید.....

آج میں نیا دن ہوں۔اے بندے! آج میرے اس دن کے اندر جو تو کرے گا،میں کل قیامت کے دن تیری گواہی دوں گا۔

یہ ہے دوسرا گواہ.....تیسری گواہی.....والسان..... انسان کی زبان گواہی دے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

..... يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ .....

قیامت کے دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ اپنی زبان سے بولے گا۔ یہ کیا، جس زبان سے آج جھوٹ بولے اور غیر محرم کے ساتھ غلط گفتگو کی، کل یہ زبان گندے بندے کے خلاف گواہی دے گی کہ اس بندے نے دنیا میں یہ یہ کیا..... اور اگر ہم اس زبان کو ٹھیک استعمال کریں گے تو اللہ رب العزت پھر قیامت کے دن جنت عطا فرمائیں گے اور بندے کو انبیاء علیہم السلام سے ہم کلامی کا شرف عطا فرمائیں گے۔

چوتھی گواہی جو انسان کے خلاف پیش ہوگی۔ فرمایا..... والارکان ..... اور یہ انسان کے جسم کے باقی اعضاء ہاتھ، پاؤں، یہ بھی گواہی دیں گے۔ فرمایا:

.....وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ .....

جب انسان کے ہاتھ گواہی دیں گے۔ پاؤں گواہی دیں گے تو انسان اپنے جسم کے اعضاء سے اس وقت ناراض ہوگا اور کہے گا:

.....لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا .....

تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟

..... قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ .....

وہ اعضاء کہیں کہ ہمیں اللہ نے گویائی عطا فرمائی۔

..... اَلَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ .....

وہ ذات جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرمائی۔ آج اس نے ہمیں بھی توفیق دی ہے۔ ہم بولیں گے۔ ہم بتائیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ

کہ میرے بندو! گناہ کرتے ہوئے تم اپنے اعضاء سے تو پردہ کرتے ہی نہیں تھے۔ کوئی

جسم کے اعضاء سے پردہ کرتا ہے؟ کوئی نہیں کرتا۔ انہی کے ذریعہ سے تو گناہ کرتے ہیں اور وہی اعضاء گواہ بن جائیں گے۔

پھر چھٹی گواہی..... والا یوان..... نامہ اعمال۔ ہمارے دو فرشتے ہیں:

اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۝ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۝ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

وہ کراماً لکھتے ہیں۔ ایک نیکی لکھنے والا فرشتہ اور ایک گناہ لکھنے والا فرشتہ۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں۔ یہ ہمارے نامۂ اعمال میں لکھا جا رہا ہے۔ ہماری شیٹ روز تیار ہو رہی ہے اور قیامت کے دن یہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ جب مجرم اپنے نامہ اعمال کو دیکھے گا تو پریشان ہوگا اور کہے گا:

..... یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ .....

میری بدبختی یہ کیسی کتاب ہے:

.....لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا .....

کوئی چھوٹا اور بڑا عمل زندگی کا ایسا نہیں کہ جو اس میں درج نہ کر دیا ہو۔

..... وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِراً .....

جو کیا ہوگا اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔

..... وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا .....

تیرا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں ماری ہوں گی۔ اپنی عاقبت خراب کی ہوگی اور قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا بیٹھیں گے۔

لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

چند لمحوں کی خطا صدیوں جلنا پڑے گا جہنم کی آگ میں۔ ایسے شخص کو کون عقل مند کہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ دے تاکہ ہم دنیا کی مختصر زندگی کو نیکی پر گزار کر اللہ تعالیٰ کے حضور

جائیں۔

چنانچہ یہ گواہیاں ہوئیں۔ اب ساتویں اور آٹھویں..... بہت نازک سا مسئلہ بیان کرتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔

ساتویں گواہی کون سی ہوگی؟ فرمایا..... نبی الانس والجان..... نبی علیہ السلام کی گواہی ہوگی۔ وہ کیسے؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو عمل امت کرتی ہے۔ نبی علیہ السلام کے سامنے ہر بندے کا نامۂ اعمال پیش ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام قیامت کے دن گواہی دیں گے، قرآن میں فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا

اگر ہمارا نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو پھر سوچیں کہ ہمارے کرتوتوں کو دیکھ کر وہ کیا کہیں گے کہ انہوں نے میرے رات کے آنسوؤں کی قدر نہ کی۔ میں تو تہجد میں ان کے لئے معافی مانگتا تھا، آنسو بہاتا تھا، کیسے میرے امتی ہیں کہ انہوں نے میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی۔

اس لئے علامہ اقبال نے کیا اچھے شعر کہے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

اے اللہ تو دو عالم میں غنی ہے میں فقیر ہوں۔

روز محشر عذر ہائے من پذیر

اللہ قیامت کے دن میرے عذروں کو قبول کر لینا۔

گر تو می بینی حابم نا گزیر

اور اگر اللہ آپ یہ فیصلہ کر لیں میرا حساب ضرور لینا ہے تو اللہ!

از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اللہ مصطفیٰ کریم کی نگاہوں سے میرا حساب اوجھل لینا۔ ان کے سامنے مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔ میرے آقا کیا کہیں گے یہ کیسا بندہ ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ دعا مانگنے لگے، یا اللہ گناہوں کو معاف فرمادے۔ خطاؤں کو بخش دے۔ کافی دیر دعا مانگتے رہے۔ دعا مانگنے کے بعد آخر یہ کہنے لگے۔

اے اللہ اگر تو فیصلہ کرلے کہ میرے گناہوں کو نہیں بخشنا تو پھر اے اللہ! قیامت کے دن مجھے اندھا کھڑا کردینا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا دعا مانگی کہ قیامت کے دن اندھا کھڑا کردینا؟ فرمایا: اس لئے کہ میں اندھا ہونگا۔ مجھے نبی علیہ السلام کے سامنے پیش ہوتے ہوئے ندامت نہیں ہوگی۔

اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمیں قیامت کے دن جانا ہوگا۔ سوچیں! ہم گناہوں کے ذریعہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

مرزا بے دل کا واقعہ:

مشہور واقعہ ہے کہ مرزا بے دل ایک شاعر تھے۔ زندگی تو بس عام سی تھی۔ مگر انہوں نے شعر ایک مرتبہ بڑی معرفت کے لکھ دیئے۔

ایران کے ایک شیخ تھے۔ انہوں نے جب یہ فارسی کا کلام پڑھا تو انہوں نے سوچ لیا کہ میں کبھی اس شاعر کو جا کر ملوں گا۔

مرزا بے دل کو ملنے کیلئے آئے۔ گھر والوں نے بتایا کہ وہ حجام کی دکان پر گئے ہیں۔ وہ شیخ وہاں پہنچے، جب وہاں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ مرزا بے دل بیٹھے ہیں اور اپنی داڑھی کو شیو کروا رہے ہیں۔

جب اس نے یہ دیکھا اس نے کہا..... شیخ ریش می تراشی..... کیا داڑھی منڈا رہے ہو؟ اس نے آگے سے جواب دے دیا..... ارے ریش می تراشم و لے دل کسے رانمی خراشم..... کہ میں اپنی ریش کو تراش رہا ہوں کسی کے دل کو تو نہیں تکلیف پہنچا رہا۔

اس پر اس شیخ نے چیخ مار کر کہا، اس نے کہا:

بلے کو دل پیغمبر ﷺ رامی خراشی

تو کسی عام کے دل کو تکلیف نہیں پہنچا رہا، تو نبی علیہ السلام کے دل کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔

مرزا بے دل کے دل پر چوٹ پڑی، اس نے اس وقت یہ شعر کہا:

جزاک اللہ کہ چشم باز گردی

مرا برا جاں جانم ہم راز گردی

اللہ تیرا بھلا کرے کہ تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور تو نے آج مجھے میرے محبوب سے ملا دیا۔

ہم کیسے گناہ کرتے ہیں جو اللہ کے حبیب ﷺ کے سامنے پیش ہوئے ہوں گے۔ سید القلوب کو تکلیف پہنچتی ہوگی۔

پھر آٹھویں گواہی کون سی ہوگی؟ فرمایا سات گواہیاں تو یہ ہیں..... المکان، والزمان، والسان، والارکان، والملاکان، والدیوان، نبی الانس والجنان ..... یہ سات گواہیاں، اور آخری گواہی..... والرحمان..... اللہ تعالیٰ بھی گواہی دیں گے۔

جس پروردگار نے بخشنا ہے، جس پروردگار سے ہم نے معافیاں مانگنی ہیں۔ وہ پروردگار بھی قیامت کے دن کہہ دے کہ ہاں تو نے یہ کہا تھا تو کیا بنے گا؟

ایک ولی کی بات:

اس لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں الہام فرمایا اے میرے بندے! تم گناہ کرنے لگتے ہو، ان تمام دروازوں کو بند کر دیتے ہو، جن دروازوں سے مخلوق دیکھتی ہے اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے، جس دروازے سے میں پروردگار دیکھتا ہوں۔ کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا مجھے سمجھتے ہو۔

اگر ہم سوچیں تو بات تو واقعی ایسے ہی ہے۔ دنیا والے جہاں سے دیکھتے ہیں وہ کھڑکیاں دروازے بند، اور جدھر سے خدا دیکھتا ہے اس کا دروازہ تو بند نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا تم مجھے سمجھتے ہو؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

.....وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا.....

قرآن بتارہا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم گواہی دیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟

گناہ سے کون بچے گا؟

آج وقت ہے کہ ان تمام گناہوں کی ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے معافی مانگ لیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگیں اے اللہ! ہمیں آئندہ گناہوں سے بچالینا۔

گناہ کے موقعوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

گناہ سے وہ بچے گا کہ جو گناہ کے موقع سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ ہم یوں کہیں اللہ!

غم حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اللہ! ہمیں گناہ کے موقع سے بچالینا۔ اللہ! ہمیں طاعات کی عزت عطا فرمادے اور معصومیت کی ذلت سے ہمیں محفوظ فرمادے۔ (آمین)

یوں جب دعا مانگیں گے پھر اللہ کی حفاظت ہوجائے گی۔ ہم گناہ سے بچیں، نفس پر کبھی بھی بھروسہ نہ کریں۔ اس لئے کہنے والے نے کہا:

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد!
فرشتہ بھی یہ ہوجائے تو اس سے بدگماں رہنا

آج کے نوجوان کہتے ہیں ابو! میں ان کے ساتھ بس تھوڑی دیر کھڑا ہوتا ہوں باتیں سنتا ہوں، میں کچھ نہیں کرتا۔ جس نے یہ کہہ دیا کہ میں غلط دوستوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہوں۔ میں کچھ نہیں کرتا۔ اس نے اپنے نفس پر بھروسہ کیا اور ایک دن اس کا نفس اس کو گناہوں کے گڑھے میں گرادے گا۔

سنیں! ذرا توجہ کے ساتھ، بات بڑی اہم ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بڑھاپے میں سفید ریش ہوگئی تھی۔ ستر کے اوپر عمر ہوگئی تھی۔ دعا مانگتے تھے..... اللّٰھ انی اعوذ بك من ان اذنی واسرك ..... اے اللہ! میں اس بات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں زنا کروں یا میں چوری کروں۔ اس سے پناہ کی دعا مانگتے تھے۔

سننے والے نے کہا کہ آپ کی اتنی عمر ہوگئی ہے۔ بوڑھے ہوگئے ..... وانت صاحب رسول اللّٰھ ..... اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ..... اتخاف علی نفسك .....کیا آپ اپنے نفس سے ابھی بھی ڈرتے ہیں .....من الزنا والسرقه .....کہ آپ زنا کر بیٹھیں گے یا آپ چوری کریں گے؟ ..... قال .....جواب دیا ..... کیف امان علی نفسی .....میں اپنے نفس پر کیسے بھروسہ کرسکتا ہوں ..... وابلیس حی .....جبکہ شیطان ابھی زندہ ہے۔

جب تک شیطان زندہ ہے میں اپنے نفس پر بھروسہ کیسے کرسکتا ہوں؟

ان کا بڑھاپے میں یہ حال تھا۔ آج کل کے نوجوان ابو کو جواب دیتے ہیں۔ میں تو بس کھڑا ہوتا ہوں، میں تو بس سنتا ہوں۔ میں کرتا کچھ نہیں۔ یہ غلط بات ہے۔ بروں کی محفل انسان کو برا بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرمائے اور ہمیں اللہ تعالیٰ طاعات کی عزت عطا فرمائے۔ (آمین)

آج ہم اللہ کے گھر میں آئے بیٹھے ہیں۔ اللہ سے معافی مانگیں۔ سچے دل کے ساتھ کہنے والے نے کہا اللہ..... کیف ادعوك وانا عاصم ..... میں کیسے توبہ کروں، دعا مانگوں، جبکہ میں اتنا گناہ گار ہوں۔

پھر اس نے کہا کہ نہیں میرے ذہن میں دوسرا یہ خیال آتا ہے کہ..... کیف لا ادعوك وانت کریم ..... اے اللہ! میں دعا کیسے نہ مانگوں جبکہ تو اتنا کریم ہے۔

اپنے کو نہ دیکھئے، آج اللہ کی رحمت کو دیکھئے کہ وہ کتنا رحیم ہے۔ کتنا کریم ہے۔ اللہ رب

العزت رحمت فرمائیں گے اور بندے کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

رحمت خداوندی کا دریا:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ نبی علیہ السلام سفر سے واپس آرہے تھے۔ ایک دریا کے کنارے آپ نے پڑاؤ ڈالا، نماز ادا فرمائی۔ نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے رو رو کر امت کی مغفرت کی دعا مانگی۔ آپ نے دیکھا، چھوٹی سی ایک چڑیا ہے۔ وہ آئی اور آپ کے سامنے اس نے زمین سے ریت کے ایک دو ذرے اپنی چونچ میں اٹھائے اور دریا کی طرف چلی گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آئی، پھر دو ذرے ریت کے لے کر چلی گئی۔ جب چند بار ایسے ہوا تو نبی علیہ السلام متوجہ ہوئے کہ یہ چڑیا کیا کر رہی ہے۔

اتنے میں جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور جبرائیل علیہ السلام نے آکر عرض کیا، اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو مجسم کر کے آپ کے سامنے دکھادیا۔

پوچھا کیسے؟ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ! آپ کی امت کے گناہ اس چڑیا کی چونچ کے چند ذروں کی مانند ہیں اور میری رحمت کا دریا اس بہتے پانی کی مانند ہے۔ جس طرح یہ چند ذرے پانی میں جا کر پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کہاں چلے گئے۔ آپ دعا مانگتے ہیں قیامت کے دن میری رحمت کو دیکھیں گے۔ میں آپ کے امتیوں کے گناہوں کو ایسے معاف کردوں گا۔

اللہ تعالیٰ اتنا کریم ہے۔ کیوں نہ ہم آج اس سے معافی مانگیں، آج وقت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی جو نجاست میں لتھڑا ہوا تھا۔ وہ دریا کے کنارے پہنچا اور جھجک رہا تھا دریا میں جانے سے تو دریا نے اس سے پوچھا کہ جھجکتے کیوں ہو، چھلانگ لگاؤ، اس نے کہا کہ میں کیسے چھلانگ لگاؤں، میں نجاست سے بھرا ہوا ہوں، میں تیرے اندر آؤں گا، میری نجاست بھی تیرے پانی میں مل جائے گی۔

اس نے جواب دیا کہ میں جاری پانی ہوں۔ تیرے جیسے سینکڑوں ہزاروں میرے اندر

آ کر نہاتے ہیں۔ میں ان کو دھو بھی دیتا ہوں۔ خود میرا بھی پانی پاک رہتا ہے۔ اس بات کو سن کر کسی اللہ والے نے کہا:

کہ اگر دنیا کا جاری پانی دھو بھی دیتا ہے، پاک بھی رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے رحمت کے دریا کا کیا پوچھنا۔

آج ہم سب اس رحمت کے دریا کے کنارے آئے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں موجود ہیں۔ آج ہم اپنے گناہوں کی نجاست دھلوانے کیلئے، اپنی خطاؤں کو بخشوانے کیلئے، اپنے رب سے خوب مانگیں۔ دل کی گہرائیوں سے مانگیں۔ پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا کیسے بہے گا اور اللہ تعالیٰ کیسے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر سے اگر کوئی بندہ محروم چلا گیا اس کو بد بخت کہتے ہیں۔ بدنصیب کہتے ہیں۔

یاد رکھیئے! اگر کوئی اندر سے نکل کر جہنم میں ڈال دیا گیا۔ اس پر تو کوئی افسوس نہیں۔ افسوس تو اس پر ہے مسجد میں آیا۔ رب کے گھر میں آیا اور پھر سچی توبہ نہ کی اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مسجد سے نکال کر پھر جہنم میں ڈال دیا۔

اس لئے آج اللہ کے گھر میں موجود ہیں۔ دعا مانگیں۔ مولا! معافی مانگے بغیر نہیں جائیں گے۔ زندگیوں کے فیصلے کر کے اٹھیں گے۔

عقل مند فقیر:

ہم سے اندھا فقیر زیادہ عقل مند نکلا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ میں پیالہ لے کر دروازے پر مانگتا تھا۔ صدا لگاتا تھا۔ ایک دروازے پر پہنچا، صدا لگائی، کوئی جواب نہیں، پھر صدا لگائی کوئی جواب نہیں، جب تیسری مرتبہ جواب نہ آیا کہنے لگا کس بخیل کا دروازہ ہے کہ کوئی جواب نہیں دیتا۔

کسی نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! یہ مسجد کا دروازہ ہے، خدا کا دروازہ ہے۔ کیا کہتے ہو؟ یہ بخیل کا دروازہ نہیں، سخی کا دروازہ ہے۔ اندھے نے جب یہ بات سنی، پیالہ زور سے دیوار پر مار کر توڑ دیا۔ کہتا ہے، اچھا! اگر اللہ کے در پر آ گیا ہوں۔ اب مجھے کسی اور در سے مانگنے

کی ضرورت نہیں۔

ہم بھی اس اندھے کی طرح عقل مند بن جائیں۔ مولا! آج آپ نے اپنے گھر میں بلالیا۔ بٹھا کر بات سنوادی۔ انجام سامنے کردیا۔ مولا! آپ کو خوش کئے بغیر اور گناہوں سے توبہ کئے بغیر ہم ہرگز نہیں اٹھیں گے۔ آپ ہم پر مہربانی فرمادینا۔

ہم نے اپنے علماء سے سنا ہے کہ بچھڑے بیٹے کا انتظار ماں اتنا نہیں کرتی جتنا بگڑے بندے کا انتظار اس کا پروردگار کرتا ہے۔ وہ پروردگار جو انتظار میں ہے۔ میرے بندے کب معافیاں مانگیں، میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔

نبی علیہ السلام بھی منتظر ہوں گے۔ میری امت کے یہ بندے، گناہ گار، خطاؤں سے معافی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔

آج ہم سچے دل سے معافی مانگ کر اپنے رب کو بھی راضی کرلیں اور نبی علیہ السلام کے دل کو بھی خوشی پہنچادیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں برائی والی زندگی سے محفوظ فرما کر آئندہ نیک وکاری والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تصوف کا مقصد

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ
لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ (سورۃ العنکبوت:۶۹)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

انسان دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک جسم اور دوسرا اس کی روح۔ یہ جسم نقلی انسان ہے اور روح اصلی انسان ہے۔ جسم کی مثال مکان کی مانند ہے، روح کی مثال مکین کی مانند ہے۔ جسم کی مثال مرکب کی مانند ہے اور روح کی مثال اس کے راکب کی مانند ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔

انسانی جسم مٹی سے بنا۔ لہٰذا اس کی غذا کو بھی اللہ رب العزت نے مٹی میں رکھ دیا۔ جسم کی جتنی بھی ضروریات ہیں۔ وہ مٹی سے پوری ہوتی ہیں۔ پانی زمین سے نکلتا ہے۔ گندم کی فصل زمین سے نکلتی ہے۔ چاول زمین سے، سبزیاں زمین سے، پھل زمین سے، انسان کے پہننے کے کپڑوں کی فصلیں زمین سے، جو مکانات بنتے ہیں ان پر لگنے والے ماربل، اینٹیں، لوہا ہر چیز زمین سے نکلتی ہے۔

چونکہ بنیاد مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جسم کی ضروریات کو مٹی میں رکھ دیا...... و بارك فيها في اربعة ايام ...... چار دنوں میں اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کیلئے برکت رکھ دی۔ روزی رکھ دی۔ ضروریات کی چیزیں رکھ دیں۔

ایک انسان کی روح ہے۔ اس روح کے تقاضے اور ہیں، یہ اوپر سے آئی ہوئی چیز ہے:

...... يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ......

اے میرے پیارے حبیب ﷺ! یہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے۔

اللہ کا امر ہے۔ یہ عالم ارواح سے نیچے آئی۔ لہٰذا اس کی غذا کیلئے آنے والے اوپر سے انوار و تجلیات ہیں۔ فیوض و برکات ہیں۔

دونوں کی غذا، دونوں کی ضروریات مختلف ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے، تقویٰ کو اختیار کرتے...... لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ......
ہم ان کو وہ نعمتیں دیتے کہ جو اوپر سے آئیں اور ان کیلئے روحانی غذائیں، اور وہ نعمتیں دیتے کہ جو پاؤں کے نیچے سے نکلتیں اور ان کیلئے جسمانی غذا بن جائیں۔

جسم کی غذا گندم، چاول، جو، دودھ اور اس قسم کی تمام چیزیں ہیں۔ لیکن روح کی غذا انوار، تجلیات، فیوضات، برکات، سکینہ، جو اللہ رب العزت کی طرف سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔

جسم اور روح کی بیماریاں:

جسم اور روح کی بیماریاں بھی الگ الگ ہیں۔ جسم کی بیماریوں سے آپ واقف ہی ہیں۔ جیسے درد شقیقہ، چشم، خناق، قبض، قولنج، وجع المفاصل، عرق النساء۔

آج کے زمانے کے تحت بات کر لیں، اس کا کیسٹرول زیادہ ہو گیا۔ اس بندے کو بلڈ پریشر کی بیماری ہو گئی۔ ہیپاٹائٹس سی ہو گیا۔ یہ جسم کی بیماریاں ہیں۔

اسی طرح روح کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔ بغض، حسد، کینہ، تکبر، شہوت، کسلانی

الصلوۃ، ترک صوم، ترک زکوۃ، نفاق یہ سب کی سب روح کی بیماریاں ہیں۔

اب اگر ایک بندے کا جسم بیمار ہو تو وہ کام کے قابل نہیں رہتا، کسی کو کہیں کہ تم لیٹے کیوں پڑے ہو؟ اٹھو دفتر جاؤ، وہ کہے گا کہ جسم بیمار ہے۔ بخار ہے۔ لہٰذا میں آج کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

جس طرح جسم بیمار ہو۔ وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی طرح روح بیمار ہو تو وہ نیک اعمال کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ نماز کو جی نہیں چاہتا۔ تلاوت میں دل نہیں لگتا۔ مسجد میں آنے سے دل گھبراتا ہے۔ شریعت پر عمل کرنا مصیبت نظر آتا ہے۔ یہ سب کی سب اس بات کی علامت ہے کہ اس کی روح بیمار ہے۔

تاہم بیماری کا علاج ہوتا ہے دنیا میں، دنیا میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو جسم کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ ان کو حکماء، اطباء، ڈاکٹرز، سرجن کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا فرض منصبی جسم کی بیماریوں کا علاج ہے۔ جب بھی کوئی جسم مریض ہو تو ان کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اسی طرح روح کی بیماریوں کا علاج کرنے والے بھی حضرات موجود ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟ علماء، مشائخ، صلحاء یہ وہ حضرات ہیں کہ جو انسان کی اصلاح کرتے ہیں اور اس کی روحانی بیماریوں کا علاج اس کو بتاتے ہیں۔

جسم کی بیماریوں پر کتابیں موجود ہیں۔ جو طب سے شغف رکھنے والے لوگ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میزان الطب، طب اکبر، شرح اسباق، قانونچہ منہاج الاطباء، یہ سب حکمت کی کتابیں ہیں۔

آج کے دور میں میڈیکل سائنسز کی اتنی کتابیں ہیں کہ انسان کے جسم سے ہر عضو کی بیماریوں کا الگ علاج لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح روح کی بیماریوں کیلئے بھی کتابیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی کتاب قرآن مجید، پھر اس کے بعد احادیث کی کتابیں، بخاری شریف، مسلم، ابوداؤد، موطین، نسائی، یا ریاض الصالحین جو تربیت کے اوپر علماء نے کتب لکھیں۔ یہ سب کی سب روحانی علاج کا طریقہ بتاتی ہیں۔

عام طور پر دیکھا کہ جسم کی بیماریوں کے طریقہ کار مختلف ہیں۔ یہ ایلو پیتھک طریقہ علاج ہے۔ یہ ہومیو پیتھک طریقہ علاج ہے۔ یہ طب یونانی حکمت طریقہ علاج ہے۔

اسی طرح روحانی بیماریوں کے بھی علاج ہیں۔ ان کا نام بزرگوں نے رکھ دیا، یہ نقشبندیہ سلسلہ ہے۔ یہ چشتیہ ہے۔ یہ قادریہ ہے۔ وظائف کے طریقہ کار میں تبدیلی ہے مگر مقصود سب کا روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔

اگر علاج میں غفلت ہو:

اگر وہ آدمی جس کا جسم بیمار ہو، علاج میں غفلت کرے تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جو بھی بندہ اپنے جسمانی علاج میں سستی کرے۔

ایک آدمی دل کا مریض ہے۔ نہ علاج کرواتا ہے، نہ پرہیز کرتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا کہ ہارٹ اٹیک ہوگا اور یہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

جس طرح جسمانی بیماریوں کو نظر انداز کرنے والا شخص جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں سے غفلت برتنے والا شخص موت کے وقت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

جسمانی بیماریوں سے غفلت ہوئی تو جسم قبر میں چلا جائے گا۔ موت کے منہ میں چلا جائے گا اور روحانی بیماریوں سے غفلت کی تو انسان جہنم کے منہ میں چلا جائے گا۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ جس طرح ہم جسمانی بیماریوں کا پتہ چلتے ہی فوراً علاج کیلئے کمر کس لیتے ہیں۔ کسی نہ کسی ڈاکٹر سرجن کے پاس جاتے ہیں۔ خصوصی دوائی لیتے ہیں اور بالکل اس کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

اگر بلڈ پریشر کا مریض ڈاکٹر کے کہنے پر نمک کھانا چھوڑ سکتا ہے۔ اگر شوگر کا مریض ڈاکٹر کے کہنے پر چینی چھوڑ سکتا ہے۔ اگر گیسٹر ول کا مریض ڈاکٹر کے کہنے پر چربی والی چیزیں کھانا چھوڑ سکتا ہے تو پھر روحانی مریض کسی شیخ اور عالم کے کہنے پر خلاف سنت عمل کو کیوں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کو بھی تمام اعمال چھوڑ دینے چاہئیں۔ جس کی وجہ سے انسان کی روح بیمار ہے اور انسان پریشانی

میں بتلا ہے۔

جسمانی بیماری ہو تو جسم کو سکون نہیں ہوتا۔ روحانی بیماری ہو تو دل کو سکون نہیں ہوتا۔

لہٰذا دنیا کے بڑے بڑے امیر آدمی دیکھتے ہیں۔ کاریں ہیں۔ بہاریں ہیں۔ جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں۔ پیتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں سوتے ہیں۔ مگر دل میں بے چینی ہوتی ہے۔ راتوں کو نیند نہیں آتی۔ نیند کی گولیاں کھا کر پھر سوتے ہیں۔

اسی طرح جو انسان روحانی مریض ہوتا ہے۔ اس کے دل کو سکون نہیں ہوتا۔ اس کا ضمیر اس کو بار بار جھنجھوڑ رہا ہوتا ہے۔ کہہ رہا ہوتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ وہ اپنی نگاہوں میں خود مجرم ہوتا ہے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم روحانی بیماریوں کا بھی علاج کروائیں اور جسمانی بیماریوں کا بھی علاج کروائیں۔

اب اس بات کو میں دوسرے زاویئے سے عرض کرتا ہوں۔ امید ہے کہ توجہ کے ساتھ سنیں گے اور اس عاجز کا ساتھ دیں گے۔

شریعت کے دو حکم:

شریعت میں کچھ ایسے کام ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا اور کچھ ایسے کام ہیں جن کو نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جن کو کرنے کا حکم دیا ان کو مأمورات کہتے ہیں، امر سے۔ یہ کرنا ہے..... اور جن کو نہ کرنے کا حکم دیا ان کو منہیات کہتے ہیں کہ جن سے روک دیا گیا۔ تم نے نماز پڑھنی ہے، جھوٹ نہیں بولنا تو یہ مأمورات میں سے ہے اور وہ منہیات میں سے۔ پوری شریعت کے اعمال کا اگر آپ جائزہ لیں تو دو حصے بنیں گے۔ کچھ مأمورات کہلائیں گی اور کچھ منہیات کہلائیں گی۔

لیکن اگر مأمورات پر غور کریں تو جتنے مأمورات ہیں، ان کی پھر آگے تقسیم ہوتی ہے۔ کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

مثال کے طور پر نماز کا حکم، روزے کا حکم، حج کا حکم، زکوٰۃ کا حکم، قربانی کا حکم، یہ تمام وہ

اعمال ہیں جن کا تعلق انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے۔

مگر ایسے بھی احکام ہیں کہ جن کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ مثلاً اللہ پر توکل کرو۔ اب توکل نظر تو نہیں آتی۔ اس کا تعلق من کے ساتھ ہے۔ دل کے ساتھ ہے۔ صبر کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ شکر کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں کہ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ تقویٰ کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔

نبی ﷺ نے کسی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا..... التقویٰ ھھنا اشارہ الی الصدر..... نبی علیہ السلام نے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔

مأمورات کے پھر دو حصے بن گئے۔ کچھ وہ جن کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ وہ جن کا تعلق باطن سے ہے۔

اب منہیات پر غور کریں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ان کے بھی دو حصے ہیں۔ کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

جن کا تعلق ظاہر سے ہے اور جن کو منع کیا گیا مثلاً چوری نہ کرو، شراب نہ پیو، زنا نہ کرو، کسی کو قتل نہ کرو، یہ منہیات ہیں مگر ان کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے۔

کچھ کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ جیسے حسد نہ کرو، دل میں کینہ نہ رکھو، اپنے دل میں عجب نہ پیدا ہونے دو، ان چیزوں کا تعلق انسان کے من کے ساتھ ہے۔

معلوم ہوا کہ شریعت کے دو حصے ہیں۔ اعمال دو طرح سے ہیں۔ کچھ مأمورات اور کچھ منہیات۔ مأمورات پر غور کریں! ان کے بھی دو حصے ہیں۔ کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔ منہیات کو دیکھیں تو کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

اب توجہ فرمائیں وہ تمام اعمال جن کا تعلق مأمورات سے ہے یا منہیات سے اور ان کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے۔ ہم ان کو فقہ الظاہر کہتے ہیں۔ فقہ کہتے ہیں جو طلباء پڑھتے ہیں فقہ کا مضمون، کتابیں پڑھتے ہیں فقہ پر لکھی ہوئی۔

فقہاء کہتے ہیں آئمہ کو، یہ وہ اعمال ہیں کہ جن کا تعلق انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے۔ وہ تمام اعمال جن کا تعلق مأمورات کے ساتھ ہے یا منہیات کے ساتھ مگر وہ من سے تعلق رکھتی ہیں،

ان تمام کا نام فقہ الباطن ہے یا دوسرے الفاظ میں علم الاحسان ہے۔
یہ علم الفقہ کہلایا ظاہر کا علم اور جو باطن کا تھا وہ کیا کہلایا؟ علم الاحسان کہلایا۔

تصوف کیا ہے:

آج کے زمانے میں آسانی کی خاطر لوگوں نے نام تصوف رکھ دیا۔ لوگوں کو جو لفظ زبانوں پر آسان لگتا ہے بولنا شروع کر دیتے ہیں۔
تاہم اس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ احسان کہیں، اس کو تصوف کہیں، سلوک کہیں، جو مرضی نام لیں۔
مقصود یہ کہ باطن کے وہ تمام اعمال جو کرنے ہیں یا نہیں کرنے ان کے مجموعہ کو علم الاحسان کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنا علاج کروانا چاہے، اس کو چار جزوں کا خیال رکھنا چاہئے۔
پہلی بات یہ کہ اپنے آپ کو مریض سمجھے، جو بندہ اپنے آپ کو مریض بھی نہ سمجھے، اس کی بیماری کا علاج کیسے ہو۔
دوسری بات یہ کہ پھر وہ طبیب کے پاس اپنے علاج کیلئے رجوع کرے۔ جائے، ہدایات لے اور اگر وہ ہدایات دے دیں کہ آپ کی بیماری کا یہ علاج ہے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ دوا کھائے اور دوا کھانے کے ساتھ پرہیز بھی کرے۔ یہ بھی ضروری ہے۔
اگر آپ نزلے کی دوائی بھی کھا رہے ہیں اور ساتھ آئس کریم کھا رہے ہیں۔ شربت پی رہے ہیں تو آپ کا نزلہ جلدی ختم نہیں ہوگا۔ پرہیز ضروری ہے۔ ڈاکٹر منع کر دیتا ہے کہ آپ ٹھنڈی چیز کا استعمال نہ کریں۔
معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو مریض سمجھے اور طبیب کی طرف رجوع کرے۔ دوا استعمال کرے اور پرہیز کرے۔
جس طرح جسمانی بیماریوں کیلئے یہ چار نکات ذہن میں رکھتے ہیں۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کیلئے بھی چار نکات ہیں۔

پہلی بات یہ کہ اپنے آپ کو باطن کا مریض سمجھے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو باطنی مریض کیسے سمجھیں۔ اس کا ایک آسان سا ٹیسٹ ہے۔ دنیا میں ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ ٹیسٹ کرنے سے پتہ چلا کہ شوگر ہے۔ ٹیسٹ کرنے سے پتہ چلا کہ ہیپاٹائٹس سی ہے۔ ٹیسٹ کرنے سے پتہ چلا کہ H.I.V پازیٹو ہے۔ ٹیسٹ سے پتہ چلتا ہے۔

دنیائے روحانیت کے ٹیسٹ:

روحانیت کی دنیا میں بھی ٹیسٹ موجود ہیں۔ سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں۔

قرآن مجید نے بتایا کہ جب کسی انسان کے دل میں غیر محرم کی طرف میلان اور رجوع پیدا ہو تو اس کو گناہ کی طرف مائل کرے تو یہ اس کے دل کے مریض ہونے کی علامت ہے۔

قرآن نے کہا:

.....فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ .....

طمع کرے گا وہ بندہ جس کے دل کے اندر مرض ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ اگر مسجد سے نماز پڑھ کر نکلتے ہیں اور پھر راستوں میں چلتے پھرتے کبھی طبیعت اِدھر دیکھنے کو چاہتی ہے۔ کبھی اُدھر دیکھنے کو چاہتی ہے۔ آپ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ آنکھ غیر محرم کی طرف اٹھ جاتی ہے تو قرآن نے بتا دیا کہ یہ غیر کی طرف شہوت بھری نظر کا اٹھنا دل کی بیماری کی علامت ہے۔

اگر یہ دل بیمار ہے تو پھر اس کا علاج بھی ضروری ہے۔ اگر اس کا علاج نہیں کروائیں گے تو پھر یہ بیماری عمر کے ساتھ گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھے گی اور انسان کیلئے نقصان کا سبب بن جائے گی۔

تزکیہ کی اہمیت:

اس لئے من کو صاف کرنا..... قرآن کریم نے اس کو تزکیہ نفس کہا اور اس کے ساتھ اصلاح کو وابستہ کیا۔ فرمایا:

.....قَدْ اَفْلَحَ مَن تَزَکّٰی .....

تحقیق فلاح پا گیا وہ جو ستھرا ہوا۔

اس تزکیہ کی اتنی اہمیت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی اے اللہ! ایک ایسے رسول کو بھیج، جو ان پر آیات کی تلاوت کرے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دے.....و یزکیھم .....اور ان کا تزکیہ کرے۔

انہوں نے چوتھے نمبر پر تزکیہ کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا۔ لیکن جب قبول فرما کر قرآن پاک میں اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا:

.....یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ .....

اللہ نے تزکیہ کا چوتھے نمبر پر نہیں بلکہ دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ قرآن کریم میں ترتیب کی یہ تبدیلی کسی چیز کی اہمیت کی نشان دہی کر رہی ہے۔

چنانچہ جب کوئی معزز آدمی بات کرے تو اس کا بات کرنا ہی اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ بات سچی ہے۔ اہم بات ہے اور اگر وہ بندہ قسم کھالے تو پھر تو بڑی معتمد ہو جاتی ہے اور اگر دو دفعہ قسم کھالے.....ہم کہتے ہیں کہ انتہا کر دی۔ وہ تو قسمیں کھا کھا کر کہہ رہا تھا۔ سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں! اللہ رب العزت نے تزکیہ پر کامیابی ملنے کا تذکرہ کرتے وقت قرآن میں سات قسمیں یکے بعد دیگرے کھائی ہیں۔ کہیں قرآن مجید میں کسی دوسری چیز کی اہمیت کو بتانے کیلئے اتنی قسمیں نہیں کھائی گئیں۔

فرمایا:

وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَا ○ وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا ○ وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰھَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰھَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا ○ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَن زَکّٰھَا ○ وَقَدْ خَابَ مَن دَسّٰھَا ○

اس مالک الملک نے، احکم الحاکمین نے متواتر، مسلسل سات قسمیں کھا کر فرمایا جو تزکیہ

حاصل کرے گا، کامیاب ہوگا۔ جو نہیں کرے گا وہ خاسر ہوگا۔

اب اس سے اندازہ لگائیں کہ من کو صاف کرنا اللہ رب العزت کے ہاں کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ اس بات کو میں ایک تیسرے زاویے سے پیش کرتا ہوں۔

تعلیمات اور کیفیات:

نبی علیہ السلام کی کچھ تو تعلیمات ہیں۔ تعلیمات کن کو کہتے ہیں؟ کہ وہ علم جو نبی علیہ السلام نے امت کو سکھایا۔ اس کو تعلیمات نبوی ﷺ کہتے ہیں۔ جو اعمال نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائے ان کو تعلیمات نبوی ﷺ کہا جاتا ہے۔

ایک ہیں کیفیات نبوی..... مثال کے طور پر ایک تو دعا مانگی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

یہ تو ہوئی تعلیمات نبوی میں سے!

ایک دعا مانگتے ہوئے نبی علیہ السلام کے قلب مبارک میں جو خشوع تھا۔ جو عاجزی تھی، جو گڑگڑا کر آپ مانگ رہے تھے۔ وہ ہوئی کیفیات نبوی، جو یہ دو الگ الگ چیزیں ہوئیں، ایک کو کہیں گے تعلیمات نبوی اور دوسرے کو کہیں گے کیفیات نبوی۔

دیکھیں! نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جو دعا نکل چکی، اس دعا کی قبولیت میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔ وہ اللہ کے ہاں قبول ہو چکی، قبولیت کا درجہ پا چکی، وہی دعا آج ہم مانگتے ہیں۔ قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے، الفاظ میں تو کوئی فرق نہیں، کس میں فرق ہوا؟ کیفیات میں فرق ہوا۔

میں اس کو ایک اور آسان طریقے سے عرض کرتا ہوں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب کوئی مُردے کا معاملہ ہوتا تو وہ فرماتے تھے..... قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ..... تو اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کیلئے مردے کو زندہ فرما دیتے تھے۔

یہی الفاظ ہم اگر کہیں تو مردہ نے زندہ تو کیا ہونا، کوئی سویا ہوا بندہ بھی نہیں جاگتا، تو فرق

کیا ہے؟ جو لفظ انہوں نے فرمائے، وہی لفظ ہم کہہ رہے ہیں۔ جواب ملے گا کہ کیفیت کا فرق ہے۔ جوان کی کیفیت تھی آج وہ ہماری نہیں۔

اس دل کی کیفیت کے فرق کی وجہ سے الفاظ کا نتیجہ نہیں نکل رہا۔

ایک اور مثال عرض کر دیتا ہوں۔ تا کہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے، اچھی طرح دل میں بیٹھ جائے۔

ایک بندے کے پاس چابی ہے۔ وہ دروازہ کھولتا ہے۔ کمرے میں سے چیزیں نکال کر استعمال کرتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ضرورت پڑتی ہے۔ وہ دوسرے بندے کو کہتا ہے کہ چابی لے جاؤ۔ سامان اٹھا کر لاؤ، اب یہ چابی لگاتا ہے دروازہ نہیں کھلتا۔ تو وہ کہے گا کہ کنجی تو وہی ہے۔ میں نے لگائی تھی تو دروازہ کھل گیا تھا۔ تم بھی وہی کنجی لگا رہے ہو، دروازہ نہیں کھلتا۔ معلوم ہوا کہ کنجی کے لگانے کے طریقہ کار میں کوئی فرق ہے، انداز میں کوئی فرق ہے۔

جس طرح انداز ٹھیک نہ ہو تو کنجی باوجود اس کے کہ دروازہ کھولنے کی صلاحیت رکھتی ہے، نہیں دروازہ کھلتا، بالکل اسی طرح کیفیات اگر ٹھیک نہ ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ سنت دعائیں ہیں۔ اللہ کے ہاں قبولیت کا رتبہ پا چکی ہیں۔ مگر کیفیات قلبی نہ ہونے کی وجہ سے ان دعاؤں سے اجابت کا دروازہ نہیں کھلتا۔

ایک ہوئی کیفیات نبوی، اور ایک ہوئی تعلیمات نبوی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان دونوں کے وارث بنے، دونوں نعمتیں ان کو ملیں۔ وہ کمال رکھنے والی شخصیات تھیں۔ لہٰذا وہ مرج البحرین تھے۔ دونوں نعمتیں ان کو حاصل تھیں۔ ان کے پاس وہ علم بھی تھا، وہ کیفیت بھی تھی۔ نبی علیہ السلام کے تقویٰ کی کیفیت ان کے پاس۔ توکل کی کیفیت ان کے پاس۔ خشوع کی کیفیت ان کے پاس۔ خوف خدا کی کیفیت ان کے پاس۔ محبت الٰہی کی کیفیت ان کے پاس۔ جو کیفیات نبوی تھیں وہ اس کے بھی وارث تھے اور جو تعلیمات نبوی تھیں وہ اس کے بھی وارث تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ کمال والا زمانہ نہ رہا۔ نہ شخصیتوں میں اتنی استعداد رہی کہ دونوں نعمتوں کو حاصل کر سکیں۔ لہٰذا کیا ہوا کہ ایک لائن تعلیمات نبوی والی بن گئی۔ آج اس لائن کا نام مدارس ہے۔ جو بندہ بھی تعلیمات نبوی حاصل کرنا چاہے، کہیں گے جاؤ اور وہاں جا کر

قرآن پاک کی تفسیر پڑھو، حدیث پڑھو، فقہ پڑھو، دین کو سیکھو، تعلیمات نبوی کے حصول کی جگہ مدارس بن گئے۔

ایک تھی کیفیات نبوی، آہستہ آہستہ اُمت کے مشائخ اس کے اسپیشلسٹ بنتے چلے گئے۔ ایسی جگہوں کو آج کے زمانے میں خانقاہیں کہتے ہیں۔

اگر اصلاح چاہے تو:

لہٰذا کوئی بندہ چاہے کہ میری اصلاح ہو، میں سنور جاؤں، میری کوتاہیاں ختم ہو جائیں..... تو پھر اس کو کیا مشورہ دیا جاتا ہے کہ بھائی! آپ کسی شیخ کے پاس جاؤ، فلاں جگہ چلے جاؤ، وہاں تمہیں وہ بزرگ ملیں گے جو تمہاری تربیت کریں گے۔

بعض کیفیات نبوی کے وارث بن گئے اور بعض تعلیمات نبوی کے وارث بن گئے۔

اکابرین کا کمال:

مگر ہمارے اکابرین کو اللہ تعالیٰ نے وہ کمال عطا کیا کہ وہ ان دونوں کے وارث بنے۔ چنانچہ ہمیں اکابر علماء دیوبند میں جس کو بھی دیکھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ تعلیمات نبوی کے وارث علماء کرام بن گئے، کیفیات نبوی کے وارث مشائخ عظام بن گئے۔

اس لئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ..... جب انہوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تو کسی نے ان کو کہا کہ حضرت! آپ اتنے بڑے عالم، علم کے آفتاب اور ماہتاب، جبال العلم میں سے تھے۔ ایسی شخصیت تھے۔ حضرت حاجی سے بیعت ہوئے، تفصیل ہے۔ لیکن مختصراً عرض ہے۔

انہوں نے جواب یہ دیا کہ ہم نے دارالعلوم میں رہتے ہوئے کچھ مٹھائیوں کے نام یاد کئے تھے۔ پڑھے تھے۔ ہمیں مٹھائیوں کے ذائقے کا پتہ نہیں تھا، ان مٹھائیوں کا ذائقہ چکھنے کیلئے میں نے حضرت حاجی صاحب سے بیعت کر لی ہے۔

اب نماز پڑھنے کا طریقہ تو مدارس میں سکھا دیا جائے گا۔ مگر نماز اس طرح پڑھی جائے

کہ.....ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ.....اس کیلئے پھر مشائخ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ یہ نعمت خود بخود نہیں آتی۔

دیکھئے! ایک ہوتا ہے رنگ، اور کچھ رنگ فروش ہوتے ہیں۔ رنگ فروش کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ حضرات کہ جن کا کام ہے رنگ کو تقسیم کرنا، لوگوں تک پہنچانا، لوگوں کو دینا، ان کو رنگ فروش کہتے ہیں۔

کچھ لوگ رنگ ریز ہوتے ہیں۔ رنگ ریز کسے کہتے ہیں؟ کہ آپ اس کے پاس اپنا رومال لے کر جائیں کہ اس رومال کو آپ کالا رنگ چڑھا دیجئے۔ وہ اس کپڑے کے اوپر کالا رنگ چڑھا دے گا اس کو رنگ ریز کہتے ہیں۔

کتاب وسنت رنگ ہے۔ علماء کرام رنگ فروش ہیں اور مشائخ عظام یہ رنگ ریز ہیں

..... یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ .....

..... كُوْنُوْا .....امر کا صیغہ ہے۔

حکم دیا جا رہا ہے کہ تم سچوں کے ساتھ رہو۔ رہو ان کی زندگی میں، جن کے اندر اور باہر کا فرق ختم ہو گیا۔ جن کے اندر سے دورنگی ختم ہو گئی۔ جو یک رنگ لوگ ہیں۔ تم ان کی صحبت میں زندگی گزارو۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم یا سنگ ہو جا

لہٰذا انسان کی باطنی بیماریوں کے دور ہونے کیلئے انسان کے ظاہر کی زندگی شریعت کے مطابق بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیا کرام علیہم السلام کو بھیجا اور اپنی چار کتابیں عطا فرمائیں..... زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید۔ چار کتابیں اللہ رب العزت نے عطا فرمائیں۔

چار کا عدد:

نبی علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ آپ نے جو دین سکھایا۔ اس دین کی اشاعت کیلئے، دنیا میں اس کے استحکام کیلئے، اللہ رب العزت نے چار خلافتیں عطا فرمائیں۔ جن کو ہم

خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ یہ خلفاء راشدین کہلائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کو چار فقہیں عطا فرمائیں۔ چار آئمہ فقہاء بہت مقبولیت پا گئے۔ جن کے نام امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

بالکل اسی طرح یہ جو روحانیت کا طریقہ کار تھا۔ اس میں بھی چار طریقے اللہ کے ہاں قبولیت پا گئے۔ جن میں سے ایک کو ہم قادریہ سلسلہ کہتے ہیں۔ چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ جیسے فقہاء تو بہت گزرے۔ اگر آپ تاریخ پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ اٹھارہ سے زیادہ فقہاء ایسے تھے کہ جن کی اتباع ہوئی قرون اول میں، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ فقہیں ختم ہوتی گئیں اور سارے لوگ چار کے اندر سمٹ کر رہ گئے۔

اسی طرح سلاسل بہت سارے لوگوں کے پاس، لیکن قبولیت بالآخر چار کو ملی اور تقسیم ہوگئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ بھائی ایک بندے کے دس بیٹے ہوں اور دس بیٹوں میں سے پھر ایک فوت ہو جائے، پھر دوسرا فوت ہو جائے، تیسرا فوت ہو جائے، چوتھا فوت ہو جائے، پانچواں فوت ہو جائے،..... چار رہ جائیں تو وراثت کتنوں میں تقسیم ہوگی؟

اب اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں؟ ہم کہیں گے کہ اللہ کی مرضی۔ بالکل اسی طرح کہ یہ سلاسل تو بہت تھے۔ قبولیت عامہ چار کو نصیب ہوئی۔ اگر کوئی پوچھے ایسا کیوں؟ ہم کہیں گے کہ اللہ کی مرضی۔ یہ تو اللہ رب العزت کی مہربانی ہے۔

تاہم بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال عام طور پر پیدا ہوتا ہے اور بعض لوگ جو مخالفین ہیں تصوف وسلوک کے، وہ ذہنوں میں ڈالتے بھی ہیں، کہتے ہیں کہ یہ تصوف عربی چیز نہیں ہے، یہ عجمی چیز ہے۔ کہیں قرآن وحدیث میں اس کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ ذرا سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں۔

جبرائیل علیہ السلام دربارِ نبوی میں:

نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں۔ ایک شخص آتے ہیں، چہرہ بڑا تروتازہ ہے۔ بال بڑے سیاہ اور صاف کپڑے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو پہچانتے نہیں۔ مگر ہیں بڑے حیران، کہ جسم کی تروتازگی اور کپڑوں کی صفائی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قریب سے آیا ہے۔ کوئی سفر کے گرد کے نشان نہیں ہیں۔ لیکن ہم اس کو پہچانتے نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قریب کا بندہ نہیں دور کا بندہ ہے۔ سمجھ نہیں لگتی کہ کون ہے؟

وہ آ کر نبی علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گئے..... رکبتہ الی رکبتین..... انہوں نے اپنے یہ گھٹنے نبی علیہ السلام کے گھٹنوں کے ساتھ لگا لئے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام سے تین باتیں پوچھیں، ویسے تو زیادہ پوچھی تھیں، لیکن جن سے مجھے بات کرنی ہے وہ تین سوالات تھے۔

سب سے پہلا سوال پوچھا..... ماالایمان..... ایمان کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔ اللہ پر ایمان لانا، اس کے رسولوں پر..... اس کی تفصیل ہے۔ جب انہوں نے سنا تو کہا ..... صَدَقْتَ..... آپ نے سچ کہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہم اور حیران کہ خود ہی سوال پوچھ رہے ہیں اور جواب ملنے پر تصدیق بھی کر رہے ہیں کہ جیسے پتہ پہلے سے تھا۔

پھر دوسرا سوال پوچھا..... ماالاسلام..... اسلام کیا ہے؟ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا ۔نماز پڑھنا..... کچھ اعمال بتائے۔ انہوں نے پھر کہا..... صَدَقْتَ.....

پھر تیسرا سوال پوچھا..... ماالاحسان..... احسان کیا ہے؟ جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا..... ان تعبداللّٰہ کانک تراہ..... تم اللہ تعالیٰ کی عبادت ایسے کرو کہ جیسے اللہ تم کو دیکھ رہے ہیں۔..... فان لم تکن تراہ..... اگر یہ کیفیت حاصل نہیں کہ تم اسے دیکھتے ہو..... فانہ یراہ..... پھر یوں کرو کہ جیسے اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں، یہ مقام احسان ہے۔

یہ جو مقام احسان ہے، کیفیت ہے کہ ساری زندگی انسان ایسے گزارے کہ ہر وقت دل میں یہ کیفیت ہو کہ جیسے اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں اس کی نظر کے سامنے ہوں۔ یہ کیفیت احسان کہلاتی ہے۔

چنانچہ پھر انہوں نے قیامت کی نشانیاں پوچھیں، نبی علیہ السلام نے بتادیں۔

جب چلے گئے تو اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون تھے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا..... ھٰذا جبرائیل..... یہ جبرائیل تھے..... اتاکم یعلمکم دینکم..... تمہیں تمہارا دین سکھانے کیلئے آئے۔

اب بتایئے کہ یہ جو تیسرا سوال ہے..... ما الاحسان..... پھر یہ داخل دین ہوا کہ نہیں ..... اتاکم یعلمکم دینکم..... تمہیں تمہارا دین سکھانے کیلئے۔ معلوم ہوا کہ اس کیفیت کو حاصل کرنا، جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری نصیب ہو جائے، مصیبت کی کیفیت کا استحضار ہر وقت دل کے اندر رہے۔ اس کو علم الاحسان کہتے ہیں اور یہ عین دین میں شامل ہے۔

لہٰذا توجہ فرمائیں۔ کچھ باتیں ہوتی ہیں ماننے کی، ان کو ایمانیات کہتے ہیں۔ جیسے اللہ کو مان لینا۔ نبی علیہ السلام کو مان لینا۔ ملائکہ کے وجود کو مان لینا۔ آخرت کو مان لینا۔ جنت کو مان لینا۔ جہنم کو مان لینا۔ تقدیر کو مان لینا..... یہ ماننے کی باتیں ہیں۔ ان کا تعلق کس سے ہوا؟ ایمانیات سے ہوا۔

کچھ ہوتی ہیں کرنے کی باتیں۔ ان کا تعلق اعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ یہ سب کرنے کی باتیں ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔ یہ کرنے کی باتیں ہیں۔

کچھ ہوتی ہیں ماننے کی باتیں، کچھ ہوتی ہیں کرنے کی باتیں اور کچھ ہوتی ہیں سمجھنے کی باتیں۔ سمجھنے کی باتیں کیا؟ کہ ہر وقت یہ سمجھ کہ میں اللہ کے سامنے ہوں۔ اب یہ سمجھ نصیب ہو جائے، یہ کیفیت نصیب ہو جائے تو بندہ گناہ کی طرف قدم نہ بڑھائے۔

اللہ دیکھ رہا ہے:

کہتے ہیں کہ ایک باپ بیٹا جا رہے تھے۔ انگوروں کا باغ نظر آیا۔ پھل پکا ہوا تھا۔ باپ کا دل چاہا کہ انگوروں کا خوشہ توڑ کر کھالوں۔ اس نے بچے کو راستے پر کھڑا کیا، کہا کہ جب کوئی آئے دیکھنے والا تو مجھے بتا دینا اور خود باغ کے اندر چلا گیا انگور توڑنے کیلئے۔ جیسے ہی درخت کے

پاس پہنچا اور اس نے ہاتھ بڑھائے کہ میں انگور توڑوں۔ ادھر سے بچے نے چلانا شروع کر دیا کہ ..... یا ابی یا ابی احد یرانا..... اے ابا جان! ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔ باپ ڈر کر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ نہ بندہ نہ پرندہ۔

بچے سے کہتا ہے کہ یہاں تو کوئی ہے نہیں۔ تو نے کیوں شور مچایا؟ اس نے کہا کہ ابا جان! ہمیں بندے نہیں دیکھتے، بندوں کا پروردگار دیکھ رہا ہے۔

اب یہ کیفیت نصیب ہو جائے۔ اس کا تعلق سمجھنے کے ساتھ ہے۔ آپ اگر غور کریں تو پہلا سوال تھا۔ ان چیزوں کے بارے میں کہ جو جاننے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یعنی ایمانیات کے ساتھ۔ دوسرے سوال کا تعلق تھا ان کے ساتھ جو کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کو اسلام کہتے ہیں..... اور تیسرا وہ سوال تھا کہ جو تعلق تھا سمجھنے والی چیزوں کے ساتھ..... اور ان کو احسان کہتے ہیں۔

ایک بات پر ذرا غور کریں کہ ماننا اگر اکیلا ہو تو انسان جلدی اس چیز سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر سمجھ کر مانے تو وہ چیز محفوظ ہو جاتی ہے۔

چند کفریہ کلمات:

مثال کے طور پر ایک صاحب تھے، دین کا بے چارے کو علم نہیں تھا اور بیٹھے مناظرہ کرنے لگے کسی غیر مسلم سے۔ آپس میں بات کرتے ہوئے کہنے لگے، یار بات کریں ہم کھلی کھلی۔ نقل کفر کفر نا باشد۔ کہنے لگا کہ تو تھوڑی دیر ہندوازم کو چھوڑ دے اور میں تھوڑی دیر اسلام کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اس بے چارے کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ایک لمحہ کیلئے بھی اسلام کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چونکہ پتہ نہیں تھا۔ سمجھ کر نہیں مانا تھا اس نے، ایسی بات کہہ بیٹھا اور اس کہنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ بات ہو رہی تھی دو بندوں میں۔ اس نے کہا کہ لگتا ہے کہ تم بالکل وہی بے دین ہو۔ اگلے نے کہا کہ یوں ہی سہی۔

اب یہ جو لفظ کہا یوں ہی سہی، اتنے لفظ کہنے سے یہ بندہ دائرہ اسلام سے نکل گیا۔

مالا بدمنہ قاضی ثناء اللہ نے ایک کتاب لکھی۔ اس کے اندر انہوں نے بہت ساری باتیں لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں عوام کو پتہ نہیں ہیں مگر ایسا کلمہ زبان سے نکلنے سے انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر دو بندے بات کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ یار یہ تو شریعت کا حکم ہے۔ ایک نے کہا کہ شریعت تو یوں کہتی ہے۔ اگلے نے اگر کہا رکھ دوسری طرف شریعت کو ..... فقد کفر ..... ان الفاظ کے کہنے سے وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

ایمان بہت نازک ہے:

ایمان بہت نازک چیز ہے۔ بے سمجھے مانے گا تو جلدی محروم ہو جائے گا۔ سمجھ کر مانے گا تو پھر محروم نہیں ہوگا۔ جیسے چیز کی اہمیت کا پتہ ہو تو انسان اس کو ضائع نہیں ہونے دیتا، اہمیت کا پتہ نہ ہو تو پھر اس کو پتہ نہیں ہوتا۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے پیار محبت سے بچپن میں سونے کی انگوٹھی انگلی میں ڈالی۔ کہنے لگے کہ میں کھیلنے کیلئے گلی میں آ گیا۔ گلی میں ایک ٹھگ پھر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بچہ ہے، ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی ہے۔ اس نے مجھے بلایا، پیار کر کے کہا کہ اپنی انگلی کو ذرا چکھو، میں نے زبان لگا کر دیکھا تو بے مزا۔ پھر اس نے گڑ کی ڈلی نکال کر کہا کہ اس کو چکھو، میں نے چکھا تو بڑی مزے دار۔ کہنے لگا بے مزا چیز دے دو مزے دار چیز لے لو۔ کہتے ہیں کہ میں نے سونے کی انگوٹھی دے دی اور گڑ کی ڈلی لے کر واپس آ گیا۔

جب چیز کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوگا تو انسان کو ٹھگ لیا جائے گا۔ اسی طرح جس کو ایمان کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوگا۔ شیطان ٹھگ اس انسان کو موت سے پہلے ٹھگ لے گا۔

اس لئے ماننا ہے تو سمجھ کر ماننا ہے اور یہ سمجھنے کا جز آخر پر، پہلے ایمانیات، پھر اعمال، پھر احسان کا سوال ..... یہ سوال کس نمبر پر کیا گیا؟ تیسرے نمبر گیا، آخری نمبر پر۔ واقعی یہ جو احسان کی کیفیت ہے یہ انسان کی زندگی میں آخر میں آتی ہے۔ سارے علوم پڑھ کر، سارا کچھ سیکھ کر، مرتے مرتے بھی یہ کیفیت نصیب ہو گئی، انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں کامیاب ہو گیا۔

تصوف عربی ہے عجمی نہیں:

اس لئے یہ کہہ دینا کہ بھائی اس کا کہاں تذکرہ ہے؟ یہ عجمی چیز نہیں عربی ہے۔ خالص قرآنی ایمانی چیز ہے۔ قرآن نے اس کو تزکیہ کا نام دیا کہ تم نفس کا تزکیہ کرو، اس نفس کے تزکیہ کو آج اصلاح کہتے ہیں اور تصوف کہتے ہیں۔ حدیث نے اس کو احسان کا نام دیا۔

قرآن وحدیث سے یہ چیزیں ثابت ہیں۔ ہاں! رہ گئی بات طریقہ کار کی، کہ بھائی ایک بیماری کا طریقہ کار ہے۔ طریقہ کار، جیسے علماء امت علم سکھانے کیلئے وقت کے مطابق سلیبس بناتے رہے اور علم سکھاتے رہے۔

آج کوئی بندہ چاہے کہ میں علم پڑھوں تو کیا کہیں گے؟ بھائی چلو درس نظامی پڑھو۔ یہ درس نظامی کا لفظ کہاں سے آیا؟ پتہ تھا کسی صحابی کو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نام ہی نہیں تھا اور آج جسے کہو پڑھو تو کیا کہیں گے؟ درس نظامی پڑھو۔

اچھا درس نظامی میں ہے کیا؟ بخاری شریف، مسلم شریف، بخاری شریف کا نام کسی صحابی کو پتہ تھا؟ مسلم شریف کا نام کسی کو پتہ تھا؟ وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ ترمذی شریف کیا ہے؟ مگر یہ تدوین بعد میں ہوئی، اصول وہی تھا جو قرآن نے بتادیا۔ تفصیلات ہیں یہ، اسی طرح ماالاحسان کی تفصیل میں تصوف وسلوک کا اصول دے دیا گیا۔ آگے ذکر کا طریقہ آج کے دور میں کسی صاحب شریعت، صاحب نسبت بزرگ کے ساتھ تعلق رکھا، ایمان کیلئے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس کا تعلق ہوگا۔ ایمان سے محروم نہ ہوگا۔ ایمان سے محروم وہی ہوگا کہ جس کا کہیں کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کٹی پتنگ کی مانند ہے۔ اب کٹی پتنگ کو کوئی بھی لے سکتا ہے۔ شیطان ایسے بندے کو آسانی کے ساتھ اچک لیتا ہے۔

اس لئے بستہ ہے، بستن سے..... فارسی کا لفظ ہے، بندھا ہوا۔ کتابیں رکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میرا بستہ ہے۔ اور بندہ ہے بندگی سے، جو بندہ ہوجائے، اللہ کے ساتھ جڑ جائے اس کو کیا کہیں گے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔

اب ہم اللہ کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہاں! کئی دفعہ اللہ سے کٹ کر شیطان کے ساتھ جا بیٹھتے ہیں یا شیطان کی جو اتباع کرنے والے فاسق و فاجر ہیں۔ ان کے ساتھ جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب یہ تو ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔

اس لئے اللہ والوں سے جس کا تعلق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت فرمادیتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء کی تشریح:

حضرت مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ..... اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین) ایک مرتبہ ان کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا ہے:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

ایک لمحہ اولیاء کی صحبت میں گزارنا۔

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

ذہن میں خیال آیا کہ عبادت ہوتی تو چلو اور بات تھی کہ چلو عبادت ٹھیک نہیں تھی۔ مگر یہ تو کہا کہ عبادت بے ریا، ایسی عبادت کہ جس میں ریا کا بھی شبہ نہیں، اس سے ایک لمحے کی صحبت کیسے افضل ہوگئی۔

چنانچہ وہ اپنے شیخ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت! شعراء عام طور پر جب اپنے اشعار کہتے ہیں تو افراط و تفریط کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ کسی چیز کو لمبا چوڑا کر کے دکھا دیتے ہیں۔ کسی چیز کو گھٹا دیتے ہیں۔

مجھے یوں لگتا ہے کہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ کے شعر میں بھی اس طرح کا مسئلہ ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت نے فرمایا اچھا میں یہ شعر پڑھوں؟ جی پڑھیں۔ حضرت نے فرمایا:

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از لکھ سالہ طاعت بے ریا

حیران ہوئے کہ سو سال مسجد میں نہیں آ رہے تھے۔ حضرت آپ نے تو لاکھ سال کی بات کر دی۔ پھر حضرت حکیم الامت رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا تحقیقی جواب دیا۔ فرمایا دیکھو! شیطان نے لاکھوں سال اللہ رب العزت کی عبادت کی۔ لیکن بالآخر ایک ایسا وقت آیا کہ پھر ٹھکرا دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ لاکھ سال کی عبادت کے بعد بھی گارنٹی کوئی نہیں دے سکتا کہ انجام کیسا ہوگا؟

ایک شخص نے تین سو سال عبادت کی، لیکن بالآخر ایک ایسے عمل کا مرتکب ہوا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

.....وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ .....

چنانچہ ٹھکرا دیا گیا۔

انسان جتنی بھی عبادت کرے۔ گارنٹی تو کوئی نہیں کہ انجام کیسا ہو۔ یہ تو موت کے وقت پتہ چلے گا۔

ایک عمل ایسا ہے کہ جس عمل کی وجہ سے گارنٹی مل رہی ہے.....اور وہ گارنٹی نہ میں دے رہا ہوں، نہ آپ دے رہے ہیں، نہ ہمارے وقت کے علماء دے رہے ہیں۔ وہ گارنٹی اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔

یا اللہ! اس پاک زبان سے اگر وہ گارنٹی نکلی ہے تو سچی بات ہے کہ ہم تو ایمان لے آئے ان کی بات پر۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ والے وہ لوگ ہوتے ہیں.....ھم رجال لا یشقی جلیسھم .....کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ بد بخت وہ ہوتا ہے کہ جو ایمان سے محروم ہو جائے۔

ان کے پاس بیٹھنے والا ایمان سے محروم نہیں ہوسکتا۔ بد بخت نہیں ہوسکتا۔

معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی محبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایمان پر موت عطا فرمادیتے ہیں۔

اس لئے لاکھ سال عبادت ایک طرف اور اہل اللہ کی چند لمحوں کی محبت ایک طرف۔

اعمال کا دارومدار نیت پر:

اس لئے بخاری شریف کی ابتداء..... اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتُ..... اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ نیت کو ٹھیک کرنا کون سکھاتا ہے؟ مشائخ سکھاتے ہیں۔ نیت کو ٹھیک کرنے کے بارے میں مدرسہ میں نہیں سکھایا جائے گا۔ وہاں تو اس حدیث پاک کا ترجمہ پڑھایا جائے گا اور جب کوئی بندہ کہے گا کہ میں نیت کو کیسے ٹھیک کروں؟ فوراً کہیں گے کہ بھائی اپنا اصلاحی تعلق کسی کے ساتھ جوڑو۔

قلب کی حقیقت:

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ بچوں کو درس دے رہے تھے۔ درس کے دوران قلب کا لفظ آ گیا۔

حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے کہ عزیز طلباء! اگر آپ قلب کے لفظ کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہفت اقسام میں سے ہے یا ششم اقسام میں سے..... تو میں بتادیتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟

لیکن اگر تم قلب کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمتہ اللہ علیہ جو ہمارے دادا شیخ ہے، وہ ان دنوں دارالعلوم میں مقیم تھے وقتی طور پر، تو حضرت نے ان کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کیلئے تمہیں ان کی خدمت میں جانا پڑے گا۔

ہر کام رضائے الٰہی کے لئے کرو:

معلوم ہوا کہ ظاہر حدیث کا ترجمہ تو پڑھادیں گے۔ لیکن اگر کوئی اگلا سوال پوچھے کہ نیت

کیسے ٹھیک کرنی ہے تو پھر کدھر جائیں گے؟ مشائخ کی طرف۔

اس لئے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں آٹھ سال اپنے شیخ کی خدمت میں رہا اور میں نے آٹھ سال میں ایک چیز دیکھی اور سیکھی۔

سننے والے نے بڑا حیران ہو کر پوچھا آٹھ سال میں ایک چیز سیکھی؟ جی ہاں! میں نے صرف ایک چیز سیکھی، پوچھا کون سی؟ انہوں نے کہا کہ یہ چیز سیکھی کہ مجھے ہر کام اللہ کی رضا کیلئے کرنا ہے۔ آٹھ سال اس پر محنت کی۔

اگر نیت یہ کرو:

ایک بزرگ تھے۔ ان کو ایک صاحب اپنے گھر لے گئے۔ مکان نیا بنوایا تھا۔ وہ مکان دکھاتا رہا۔ ایک جگہ پر روشن دان بنا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ روشن دان، کیوں بنایا ہے؟ کہنے لگا کہ اس میں سے ہوا آتی ہے، روشنی آتی ہے۔ کمرہ ہوادار، منور اور روشن بن جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اللہ کے بندے! اگر تو نیت یہ کر لیتا کہ یہ کمرہ بند ہے۔ باہر کی آوازیں اندر نہیں آتیں۔ میں روشن دان اس لئے رکھوا رہا ہوں کہ جو بندہ اندر بیٹھا ہوگا اس کو مسجد کی اذان کی آواز آسانی کے ساتھ پہنچ جائے گی تو تجھے ہوا اور روشنی تو مفت میں مل جاتی، روشن دان بنانے پر اللہ کا اجر بھی مل جاتا۔

اب یہ نیت کا سکھانا علماء کے بجائے مشائخ سکھاتے ہیں۔ ہاں! وہ علماء جو مشائخ بھی ہیں، دونوں نعمتیں اللہ نے دی ہیں۔ یہ تربیت وہ بھی فرماتے ہیں۔

اس لئے یہ تربیت انسان کو پانی پڑتی ہے۔ ہمارے ان ملکوں میں اسلام مشائخ کے ذریعہ آیا۔ کہتے ہیں کہ اسلام ہندوستان کے اندر کن کی وجہ سے آیا؟ مشائخ کی وجہ سے آیا۔ پھر اس اسلام کو علماء کرام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے چمکایا۔ مشائخ عظام آنے کا ذریعہ بنے اور علماء کرام اس کے چمکانے کا ذریعہ بنے۔ اس لئے یہ جو شریعت ہے، یہ شریعت کی خادمہ اور شریعت کی محافظہ ہے۔ یہ شریعت سے الگ چیز نہیں ہے۔ اس لئے جس بندے کے دل میں اللہ

تعالیٰ کی محبت آجاتی ہے۔ اس کا تزکیہ نفس ہوجاتا ہے۔ سو فیصد اس کو پھر زندگی گزارنی آسان ہوجاتی ہے۔

تصوف کی نعمت کیسے ملے گی:

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ تمام سلاسل کی انتہا یہی ہے کہ سالک کو شریعت پر بے اختیار عمل کی توفیق نصیب ہوجائے۔ مکروہات شریعہ، مکروہات طبیعہ بن جائیں۔ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کا حکم دیا، انسان کی طبیعت بھی ان سے کراہت کرنے والی بن جائے..... اور یہ نعمت اس تصوف کے ذریعہ ملتی ہے۔ ذکر وسلوک کے ذریعہ سے ملتی ہے۔

تصوف کا اصل مقصود:

چنانچہ شیخ الاسلام پیر حلات رحمتہ اللہ علیہ نے کیا پیاری بات کہی، دل چاہتا ہے کہ سونے کی سیاہی سے اس کو لکھیں۔ فرمایا کوئی نقشبندی ہے۔ کوئی چشتی ہے۔ کوئی قادری ہے۔ کوئی سہروردی ہے۔ اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تم سب کچھ ہو، ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔

اصل مقصود تو یہ ہے ان تمام محنتوں سے کہ دل میں ایک اللہ رب العزت کی یاد آجائے۔ ایک لمحہ بھی انسان اللہ سے غافل نہ ہو۔ یہ اصل مقصود ہے۔ اس لئے ہمارے اکابر یہی بات سمجھاتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت تصوف کا مقصد کیا ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ یہ تصوف کا مقصود ہے۔

اب اس کو کون کہے گا کہ یہ عجمی چیز ہے۔ اس کو تو وہی کہے گا کہ یا تو جاہل ہوگا یا پھر متجاہل ہوگا۔ دوسرا بندہ تو نہیں کہہ سکتا۔

اب یہاں پر یہ بات سمجھ میں آئی کہ نیت کا سیکھنا ہی ایک نعمت ہے اور اس نیت کے بدلنے سے اعمال بدل جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک چھوٹا سا واقعہ سنادوں بات مکمل کرنے کیلئے۔

مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے والد مولانا یحیٰ رحمتہ اللہ علیہ گرمی کے دنوں میں ان کا ایک معمول تھا کہ عصر کے بعد چھٹی ہوتی تھی۔ مدرسہ میں طلباء کھیلتے ہیں۔ ورزش کرتے ہیں۔ طلباء کیلئے عصر کے بعد کھیلنا بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ جتنا باقی اوقات میں پڑھنا ضروری ہے۔ اگر نہیں کھیلیں گے تو ان کی صحتیں اچھی نہیں ہوں گی۔ یہ پڑھ بھی نہیں سکیں گے۔

وہاں ایک کنواں تھا۔ حضرت وہاں آجاتے، ایک دو طلباء ساتھ ساتھ آجاتے۔ حضرت ان کو فرماتے کہ میرے اوپر پانی کے ڈول پھینکتے جاؤ۔ چنانچہ طلباء پانی کے ڈول ڈالتے جاتے اور بیسیوں ڈول ان پر ڈالے جاتے اور حضرت آرام سے بیٹھے رہتے۔

ایک پڑوس میں رہنے والا بندہ تھا۔ حضرت کے ساتھ اس کا بہت زیادہ یارانہ تھا۔ تعلق تھا، دوستی تھی، محبت تھی اور حضرت کے سامنے وہ ہر بات بے تکلف کہہ لیتا تھا۔

اب وہ وہاں سے گزرتا اور کہتا کہ مولانا صاحب! ہمیں کہو کہ اسراف حرام ہے اور خود کئے جاؤ۔

یعنی آپ ہمیں تو یوں کہتے ہو کہ انسان نے اگر غسل کرنا ہو تو پھر اس کو بے حساب شریعت نے پانی بہانے کی اجازت نہیں دی۔ غسل کرنا ہے تو جتنی ضرورت ہے اتنا پانی بہاؤ اور اس کے بعد تم فارغ ہو جاؤ، زیادہ بہاؤ گے تو اسراف کا جرم ہو جائے گا۔

اسراف کا مطلب فضول خرچی، یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔

اب وہ کہے کہ حضرت ہمیں تو کہو کہ اسراف ہے اور خود اسراف کیے جاؤ۔ حضرت اس کے جواب میں مسکرائیں اور کہیں کہ تمہارے لئے حرام، میرے لئے حلال۔

اکابرین اور تصوف:

اور آگے آئیں، حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ ہمارے انڈیا میں ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کی تمام شاخوں میں کمال عطا کیا۔ چنانچہ وہ مفسر بھی تھے۔ تفسیر مظہری انہوں نے لکھی۔ اپنے شیخ مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے نام پر نام رکھا تفسیر مظہری..... اور یہ ایسی تفسیر ہے کہ آپ معارف القرآن پڑھیں یا بیان القرآن پڑھیں۔ آپ کو ہر تھوڑے صفحوں کے بعد تفسیر مظہری کا حوالہ کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ ایسے بزرگ تھے۔ محدث بھی تھے اور فقیہہ بھی تھے۔ قاضی تھے وقت کے اور شیخ طریقت بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کے تمام شعبوں میں کمال عطا فرما دیا تھا۔ یہ بیعت تھے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے، ان سے بیعت ہو کر کمالات حاصل کئے، تربیت پائی اور پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔

اور قریب آجائیں..... ہمارے اکابرین علماء دیو بند میں سے حضرت اقدس نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ، ان حضرات کو علمی اعتبار پر دیکھیں تو یہ جبال العلم میں سے تھے۔ لیکن ان کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ سے انہوں نے بالآخر بیعت کا تعلق حاصل کیا اور اللہ رب العزت نے پھر ان کے کمالات کو خوب آگے بڑھایا۔

اور قریب دیکھیں! حضرت اقدس تھانوی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت ایسی تھی کہ جو باطنی نعمت لے کر آئی اور پھر جامع الطریقت والشریعت بن گئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ ان کے شاگرد، حضرت بنوری رحمتہ اللہ علیہ نے ان سے سلوک حاصل کیا۔ حضرت مفتی محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ کے بانی نے ان سے سلوک حاصل کیا۔ حضرت خیر محمد جالندھری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت اقدس حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سے سلوک حاصل کیا۔

آخر ان حضرات نے اتنے علم کے باوجود بھی ان کی طرف کیوں رجوع کیا؟ اس لئے

کہ ان کی طرف رجوع کرنے سے ان کو باطنی کمال حاصل ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث ہیں۔ بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ مدرسہ میں چھٹیاں ہوئیں، حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا حضرت اتنا عرصہ گزر گیا بخاری شریف پڑھاتے ہوئے۔ مگر میں اپنے من کے اندر وہ چیز نہیں پاتا کہ جو مقصود ہے۔ مجھے طریقہ بتائیں۔

حضرت نے فرمایا کہ چھٹیوں میں تھانہ بھون آجانا، اللہ گوہر مطلوب عطا فرمادیں گے۔ محدث تھے، حدیث پڑھانے والے، بالآخر وہاں سے چل کر شیخ کے پاس گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو باطنی کمال عطا فرمادیئے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمتہ اللہ علیہ ہمارے اکابرین کی نشانیوں میں سے آخری آخری نشانی.....!

چنانچہ چھوٹی عمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ علم عطا کیا۔ جن لوگوں نے ان کا بیان سنا ہے، وہ جانتے ہیں کہ ایک لفظ پر بات شروع کرتے تھے۔ ایسے بات کرتے جاتے تھے لگتا تھا دریا بہتا چلا جارہا ہے۔ اتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا فرمایا تھا۔

ظاہری طور پر حسن و جمال بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ اتنی منور شخصیت تھے کہ ان کو دیکھتے ہی انسان حیران ہوجاتا تھا۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حرم شریف میں میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان کو دیکھتے ہی پوچھا کہ حضرت آپ نے یہ چہرہ کیسے بنایا؟

حضرت قاری صاحب نے جواب دیا کہ یہ چہرہ میں نے نہیں بنایا، یہ چہرہ تو میرے شیخ نے بنایا ہے۔

چھوٹی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بن گئے، اب اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال بھی عطا کیا، علم و کمال بھی عطا کیا اور چھوٹی عمر میں دارالعلوم کے مہتمم بھی بن گئے۔

انہوں نے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت میں اپنے اندر کبھی کبھی خود پسندی کی کیفیت پاتا ہوں۔ چونکہ اللہ نے مجھے ہر نعمت سے نوازا ہے ایسا نہ ہو کہ عجب کا مرتکب

ہو بیٹھوں۔

حضرت نے فرمایا کچھ وقت کیلئے اپنا کام کسی کے سپرد کردو اور تھانہ بھون آجاؤ۔ چنانچہ حضرت کے پاس خانقاہ میں آ گئے۔

حضرت نے فرمایا کہ تمہارا یہاں رہتے ہوئے صرف ایک کام ہے۔ کون سا؟ کہ جو لوگ نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں آتے ہیں۔ تم نے ان کے جوتوں کو سیدھا کرنا ہے۔

اتنے بڑے عالم.....اور کام کیا ذمہ لگایا؟ فرمایا کہ تم نے ان کے جوتے سیدھے کرنے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مہینہ نمازیوں کے جوتے سیدھے کئے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے عجب اور تکبر کو نکال دیا۔

بس اللہ راضی ہو جائے:

بھائی تصوف کا مقصود یہ ہے کہ نہ ہم نے رونا ہے نہ رُلانا ہے، نہ اڑنا ہے، نہ اڑانا ہے..... بلکہ ہم نے تو روٹھے رب کو منانا ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے تو ہمیں ہمارا مقصود حاصل ہو گیا۔

اس لئے جو حضرات ذکر کے ذریعہ سے محنت کر لیتے ہیں۔ ظاہر دیکھنے میں تو انسان ہوتے ہیں۔ مگر ان کے اندر واقعی انسانیت کے کمالات آجاتے ہیں۔

چند مثالیں:

ایک ہوتا ہے گنا اور ایک ہوتا ہے بانس۔ شکل میں دونوں ایک جیسے، مگر بانس کا درخت ہو تو تروتازہ بانس اور گنا بالکل ایک جیسا، شکل ایک جیسی، مگر حقیقت میں بڑا فرق، ایک رس سے خالی، ایک رس سے بھرا ہوا، ایک پھیکا ایک سراپا مٹھاس۔

بالکل اسی طرح ایک عام آدمی جس نے تربیت نہیں پائی، شکل میں وہ بھی انسان ہے۔ اور جس نے تربیت پالی، شکل میں وہ بھی انسان ہے۔ مگر ایک کی مثال بانس کی مانند ہے اور دوسرے کی مثال گنے کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے۔ اور اس کا دل اللہ کی

محبت کی مٹھاس سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی نماز میں اور اس کی نماز میں پھر زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

آپ کسی مزدور کو گھر لے کر آئیں اور کہو کہ پتھر توڑو، بجری بنانی ہے تو وہ پتھر توڑ رہا ہے۔ مگر اس کے جذبات کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مارے باندھے کام کر رہا ہے۔ اللہ کرے آٹھ گھنٹے ختم ہوں اور مجھے میری مزدوری ملے اور میں گھر جاؤں..... اور ایک فرہاد تھا۔ جس کو کہا گیا تھا کہ تم پہاڑ کو توڑو، دودھ کی نہر نکالو تو تمہیں محبوب سے وصل حاصل ہو جائے گا۔ فرہاد پہاڑوں کو توڑتا تھا۔

علامہ اقبال نے کیا مزے دار شعر لکھا۔ فرماتے ہیں:

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست

کہ فرہاد جب ضرب لگاتا تھا ہتھوڑے کی تو اس کو یوں لگتا تھا کہ ہر ضرب پر مجھے میرے محبوب کے وصل کی شراب کا جام مل رہا ہے۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست
فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

آج ہم مزدور والی نمازیں پڑھتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی محبت دل میں عطا فرمادے۔ پھر ہمیں فرہاد والی نمازیں نصیب ہو جائیں گی۔

پھر جب اللہ اکبر نماز میں کہیں گے تو پھر پوری دنیا کی چیزوں پر تکبیر پھیر دیں گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

آج کھڑے نماز میں ہوتے ہیں اور پہنچے پتہ نہیں کہاں ہوتے ہیں۔ بنیادی وجہ کیا ہے کہ دلوں میں محبت کی وہ کیفیت نہیں ہے۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

بہترین نسخہ جات:

ہمارے تمام امراض کی بہترین دوا یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت بھر جائے،

پھر فجر پڑھنی مشکل نہیں ہوگی۔ نکاح بچانا مشکل نہیں ہوگا۔ جھوٹ سے بچنا مشکل نہ ہوگا۔ اللہ کی محبت کی وجہ سے ہر کام کرنا ہمارے لئے آسان ہوگا۔

علامہ اقبال نے لکھا:

حقیقت خرافات میں کھوگئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
بھاتا ہے دل کو بیان خطیب
مگر لذت شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرگ
محبت میں یکتا امانت میں فرق
عجم کے خیالات میں کھوگیا
وہ سالک مقامات میں کھوگیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ایک وقت تھا۔ ہمارے سینے میں اللہ رب العزت کی محبت کے انگارے ہوا کرتے تھے۔ ہم رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے۔ الا اللہ کی ضربیں لگاتے تھے۔ سینوں میں دل کانپتے تھے۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبہ قلندرانہ

آج وہ نعمت چھن چکی ہے۔ آج اس نعمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے آج ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔ حاضری ہوتی ہے۔ حضوری نہیں ہوتی۔ جب وہ محبت آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ حاضری کے ساتھ حضوری بھی عطا فرمادیں گے۔

کہنے والے نے کہا:

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو راستہ سیماب

سیماب کہتے ہیں پارہ کو، اور پارہ جہاں رکھو وہ تھرتھراتا رہتا ہے۔ تو کہنے والے کہتے ہیں کہ میں نے فلسطین اور مصر میں بھی وہ اذان نہ سنی کہ جو اذاں دی جاتی تھی، اس کو سن کر پہاڑ بھی پارے کی طرح کانپتے تھے۔

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو راستہ سیماب
وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

کہاں گئے وہ لوگ؟ کتنے خلوص کا سجدہ کرتے تھے۔ پیشانی زمین پر ہوتی تھی۔ اللہ کی زمین ہی کانپتی تھی۔ یہ سجدے ہمیں اپنے من کو صاف کر کے نصیب ہوں گے۔ اللہ کے رنگ میں رنگے جانے سے نصیب ہوں گے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرمائے تا کہ ہم اللہ کی محبت میں ڈوب کر اس کی عبادت کرنے والے بن جائیں۔

آج تو ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ بھائی اشراق پڑھ لو، ایک حج، ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔

جب ہم سنتے ہیں کہ ثواب ملے گا۔ پھر ہم بھی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی عمل کرتے ہیں ثواب کی وجہ سے اور اگر محبت ہوئی، پھر ثواب کی پرواہ نہیں ہوگی۔ پھر کیا ہوگا حضرت مجذوب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

اللہ رب العزت ہمیں وہ اپنی محبت عطا فرمادیں، وہ عشق عطا فرمادیں تا کہ قیامت کے دن ہم اللہ رب العزت کے چاہنے والوں، محبت کرنے والوں کی صف اور قطار میں شامل کر لئے جائیں۔

اللہ وہ دل دے جو تیرے عشق کا گھر ہو
دائمی رحمت کی تیری اس پہ نظر ہو
دل دے کہ تیرے عشق میں حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ خبر ہو

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دو راستے

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(سورۃ یوسف:۲۱)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

تمہید:

اللہ رب العزت اس کائنات کے خالق ہیں۔ ہر چیز کے مالک ہیں۔ عزت اور کبریائی انہی کو بجتی ہے۔ وہ اپنی شان میں بہت بلند ہے۔ ان کا نام بھی بڑا...... وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ...... ان کی ذات بھی بڑی، اس لئے ہم کہتے ہیں...... اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا...... اور اللہ کی رضا بھی بڑی ...... وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ......

اللہ رب العزت بڑے ہیں۔ ہماری سوچ سے، فہم سے، ادراک سے، علم سے، محسوسات سے، زمان سے، مکان سے حتیٰ کہ انسان اپنی زندگی میں جو کچھ سنتا ہے۔ سمجھتا ہے۔ جو علم پاتا ہے، اللہ رب العزت اس سے بھی بڑے ہیں۔ ہم اس کو اپنے فہم و ادراک کی حد میں لا نہیں سکتے۔ وہ اتنی عظمتوں والے، اتنی کبریائی والے ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا...... الکبریاء رداء ی...... کبریائی میری چادر ہے۔ یہ اللہ ہی کو بجتی

ہے۔

پوری کائنات میں اللہ رب العزت کا حکم چلتا ہے۔ ایک پتہ بھی ایسا نہیں کہ جو کہیں گرے اور اللہ کے علم میں نہ ہو، کوئی ایسا خیال نہیں کہ جو بندے کے دل و دماغ میں پیدا ہو اور اللہ کے علم سے باہر ہو۔

جس کا علم اتنا
جس کا حلم اتنا
جس کی شان اتنی،
.....اس کا حکم اس کائنات میں چلتا ہے.....

حکم اللہ کا چلتا ہے:

چنانچہ آپ غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ مرضی ہر حال میں اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ ذرا چند مثالوں پر غور کیجئے۔

سیدنا آدم علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ہمیشہ جنت میں رہیں اور اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا میں بھیجا جائے تو بالآخر مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

سیدنا نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میرا بیٹا کشتی میں بیٹھ جائے اور اللہ رب العزت نہیں چاہتے تو بالآخر مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو زمین پر لٹا دیتے ہیں۔ چھری تیز کر لیتے ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں اور اس نیت سے چھری چلاتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کر دوں اور اللہ رب العزت نہیں چاہتے تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ شہد کھانے میں فلاں چیز کی مہک آتی ہے تو میں آج کے بعد شہد استعمال نہیں کروں گا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے محبوبانہ خطاب آ گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اس آیت کے اترنے کے بعد نبی علیہ السلام نے شہد دوبارہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

ہر حال میں مرضی اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ اب اگر کسی آدمی سے اللہ رب العزت کا حکم ٹوٹ جائے تو اس کیلئے دو راستے ہیں۔

ایک راستہ ہے سیدنا آدم علیہ السلام والا.....اور دوسرا راستہ ہے شیطان والا۔

آدم علیہ السلام کا راستہ یہ کہ اللہ رب العزت نے منع کر دیا تھا کہ تم نے اس درخت کا پھل نہیں کھانا مگر بھول ہوگئی۔ کھالیا گیا۔ جب اللہ رب العزت نے پوچھا کہ کیوں کھایا تو آگے سے کوئی بہانہ نہیں کیا، کوئی دلیل نہیں دی، بلکہ صرف اتنا کہا..... رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا.....اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا..... وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○.....اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں، ہم پر رحم نہ کریں تو ہم تو خسارہ پانے والے بن جائیں۔ معافی مانگی، اللہ رب العزت نے اس بھول کو معاف فرما دیا۔

ایک راستہ ہے شیطان کا کہ اللہ رب العزت نے حکم فرمایا.....اسجدوا لادم .....سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرو.....ابی واستکبر و.....اس کا انکار کیا، تکبر کیا۔ پھر جب پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو آگے سے بہانے بنانے لگا، لاجک پیش کرنے لگا۔ دلیل دینے لگا .....اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ.....میں اس سے زیادہ افضل، اچھا ہوں .....خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ ..... اے اللہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا، جو بلندی کی طرف جاتی ہے اور انہیں مٹی سے پیدا کیا، جس میں پستی اور عاجزی ہوتی ہے تو میں بہتر ہوں۔ اس لئے میں نے سجدہ نہیں کیا۔

کسی بڑے کے حکم کو نہ ماننا اور پھر پوچھنے پر آگے سے بہانے بنانا، دلیلیں دینا، اس کو ہٹ دھرمی، کٹ حجتی کہتے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ جب شیطان نے یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا..... فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ..... نکل جا میرے دربار سے، تو مردود ہے اور پھر یہاں تک نہیں، آگے بھی کہا.....وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.....قیامت کے دن تک تیرے اوپر میری لعنتیں برستی رہیں گی۔

دو راستے ہیں اک غلطی کو ماننے کا، معافی مانگنے کا راستہ.....ایک غلطی کو نہ ماننا اور آگے سے حجت بازی کرنا یہ دوسرا راستہ ہے۔

آپ اگر غور کریں آج ہماری اپنی زندگی میں یہ چیزیں بہت عام ہیں۔ اولاد ماں باپ کی بات نہیں مانتی اور جب پوچھا جائے تو آگے سے پھر بہانے، دلیلیں، ابو میں تو دوستوں کے ساتھ اس لئے بیٹھا ہوں.....کوئی نہ کوئی آگے سے بہانہ، میں ایسا نہیں ہوں جیسے میرے دوست ہیں۔ میں صرف ان کی باتیں سنتا ہوں، کرتا نہیں، بہانے!

شاگرد سے استاد پوچھے تو شاگرد بہانے۔ خاوند بیوی سے پوچھے تو بیوی بہانے۔ آج ہمارے ماحول معاشرے میں یہ مرض بہت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ غلطی کو ماننے کا رواج ہی ختم ہوتا جارہا ہے۔ جس کو دیکھیں کوئی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں، کوئی نہ کوئی اس کی لاجک پیش کردے گا۔

ایک آدمی رشوت لیتا ہے۔ آپ اس کو پوچھیں کہ آپ کیوں اللہ کے حکم کو توڑتے ہو؟ آگے سے کہے گا میں نے دو ہی روٹی کھانی ہے۔ بچوں کا پیٹ پالنا بھی تو فرض ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ تم نے بچوں کا پیٹ حرام سے پالنا ہے۔ تر لقمے کھلانے ضروری ہیں۔ خشک روٹی کا لقمہ بھی حلال طریقے سے کھلاؤ گے تمہارا فرض پورا ہو جائے گا۔ مگر نہیں، خواہش اپنی پوری کرنی اور پھر اس کو لاگو کرنے کے لئے آگے سے بہانے۔

اگر کوئی عورت پردہ نہیں کرسکتی تو کم از کم اپنے آپ کو قصوروار تو سمجھے۔ یہ کہے کہ میں کمزور ہوں۔ میرے اوپر شیطان غالب آگیا، میرے اندر اتنی ایمانی قوت نہیں کہ میں پردہ کرسکوں، زندگی گزاروں، نہیں، آگے سے کہے گی کہ چہرے کا پردہ کہاں سے ہوتا ہے؟ پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے۔ اب یہ جو آگے سے جواب دیئے جاتے ہیں۔ اس کو کٹ حجتی کہتے ہیں۔ اس کو ہٹ دھرمی کہتے ہیں، اس پر اللہ رب العزت کو بہت جلال آتا ہے۔

آج چونکہ ہماری عادت ہی بنتی چلی جارہی ہے۔ اس لئے کسی سے شریعت پر عمل کی بات کرو تو آگے سے سو باتیں بنائے گا۔ وقت کی ضرورت ہے کہ اس پوائنٹ کو کھولا جائے اور نوجوانوں کو سمجھایا جائے کہ پہلا گناہ اتنا بڑا نہیں تھا۔ یہ گناہ اس سے بہت بڑا ہے۔ شریعت کے کسی حکم پر عمل نہ کرسکنا کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔ انسان اس سے گناہ گار ہوتا ہے۔ مجرم بنتا ہے۔ مگر رہتا

مسلمان ہے۔ مانتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوتی ہے۔ میں غلط عادت میں مبتلا ہوں۔ میں اس بُری عادت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ میری کمزوری ہے۔ ایسا کہنے سے یہ مومن رہے گا۔ گو کہ گناہ گار ہوگا۔

لیکن اگر اس حکم کا انکار کرے کہ اس حکم میں حکمت کیا ہے؟ یہ کیوں ایسا ہے؟ تو شریعت کے کسی حکمت کا انکار کر دینا، اس سے انسان کافر بن جاتا ہے۔

ایک آدمی اپنے چہرے پر سنت نہیں سجا سکتا، سمجھے کہ میں کمزور ہوں، وہ گناہ گار بنے گا اور یہ گناہ اللہ کسی وقت بھی معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ سنت کا مذاق اڑائے تو اب وہ گناہ گار نہیں، اب دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے اس کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور یہ جو کٹ حجتی ہے اس سے باز آنے کی ضرورت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک اچھی صفت پیدا کی، وہ کیا؟ کہ سنو اور اس پر عمل کرو..... اسمعوا واطیعوا ..... تم جو سنو گے تم اس پر عمل کرو گے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ خلق تھا کہ جو نبی علیہ السلام سے سنتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت بھی لی کہ تم جو سنو گے اس پر عمل کرو گے۔

آج کل ہمارے اندر یہ صفت بہت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اول تو سنتے ہی نہیں۔ آپ غور کریں کہ دو بندے آپس میں بحث کر رہے ہوں۔ نہ یہ اس کی سنے گا نہ یہ اُس کی سنے گا۔ یہ بھی بول رہا ہے۔ وہ بھی بول رہا ہے۔ دونوں بولتے چلے جا رہے ہیں۔ سننے کو کوئی تیار نہیں۔

اولاد کو بات کرنا شروع کر دو تو بچہ بات سنتے ہی باہر نکل جائے گا۔ وہ ماں باپ کی نہیں سنتا۔ شاگرد استاد کی نہیں سنتا، چھوٹا بڑے کی نہیں سنتا۔ سننے کی عادت ہی نہیں رہی۔

اگر سن لیتے ہیں تو اِس کان سے سن کر اُس کان سے نکال دیتے ہیں۔ اس سنے ہوئے کو سمجھتے نہیں ہیں۔

سننا اور سمجھنا مومن کی شان ہے:

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجمع ہو، سن رہے ہو، پھر فرماتے تھے نہیں کن رہے ہو تم!

اللہ تعالیٰ بھی قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

..... وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ .....

تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جو کہتے ہیں کہ ہم سنتے ہیں اور وہ نہیں سنتے۔

اللہ تعالیٰ اسی کو توفیق دیتے ہیں عمل کی جو توجہ کے ساتھ سنتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

..... وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ .....

اگر اللہ تعالیٰ ان میں خیر پاتے انہیں سننے کی توفیق عطا فرما دیتے۔

یہ سننا اور اس کو سمجھنا، یہ مومن کی شان ہے۔ اس کو صفت کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ○

تم روگردانی نہ کرو، اور تم سنتے ہو تم وہ قوم ہو کہ سن کر عمل کرنے والی قوم ہو۔

قیامت کے دن کافر کو اسی پر افسوس ہوگا کہ کاش ہم سنتے اور سمجھتے۔ جہنمیوں سے جہنم کے فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ سمجھانے والا نہیں آیا تھا؟ تو آگے سے جواب دیں گے کہ آیا تو تھا۔ آیا تھا تم نے اس کی بات پر عمل کیوں نہ کیا؟ تو جواب میں کہیں گے:

..... لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ .....

اگر ہم سنتے اور اس کو سمجھتے آج ہم دوزخ میں جانے والوں میں سے نہ بنتے۔

معلوم ہوا کہ جو سنتے نہیں یا سمجھتے نہیں، پھر یہی ہیں جو جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

مومن کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بات کو سنتا ہے۔ سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔

آج آپ کسی سے دین کی بات کریں۔ آگے سے جواب ملے گا کہ جناب میں سب جانتا ہوں۔ بھائی جاننے کی بات نہیں، ماننے کی بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ مانتا کتنا ہے؟ قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا جانا تھا۔ قیامت کے دن سوال یہ ہوگا کہ تم نے جو کچھ جانا تھا، سمجھا تھا، کہا تھا، تم نے اس پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ بات تو عمل پر آ کر ختم ہوگی۔

اس لیے ہم سن کر ماننے کی عادت اپنے اندر ڈالیں، بیوی اپنے آپ کو سمجھائے کہ مجھے

اپنے خاوند کی بات کو سننا ہے اور اس کو ماننا ہے۔ چھوٹا اپنے آپ کو سمجھائے کہ میں نے بڑے کی بات کو سننا ہے۔ جب ہمارے اندر یہ خلق پیدا ہو جائے گا کہ جو سنیں گے اس پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ آپ سمجھ لیں کہ ہمارے لئے خیر کے راستے کھل جائیں گے۔

پریشانیوں کی وجہ:

آج ہماری پریشانیوں کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ نہ بڑوں کی سننے کو تیار.....اور اگر سن لیتے ہیں تو ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ کرتے وہی ہیں جو اپنی مرضی ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ کہ ہم خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ یہ عادت پھر مخلوق تک نہیں رہتی۔ بلکہ پھر اللہ کی بھی بات سن لیتے ہیں۔ سن کر اس پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ پھر اس کے حکموں کے آگے بھی بہانے بازیاں..... چنانچہ آج روشن خیالی کا جو ایک سلسلہ چلا، اس کا نتیجہ یہی نکل رہا ہے۔ ہر بندہ شریعت کی باتوں میں لاجک تلاش کرتا پھرتا ہے۔ اجی یہ شریعت کا حکم ایسے کیوں ہے؟ تم عقل کل کہاں سے بن گئے؟ آپ نے دین کو پڑھا کہ آپ کو دین کی پوری سمجھ آ جائے۔ پڑھتے ہیں کالج میں، یونیورسٹیوں میں، انگریزی سکولوں میں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں دین کی سمجھ آ جائے۔

بھائی جو بندہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں نہ گیا ہو، اس کو انجینئرنگ سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے جو دینی مدارس میں نہ پڑھا ہو اس کو دین کی سمجھ نہیں آتی۔

اللہ کے احکام کو ماننے میں جو لیت ولال کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی عادت ہوتی ہے کہ انسان کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ کٹ حجتی ہوتی ہے۔ یہ کٹ حجتی کرنا شیطان کا طریقہ ہے۔ معافی مانگ لینا یہ سیدنا آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اس لئے یہ بہت خوبصورت عادت ہے کہ جب بھی کوئی غلطی ہو اور کوئی بڑا پوچھے تو آدمی فوراً جواب میں کہے جی غلطی ہوگئی آپ معاف کر دیں۔ یہ اتنے خوبصورت الفاظ ہیں کہ بڑے سے بڑا مجرم اگر کسی کے سامنے کہہ دے تو دوسرے بندے کا دل اس کو معاف کرنے کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت کریم ہے۔

لہٰذا کوئی بھی غلطی ہو اس کا کیا نتیجہ ہونا چاہئے کہ انسان فوراً یوں کہے اللہ مجھ سے غلطی

ہوئی آپ معاف فرمادیں۔ یہ اعتراف جرم اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اللہ پسند فرماتے ہیں۔

جب اعتراف جرم کیا:

کہتے ہیں کہ اندلس میں ایک مرتبہ قحط پڑا، بارش نہیں ہوتی تھی۔ علماء نے فیصلہ کیا کہ ہم نماز استسقاء پڑھیں گے۔ چنانچہ شہر کے لوگ سب میدان میں جمع ہوئے اور انہوں نے خوب دعائیں مانگیں۔ بچے رو رہے ہیں، جانور پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں۔ مرد عورتیں اللہ کے سامنے رو رو کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بارش کے آثار نظر نہیں آتے۔ متواتر کئی دن دعائیں مانگتے رہے۔

بالآخر علماء نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ بادشاہ سلامت! اب تو ہم رو رو کر تھک گئے۔ اتنے دنوں سے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بارش کے آثار نظر نہیں آتے۔ لگتا ہے کہ ہم سے کوئی بڑا جرم ہوگیا ہے؟

بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس نے حقیقت کو سمجھا، کہ سب نے معافیاں مانگ لیں لیکن میں تو ابھی تک اس نماز میں شریک نہیں ہوا۔ بادشاہ کے سر پر تاج نہیں تھا۔ پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔ وہ اسی طرح اپنے تخت سے اٹھا اور اٹھ کر باہر کھلی جگہ پر آیا اور آ کر سجدے میں گر پڑا۔ عبدالرحمان ناصر اس کا نام تھا اور سجدے میں گر کر کہنے لگا اے اللہ! کوتاہیاں تو میری ہیں۔ غلطیاں تو میری ہیں..... اور ایک میری غلطیوں کی وجہ سے اتنے معصوم بچے پیاس کی شدت سے تڑپتے ہیں۔ جانور پریشان ہیں۔ مولا! میں غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تو میرے جرم کو معاف کردے۔

بادشاہ نے معافی مانگی تھی کہ آسمان پر بادل آئے اور اللہ تعالیٰ نے بارش برسادی۔

یہ اعتراف جرم اللہ کو بہت پسند ہے۔ اگر غلطی ہو جو کہ انسان سے ہو جاتی ہے تو اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ آگے سے لاجک بیان کئے جائیں، بہانے بنائے جائیں۔ آگے سے کٹ حجتی کی جائے، اللہ تعالیٰ غلطی کو معاف کردیتے ہیں۔ عمل کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اللہ رب العزت کا حکم ہر حال میں پورا ہو۔ حکم الٰہی کی عظمت ہم اپنے دل میں بٹھائیں۔

قیمتی بات:

اس لئے ابنِ قیم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے دوست! یہ نہ دیکھ کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ بلکہ اس اللہ کی عظمت کو سوچنا جس کے حکم کی تم نافرمانی کر رہے ہو۔

اب ایک صفائی کرنے والا چوڑھا جسے کہتے ہیں۔ بھنگی جسے کہتے ہیں۔ وہ کہے کہ میں نے صرف بادشاہ کے حکم کو بس تھوڑا سا توڑا ہے۔ میں نے تھوڑی سی نافرمانی کی ہے۔ تھوڑی سی نافرمانی کیا، بادشاہ کے حکم کی نافرمانی نافرمانی ہے۔ تھوڑی سی نافرمانی پر بھی اس کو سزا ملتی ہے۔

بندہ بندہ ہوتا ہے:

اسی طرح بندہ بندہ ہے، ہم اپنی اوقات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ رب العزت کے حکم کی عظمت دل میں بٹھائیں گے تو اللہ اپنی نعمتیں اور عطا کریں گے اور اگر اللہ رب العزت کے احکام کو توڑتے پھریں گے تو پھر اللہ رب العزت ہم پر مصیبتوں کو بھیجیں گے۔

آج آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں، اچھے دن ہوتے ہیں ان کے اندر عجب ہوتا ہے۔ تکبر ہوتا ہے۔ پھر اللہ رب العزت ان کے دن پھیر دیتے ہیں۔ جب دن پھرتے ہیں۔ پھر روتے ہیں اور جی ایک وقت تھا مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے سونا بن جاتی تھی۔ آج سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ بھی مٹی بن جاتا ہے۔ دن پھر گئے۔ رحمت کی وہ گھڑیاں گزر گئیں، اب پریشانی کے دن آ گئے۔

چنانچہ پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔ اس لئے حکم خدا کی عظمت کو دلوں میں بٹھائیں۔ حکم خدا، حکم خدا ہے۔

غم پر شکوہ نہ کریں:

محمود اور ایاز کی بات سنیں۔ بادشاہ نے ایاز کو دیکھا، کہ بادشاہ کی دی ہوئی چیز مزے سے کھاتا چلا جا رہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ایاز پھل کڑوا نہیں، اس نے کہا کہ کڑوا تو ہے۔ پھر تم کھاتے جا رہے ہو؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت! مجھے یہ خیال آیا کہ میں نے آپ کے ہاتھوں سے سینکڑوں مرتبہ میٹھی چیزیں لے کر کھائی ہیں۔ آج اگر کڑوی بھی مجھے مل گئی تو اسے واپس کرتے

ہوئے مجھے حیا آ گئی۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ چھوٹا سا واقعہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ اگر یہی معاملہ ہمارا اللہ کے ساتھ ہو جائے کہ اے اللہ تیری سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں نعمتیں ہمیں ملیں اور ہم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوئے، اگر آپ کی طرف سے کوئی پریشانی بھی آ گئی تو ہم آپ کے شکوے کیوں کریں، سوچنا چاہئے۔

صحت زیادہ بیماری تھوڑی۔

پیٹ بھرے کا وقت زیادہ اور بھوک کی حالت تھوڑی۔

خوشیاں زیادہ اور غم کی حالت تھوڑی۔

نعمتیں زیادہ ہیں ہمارے اوپر، آزمائشیں بہت تھوڑی ہیں۔ اگر کوئی ایسا آزمائش کا وقت آ جائے تو کاش ہماری بھی سوچ یہی ہو، کہ اے اللہ! تیری لاکھوں نعمتوں میں ہم پلے ہیں۔ اگر آج ایسی اونچ نیچ ہمارے اوپر آ بھی گئی تو ہم آپ کی شکایت زبان پر کیسے لائیں۔

ہم تو اپنے اللہ کے اتنے بھی وفادار نہ بنیں، جتنا ایک غلام اپنے بادشاہ کا وفادار بنتا ہے۔

حقیقت نہ بھولو:

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ ایک دوسری حکایت لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایاز نے ایک چھوٹی سی الماری بنائی ہوئی تھی۔ تالا لگایا ہوا تھا۔ یہ روزانہ اس کو کھولتا اور اس کے اندر جھانک کر دیکھتا، پھر اسے بند کر دیتا۔ لوگ اس سے چابی مانگتے کہ ہمیں بھی دیکھنے دو، یہ دیکھنے نہ دیتا، چابی بھی کسی کے حوالے نہ کرتا۔ لوگوں میں ایک تجسس سا پیا ہوا، کہ پتہ نہیں اس نے الماری میں کیا خزانہ چھپایا ہوا ہے؟ یہ بات جب بادشاہ کے دوستوں کو پتہ چلی تو حاسد تو تلاش میں ہوتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھیں! ہمیں لگتا ہے کہ اس غلام نے، اس دیہاتی نے اس الماری کے اندر کوئی ہیرے موتی چوری کر کے رکھے ہیں۔ یہ روزانہ ان کو جا کر دیکھتا ہے اور یہ کسی اور بندے کو دیکھنے بھی نہیں دیتا، چابی بھی نہیں دیتا۔ بادشاہ سلامت ذرا تحقیق کروائیں۔

بادشاہ نے اسی وقت ایاز کو بلا لیا، ایاز آیا۔ بادشاہ نے پوچھا ایاز! کیا تمہاری کوئی ایسی

الماری ہے؟ جی۔ تالہ لگا کر رکھتے ہو؟ جی، چابی کسی کو نہیں دیتے؟ جی، اور اس کو کھول کر خود چیک کرتے ہو؟ جی

جب سب باتوں کی تصدیق ہوگئی تو بادشاہ نے کہا چابی لاؤ، ایاز نے چابی حوالے کردی، بادشاہ نے ایک شخص کو بلا کر کہا کہ ابھی جاؤ اور جو کچھ الماری میں ہے۔ سب کچھ اٹھا کر میرے سامنے لاؤ۔ حاسد تو بڑے خوش ہوئے، نحال ہوگئے، اب اس کی حقیت کھلے گی۔ اب اس کا پتہ چلے گا۔ اب اس کو بادشاہ دھکے دلوا کر دربار سے باہر نکال دے گا۔ جان بھی چھوٹ جائے گی۔ سب خوش ہو رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بندہ واپس آیا اور اس نے آ کر جو چیزیں سامنے رکھیں، وہ ایک پرانا سا جوتا، تہبند، اور کرتا، یعنی کپڑے تھے پرانے، بوسیدہ قسم کے۔ بس یہی چیزیں تھیں۔ بادشاہ دیکھ کر حیران ہوا۔

بادشاہ نے کہا ایاز! یہ کل کائنات ہے تمہاری؟ اس نے کہا جی۔ اس کو تالے میں رکھتے تھے؟ جی، کسی کو دیکھنے نہیں دیتے تھے؟ جی، اور خود روز اس کو جا کر دیکھتے تھے؟ جی۔

بادشاہ نے پوچھا کیا وجہ؟ ایاز آگے سے جواب دیتا ہے۔ بادشاہ سلامت! جس دن پہلی مرتبہ میں آپ کے دربار میں آیا، یہ جوتے میں نے پہنے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے میں نے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے آ کر آپ کے دربار میں فریاد کی کہ مجھے اپنا نوکر بنالیں، آپ نے قبول کرلیا۔

اب آپ نے مجھے اتنی محبت دی، اتنا پیار دیا کہ، آج شاہانہ لباس ہے۔ میں آپ کا بہت قریبی سمجھا جاتا ہوں۔ یہ جو عزتیں ملیں۔ مجھے آپ کی وجہ سے ملیں۔ میں نے اپنے جوتے اور کپڑوں کو الماری میں رکھ لیا، روز جاتا ہوں۔ ان کپڑوں کو دیکھ کر اپنے آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ ایاز! اپنی اوقات کو یاد رکھنا، تیری اوقات یہ تھی۔ جو کچھ تو بنا پھرتا ہے۔ سب بادشاہ کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایاز نے جیسے اپنی اوقات کو یاد رکھا کاش! ہم بھی اپنی اوقات کو یاد رکھ لیتے۔ ہم اس دنیا میں آئے تو ہمارا کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں تھا۔

نہ مکان اپنا، نہ لباس اپنا، نہ کوئی مال اپنا، نہ خزانہ اپنا، نہ کرسی اپنی!

منہ میں دانت بھی نہیں تھے۔ عقل پختہ نہیں تھی۔ اپنا تو ہمارا کچھ بھی نہیں تھا۔ آج جو ہمیں اتنا کچھ ملا ہے۔ یہ کس کی نظر کرم ہے؟ اس مالک کا احسان ہے۔ کاریں ہیں، بہاریں ہیں۔ روٹی ہے، بوٹی ہے، بیوی ہے، اولادیں ہیں، عزتیں ہیں۔ یہ کس کی دین ہے۔ اس مالک کی دین ہے۔

جب اس مالک کی دَین ہے تو پھر اپنی اوقات کو کیوں یاد نہ رکھیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور اپنے آپ کو سمجھائیں کہ بندے اپنی اوقات کو یاد کر، اس مالک کی نافرمانی نہ کر جس نے اتنی نعمتوں میں تجھے پالا ہے۔

یہ خزاں کی فصل کیا ہے فقط ان کی چشم پوشی
وہ اگر نگاہ کر دیں تو ابھی بہار آئے

اس کی رحمت کی نظر ہوتی ہے۔ بہار آجاتی ہے۔ رحمت کی نظر ہٹتی ہے تو انسان کے حالات بدل جاتے ہیں۔

حکم بڑا ہوتا ہے:

ایک تیسرا واقعہ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی نے سوچا کہ لوگوں کی عقل کا امتحان لیتا ہوں کہ یہ کتنے سمجھ دار ہیں۔ اس نے خزانے سے بڑا سارا موتی لیا، بڑا قیمتی اور ایک ہتھوڑا بھی لیا اور دربار میں آکر اپنے دوستوں کو بتایا کہ آج میں سب کی ذہانت کا امتحان لوں گا۔

اس کے بعد اس نے پہلے بندے کو ہتھوڑا دیا اور ہیرا بھی دیا۔ کہا اس کو توڑو، اب تو وہ سمجھ رہا تھا کہ میری تو ذہانت کا امتحان ہے۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت! یہ ہیرا تو بڑا قیمتی ہے۔ یہ تو آپ کے خزانے میں اچھا لگتا ہے۔ اس کو تو توڑنا مناسب نہیں۔ اس نے تھوڑی سی دلیلیں دیں۔ بادشاہ نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے ہیرا واپس لے لیا۔

دوسرے کو کہا کہ تم توڑو، اس نے بھی بہانے بنائے، یہ تو بہت قیمتی ہے۔ بہت اچھا ہے۔ آپ اس کو اپنے پاس رکھ لیجئے توڑنے کے بجائے، بادشاہ نے کہا بہت اچھا۔

تیسرے کو دیا، سب نے یہی کیا، اس کو توڑا نہیں، بلکہ اس کو نہ توڑنے کی ایک آدھ لاجک بیان کر کے واپس کر دیا۔

سب سے آخر میں سلطان محمود نے وہ ایاز کو پکڑا دیا۔ ایاز اسے توڑو۔ ایاز نے اسے فرش پر رکھا اور جو زور کا ہتھوڑا مارا تو اس ہیرے کو اس نے ریزہ ریزہ بنا دیا۔ اب مخالفین سارے حیران کہ دیکھو! یہ اس کی بے وقوفی آج بادشاہ کو معلوم ہوگی۔ اتنے قیمتی ہیرے کو توڑ دیا۔ سمجھ ہی نہیں تھی۔ ایسا پاگل تھا۔ جب ہیرا ٹوٹ گیا تو بادشاہ بھی حیران..... ایاز سے پوچھا کہ ایاز! تم نے اتنا قیمتی ہیرا توڑ دیا۔

ایاز نے آگے سے جواب دیا، بادشاہ سلامت! آپ نے حکم فرمایا تھا۔ اس کو توڑ دو، اب میرے سامنے دو صورتیں تھیں، یا تو میں حکم کو مان لیتا، ہیرے کو توڑ دیتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ میں ہیرے کو بچا لیتا بہانہ بنا کر اور آپ کے حکم کو توڑ دیتا، میری نظر میں آپ کا حکم ایسے ہزاروں، لاکھوں ہیروں سے زیادہ قیمتی تھا۔ میں نے ہیرے کو تو توڑ دیا آپ کے حکم کو توڑنے سے بچا لیا۔

مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کیفیت بندے کی اللہ رب العزت کے بارے میں ہو جائے۔ اے اللہ! جو ٹوٹتا ہے ٹوٹ جائے، مگر آپ کا حکم کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ ہمیں بندگی کا مزا آ جائے، سلیقہ آ جائے زندگی گزارنے کا۔

واقعی ایسے ہی ہے کہ جو اللہ والے ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کر دکھاتے ہیں۔

ہم عظمتِ الٰہی کو دیکھیں:

آج کی اس مختصر بات کا نچوڑ یہ ہے کہ ہم حکم خدا کی عظمت دل میں بٹھائیں اور حکم خدا کو پورا کرنے کی ہر حال میں کوشش کریں اور اگر کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اعتراف جرم سے پیچھے نہ رہیں۔ پورا غلطی کو مان لیں، بہت خوبصورت عادت ہے۔ جی غلطی ہوگئی ہے۔ معاف کر دیں، ایسا کہہ دینے سے اگلے بندے کو کتنا غصہ کیوں نہ ہو وہ بھی معاف کر دے گا..... اور اللہ رب العزت کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی معاف فرما دیں گے۔

حجت بازی کرنا، کٹ حجتی کرنا۔ آگے سے لاجک دینا، یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بڑی ناپسند

ہے۔ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

انبیاء کرام علیہم السلام اس پروردگار کی عظمت کو سمجھتے تھے۔لہٰذا وہ اللہ رب العزت کی بے نیازی سے ڈرتے تھے۔کانپتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کے ساتھ وعدہ فرمایا میں تیرے اہل خانہ کو بچالوں گا طوفان سے، چنانچہ سیلاب شروع ہوا، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کلمہ گو جو ساتھی تھے ان کو کشتی پر سوار کرلیا۔

ایک ایسا موقع آیا کہ اپنا سگا بیٹا سامنے ہے۔حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

.....یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا.....

اے بیٹے ساتھ اس کشتی میں سوار ہوجا، مگر بیٹا کہتا ہے:

.....سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ .....

میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور اس پانی کے سیلاب سے بچ جاؤں گا۔ابھی اس نے یہ بات کی.....وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ..... ایسے ایک لہر آئی اور نوح علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ان کا جوان بیٹا پانی میں غرق ہوگیا۔

اب ہم میں سے کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آجائے تو ہمیں کتنا دکھ ہوگا کہ بیٹا کفر پر مر گیا، ایک ولی کے دل پر کتنا دکھ ہوتا ہے۔ایک نبی کے دل پر کیا گزری ہوگی کہ بغیر ایمان لائے یہ میرا جوان بیٹا دنیا سے چلا گیا۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ.....نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے فریاد کی.....فَقَالَ.....یہ عرض کیا.....رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ .....اے اللہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا.....وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ .....اور آپ کے وعدے تو سو فی صد سچے.....وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ○ .....اور آپ سب بڑوں سے بڑے ہیں۔حاکم ہیں۔

اب صرف اتنے الفاظ کہے تھے۔آگے اللہ رب العزت کی طرف سے خطاب آیا۔کیا فرمایا.....قَالَ یٰنُوْحُ.....ارشاد فرمایا اے نوح!.....اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ .....وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تھا اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ.....اس کے عمل اچھے نہیں تھے۔برے تھے۔برے عمل

کی وجہ سے وہ آپ کے اہل میں سے نہیں تھا۔

اگر اتنی بات بھی فرما دیتے تو کافی تھی۔ مگر اللہ رب العزت اللہ ہے۔ آگے سے اور ایسے الفاظ کہہ دیئے جن کو پڑھ کر انسان کی برداشت ختم ہوتی ہے۔ فرمایا..... فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ..... مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھ جس کا تمہیں علم نہیں ..... اِنِّيْ اَعِظُكَ ..... میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں ..... اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ..... کہ میرے سامنے جاہلوں والی بات مت کیجئے۔

وقت کے نبی ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال قوم کو دعوت دیتے گزر گئی ..... رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ..... اللہ! میں نے قوم کو دن اور رات تیری طرف بلایا ہے۔ جس نے زندگی کو یوں اللہ کے نام پر گزارا، آج اپنے بیٹے کی وفات پر غم زدہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے گزارش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا جواب آتا ہے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ میرے سامنے بے علمی کی باتیں نہ کریں اور میرے سامنے جاہلوں والی بات نہ کیجئے ..... اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ..... جب یہ خطاب آیا، نوح علیہ السلام اللہ کی عظمت کو جانتے تھے۔ آگے سے کوئی بات نہیں۔ کوئی تفصیل نہیں۔ کوئی وضاحت نہیں کی۔ بس اتنی بات کہی ..... قَالَ ..... یہ عرض کیا ..... رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ..... اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں آپ سے کوئی ایسی بات پوچھوں جس کا مجھے علم نہیں ..... وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ ..... اور اگر تو مجھے معاف نہ کردے، مغفرت نہ کردے ..... وَتَرْحَمْنِيْ ..... اور اگر اللہ تو نے مجھ پر رحم نہ کیا ..... اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ..... میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کی شان کو جانتے ہیں۔ عظمتوں سے واقف ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے سامنے یوں بندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔

کاش کہ ہم عظمت الٰہی کو سمجھتے، وہ بے نیاز ذات ہے۔ اگر عظمت خدا کو جاننا چاہتے ہیں تو چشم بصیرت کو کھولئے۔ بندگی کے نظارے دیکھئے۔ آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر بھیجا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کو کیسا خطاب کیا جا رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی ہچکچاہٹ کو دیکھئے۔ یعقوب

علیہ السلام کی آزمائش کو دیکھئے۔ یوسف علیہ السلام کے قید کے نظارے پر غور کیجئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سر کے اوپر آرے کو چلتا دیکھئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گردن کو کٹتا دیکھئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں گرفتار دیکھئے۔

یہ وہ لوگ تھے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ..... اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ ..... اللہ سے اتنا ڈرنے والے۔

اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ جب اس کا جی چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندہ کو آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

کبھی تو مکہ سے گزرتے ہوئے پتھر مروادیا کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اپنے محبوب کو عرش پر بلا لیتے ہیں۔

اس لئے عظمت الٰہی کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی رحمت کی نظر سے ہمیں صحت ملی، عزت ملی، بصارت ملی، گویائی ملی، دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نعمتیں دیں۔ یہ سب اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم اللہ کے حکم کو توڑیں گے اور آگے سے بیان بازیاں، حجت بازیاں کریں گے تو اللہ کی رحمت ہٹ جائے گی۔ پھر اللہ رب العزت یہ نعمتیں واپس لیں گے اور نعمتوں کے چھن جانے کے بعد پھر بندہ دنیا سے ذلیل وخوار ہوتا پھرتا ہے۔

ہم اپنی اوقات کو پہچان کر اپنے اللہ کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ہر حکم کے مطابق زندگی کو گزارنے کی کوشش کریں اور جو آج تک ہم غلطیاں کر چکے، گناہ کر چکے، ہم اللہ کے دربار میں معافی مانگیں، مولا! ہم اپنے نفس کی خباثت کی بنا پر تیرے حکموں کو توڑ چکے، تیرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو چھوڑ چکے۔ ہم غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ اے رب کریم! آپ ہمیں معاف کر دیجئے۔

اللہ رب العزت ہمارے قصوروں کو معاف فرمادے، ہمیں آئندہ نیک کاری، پرہیز گاری کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پردہ کیوں ضروری ہے؟

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا ○

(سورۃ بنی اسرائیل :۳۲)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی
الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

تمہید:

بچوں کی تربیت کے عنوان سے بات چیت ہو رہی تھی۔ جب بچے نوجوان ہو جاتے ہیں، تو یہ زندگی کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی اپنی سوچیں ہوتی ہیں۔ احساسات ہوتے ہیں۔ اپنے جذبات ہوتے ہیں۔ جس طرح ان کو کھانا، پینا سونا..... اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح ان کو اپنی جنسی ضروریات کو پورا کرنے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ شریعت وسنت نے اس کا بہترین حل یہ بتایا کہ جب بھی بچی کے جوڑ کا خاوند مل جائے، فوراً اس کی شادی کر دی جائے۔ ہمارے مشائخ اس بارے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ جیسے ہی انہیں پتہ چلتا کہ بچی گھر میں جوان ہو گئی تو ایک سے دوسرا مہینہ اپنے گھر میں نہیں آنے دیتے اس کی رخصتی کر کے فریضہ ادا کر دیتے تھے۔

اس لئے کتابوں میں لکھا ہے جوان ہونے کے بعد بیٹی کی اگر شادی نہ ہوئی تو وہ جو

گناہ کا کام کرے گی، وہ ماں باپ کے ذمہ اعمال میں بھی جائے گا۔ آج تو حالت ایسی ہے کہ جہیز کی تیاریوں میں اور اِدھر اُدھر کی تیاریوں میں اتنی دیر لگا دیتے ہیں کہ ایک بیٹی کی شادی کر رہے ہوتے ہیں اور اس سے نیچے کی تین بیٹیاں بھی جوان ہو رہی ہوتی ہیں۔ اب ایسی صورت میں کہ جب بچے جوان ہو گئے اور اس کو دس پندرہ سال پھر ماں باپ کے گھر رہنا پڑا تو اس دوران تو پھر وہی گناہ سے بچے گی جو یا تو غیبہ ہوگی یا پھر اللہ کی ولیہ ہوگی۔ غیبہ کہتے ہیں کہ جس کا دماغ کام نہ کرتا ہو۔ پاگل سی ہو..... اور ولیہ کہتے ہیں جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے ولایت کے نور سے روشن کر دیا ہو۔ ان دونوں کے درمیان میں جو کوئی ہے اس کا گناہ سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ شیطان گناہ کی طرف لاتا ہے اور انسان کا اپنا نفس گناہ کی طرف کھینچتا ہے۔

عفت وعصمت کی حفاظت پر اجر:

کچھ لوگ ہوتے ہیں جو انسان کی شکل میں شیطان کے نمائندے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کلاس فیلوز ہوں، اپنے قریب کے رشتے دار ہوں یا اجنبی غیر محرم ہوں وہ بھی گناہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پھر ریڈیو، ٹی وی، گانا موسیقی، ویڈیو اور انٹرنیٹ کے اوپر چیٹنگ ..... اس نے جلتی پہ تیل کا کام کر دیا۔ ایسی صورت حال میں جب اس نوجوان بچی کو ہر طرف گناہوں کی کشش کھینچتی ہے تو پھر اس کی سوچوں میں فرق آنا شروع ہو جاتا ہے۔ حیا ایک قدرتی اور فطری چیز ہے جو اللہ نے عورت میں رکھی ہے۔ اس کے لئے حیا اور پاکدامنی کی زندگی گزارنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کو اپنے اندر ایک جنگ کرنی پڑتی ہے۔ اب خوش نصیب بچیاں اس جنگ کو سمجھتی ہیں کہ ہم جہاد کر رہی ہیں۔ مرد دشمن کے سامنے میدان جنگ میں جا کر جہاد کرتے ہیں اور بچیاں اپنے گھروں میں رہ کر اپنے نفس کے ساتھ جہاد کر رہی ہوتی ہیں۔ ان کو اِدھر اُدھر سے گناہ کی دعوتیں ملتی ہیں مگر وہ سمجھتی ہیں ہم نے اپنے ناموس کی حفاظت کر لی تو اللہ کی نظر میں ہم فتح یاب ہونگی۔

جس طرح مجاہد اگر جنگ میں فتح پائے تو غازی بنتا ہے۔ اسی طرح اگر بچی اپنی عزت وناموس کی حفاظت کر گئی تو وہ اللہ کی نظر میں غازیہ ہوگی۔ مردوں کا جہاد میدان جنگ میں، عورت کا

جہاد چوبیس گھنٹے اپنے گھر میں رہتے ہوئے اپنے نفس کے ساتھ۔ مرد کا جہاد کھلا ہوتا ہے، سب کے سامنے ہوتا ہے۔ نوجوان بچی کا جہاد چھپا ہوا ہوتا ہے وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتی۔ کسی کو اپنے دل کے راز کھول بھی نہیں سکتی کہ کہاں کہاں سے شیطان اس پہ حملے کرتا ہے۔ نفس اس کو کہاں کہاں جال میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے۔ بس وہ اپنے رب کے سامنے فریاد کر سکتی ہے اور اپنے آپ کے ساتھ جہاد کر سکتی ہے تاکہ وہ اس میں کامیاب ہو جائے۔

ضروری بات:

یہ بات ذہن میں رکھنا کہ عورت کی ہر غلطی معاف ہو جایا کرتی ہے لیکن کردار کی غلطی کبھی معاف نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے عورت کی تربیت میں اگر کوئی اور کمی رہ گئی کہ زبان دراز ہے، غصے کی تیز ہے، ضدی ہے، کام چور ہے، غافلہ ہے، سست ہے..... اس قسم کی اس کی تمام کمزوریاں برداشت آسانی سے کر لی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے کردار کی کمزوریاں برداشت کرنے کیلئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ اس لئے جوان بچیوں کے لئے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا یہ سب سے بڑا کام ہے۔ اللہ رب العزت نے جہاں قرآن مجید میں چوری کا تذکرہ کیا، وہاں فرمایا:

..... وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا .....

چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت ان دونوں کے ہاتھوں کو کاٹ دیا جائے۔ مرد کا تذکرہ پہلے اور عورت کا تذکرہ بعد میں لیکن جہاں زنا کا تذکرہ آیا وہاں اللہ تعالیٰ نے عورت کا تذکرہ پہلے کیا:

..... اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ .....

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد..... مفسرین نے لکھا ہے کہ جب تک عورت خود ڈھیل نہ دے، خود موقع مہیا نہ کرے، مرد کوشش کے باوجود عزت و ناموس پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ پھر چوری کرنا مردانگی کے زیادہ خلاف تھا۔ اس لئے وہاں پر مرد کا تذکرہ پہلے کیا۔ زنا کرنا حیا کے خلاف ہے اور حیا عورت میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے عورت کا تذکرہ پہلے کیا۔

ناموس کی حفاظت کیسے؟:

لہٰذا جوان بچی کیلئے دنیا میں سب سے بڑا کام اپنی عزت کی حفاظت کرنا۔ اس کو یوں محسوس ہونا چاہئے کہ ہر غیر آدمی میری طرف لالچ کی نظر رکھتا ہے اور میں نے اپنے آپ کو خود بچانا ہے۔ جس طرح چراغ جل رہا ہو تو ہوا کے جھونکوں سے خود کو بچایا جاتا ہے۔ نہیں بچائیں گے تو کوئی تھپیڑا آئے گا چراغ گل کر جائے گا۔ اسی طرح بچی سمجھے کہ میری عزت و ناموس کا چراغ جل رہا ہے۔ آندھیوں سے۔ ہواؤں سے اسے میں نے بچانا ہے۔ اگر میں نے غفلت کی تو کوئی تھپیڑا لگے گا اور میری عزت کا چراغ گل ہو جائے گا۔ یہ عورت کا دنیا کے اندر رہتے ہوئے سب سے بڑا کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے۔

ایک زریں نصیحت:

ایک نابینا کے بارے میں ایک واقعہ آتا ہے کہ رات کا وقت تھا اسے پانی لانے کی ضرورت پڑی، کہیں دور سے اس نے پانی کا گھڑا اپنے سر پہ رکھا اور لاتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ میں چراغ جلا کر پکڑا ہوا تھا۔ اب دیکھنے والے بڑے حیران تھے۔ کہنے لگا آپ تو نابینا ہو آپ کو اس روشنی سے فائدہ تو کوئی نہیں۔ آپ تو اپنے اندازے کے مطابق راستوں کے اوپر چلتے ہو تو آپ کو تو روشنی کی ضرورت ہی نہیں۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے روشنی کی ضرورت نہیں لیکن رات کا اندھیرا ہے۔ آنکھوں والے جب اندھیرے میں چلتے ہیں تو ان کو صحیح پتہ نہیں چلتا۔ میں نے چراغ جلا کر اس لئے پکڑ لیا کہ کہیں کوئی آنکھوں والا مجھ نہ ٹکرائے اور اس کی وجہ سے میرا گھڑا نہ ٹوٹ جائے۔

اندھا کتنا سمجھدار تھا کہ اس نے چراغ اس لئے پکڑا تھا کہ دوسرے لوگ راستے کو دیکھیں اور مجھ سے مت ٹکرائیں۔ اس لئے کہ اگر ٹکرائیں گے تو نقصان تو میرا ہوگا۔ جوان عورت کو بھی یہی سوچ رکھنی چاہئے اگر میں بے پردہ باہر نکلی، اگر کسی غیر محرم نے دیکھ لیا اور اس کی نظر میں فتور آ گیا، اگر میں نے کسی کے ساتھ تنہائی میں باتیں کیں، اگر میں نے کسی کے ساتھ ٹیلی فون پر باتیں کرنا شروع کر دیں اور ذرا سا بھی کسی کو موقع دیا تو عزت تو میری خراب ہوگی۔ دنیا کی بھی

بدنامی اور اللہ کے ہاں کی بھی ناراضگی اور میں اس جہاد میں پھر ناکام ہو جاؤں گی۔ اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤ نگی؟ اس لئے اس کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔

بڑی اہم ذمہ داری:

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں آیا کہ اس بارے میں اتنا احتیاط کرتی تھیں کہ جب کبھی صحن کے اندر فارغ بیٹھی ہوتیں، کوئی تسبیح وغیرہ کر رہی ہوتیں تو کھلے صحن کی طرف چہرہ نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ دیوار کی طرف چہرہ کر کے بیٹھتی تھیں کہ غلطی سے بھی کسی کی نظر پڑنے کا امکان نہ ہو۔ اب سوچئے کہ اپنے گھر میں بیٹھی ہوئی عورت صحن کی طرف چہرہ کر کے اس لئے نہیں بیٹھتی کہ ممکن ہے کہ دروازہ کھلے یا کوئی اور ایسی صورت بن جائے غلطی سے بھی کسی کی نظر نہ پڑے تو وہ بیٹھتی بھی تھیں تو دیوار کی طرف اپنا چہرہ کر کے بیٹھتی تھیں۔ تاکہ کسی کی نظر پڑنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ عورت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ فرض منصبی ہوتا ہے۔ اس کا دنیا میں رہتے ہوئے سب سے بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے۔ اگر اس کی عزت لٹ گئی، اس کا سب کچھ لٹ گیا۔ اس کے پلے کچھ نہ بچا۔ اس لئے عورت کو اس معاملے میں ضرورت سے زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔

مسلمہ حقیقت:

ایک اصول ذہن میں رکھ لیں، افسوس کے ساتھ مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ مرد ہمیشہ Opportunisth ہوتے ہیں۔ یہ طے شدہ بات ہے۔ آزمائی ہوئی بات ہے۔ آپ کو اسے آزمانے کی ضرورت نہیں۔ اصول بنالیں کہ مرد ہمیشہ موقع پرست ہوتے ہیں۔ عورت کے معاملے میں مرد اٹھارہ سال کا جوان ہو یا اسی سال کا بوڑھا ہو، سب کی حالت ایک جیسی ہوتی ہے۔ جب بے پردہ عورت نکلتی ہے، ایک ہی وقت میں اس کو جوان بیٹا بھی لالچ کی نظر سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اس کا سفید بالوں والا باپ بھی اس لڑکی کو لالچ کی نظر سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ عورت مرد کی ایک کمزوری ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت کے مردوں پر سب سے

زیادہ جس چیز کا خطرہ ہے، وہ عورت کا فتنہ ہے۔ اس لئے یہ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچائے۔ شریعت نے مردوں کو بھی کہا کہ وہ اپنی نگاہوں کا لحاظ کریں، خیال رکھیں۔ عورت کو بھی کہا کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کا خیال رکھیں۔ آج کل کی جوان بچیاں سمجھتی ہیں کہ نظروں کو نیچے کرنا تو مرد کا کام ہے وہ کیوں ہماری طرف دیکھتے ہیں اور اس چیز کو بھول جاتی ہیں کہ ان میں بھی نفس ہے اور ان کے ساتھ شیطان ہے۔ ان کی نظر بھی اگر غیر مرد پر پڑے گی تو ان کے بھی فتنے میں پڑنے کا خطرہ ہے۔

قرآن مجید میں گواہی دے دی ہے:

..... اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ.....

کہ پردے میں رہو بیبیو! یہ ان مردوں کے دلوں کے لئے بھی، پاکیزگی کے لئے اچھا ہے اور تمہارے دلوں کی پاکیزگی کے لئے بھی اچھا ہے۔

دلوں کے بھید جاننے والے اللہ نے فیصلہ فرمادیا کہ جب بھی انسان نظر کی کوتاہی کرتا ہے تو مرد کے اندر بھی اس سے گناہ آجاتا ہے اور عورت کے دل میں بھی گناہ کے خیالات آتے ہیں۔ لہٰذا کسی کو رابعہ بصری بننے کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات کو قبول کرنے کی ضرورت ہے اور اس بات کو مان لینا چاہئے کہ عورت کے لئے بھی اپنی نظر کی حفاظت کرنا ضروری ہے، مرد کے لئے بھی اپنی نظر کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ تاہم مرد کو بھی منع کیا گیا، عورت کو بھی منع کیا گیا۔

جوان بچی کے لئے دنیا کا سب سے بڑا اہم کام اور فرض اس کا اپنی عزت وعصمت کی حفاظت ہے۔

ایک مثال:

مثال سنئے! فرض کرو کہ آپ کے پاس دس ہزار ڈالر ہیں اور آپ حج کیلئے سفر کررہی ہیں تو کیا خیال ہے آپ اپنے اس پیسے کو عام کسی شاپر کے اندر ڈال کر سفر کرتی پھریں گی؟ نہیں! آپ اسے Lock میں رکھیں گی۔ چھپا کر رکھیں گی کہ آپ اگر حرم شریف جائیں اور پیچھے کوئی

آپ کے کمرے میں بھی آ جائے صفائی کرنے والا تو وہ بھی آپ کی اس رقم کو نہ دیکھ سکے۔ جب آپ کو اپنی رقم ...ے رکھنے کا اتنا خیال ہے کہ اسے Locked key میں رکھنے کے باوجود بھی ایسی جگہ چھپا ... ...کتی ہیں کہ ڈھونڈنے والا بھی نہ ڈھونڈ پائے تو عزت وعصمت تو اس سے بھی بہت زیادہ قیمتی ہے۔ آپ اپنے آپ کو بھی اس طر... ...دوں سے چھپا کر رکھیں کہ اگر کسی کی نیت میں فتور بھی ہو تو اس کا ہاتھ آپ تک پہنچ نہ پائے۔ اس ...ئے شریعت نے ہمیں حیا اور پاکدامنی کی تعلیم دی۔ اس قدر پاکدامنی کی تعلیم دی کہ شریعت نے حکم دیا کہ عورت اگر کنگھی کرے اور اس کے کچھ بال ٹوٹ جائیں تو ان ٹوٹے ہوئے بالوں کو بھی عام جگہوں پہ نہ ڈالے۔ ممکن ہے کسی غیر مرد کی نظر پڑ جائے اور یہی بال اس کے لئے عورت کی طرف میلان کا سبب بن جائیں۔ جو شریعت عورت کے جسم سے ٹوٹے ہوئے بالوں کی بھی بے پردگی کو پسند نہیں کرتی، وہ زندہ عورت کی بے پردگی کیسے پسند کرے گی؟

جس شریعت نے یہ حکم دیا کہ عورت اگر فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ جب قبر میں اتارا جانے لگے تو فقط قریب کے لوگ اتاریں۔ غیر محرم مرد بھی اس کو ہاتھ لگانے سے پرہیز کرے۔ پھر زندگی میں جیتے جاگتے شریعت کیسے پسند کرے گی کہ یہ عورت اپنے آپ کو کسی غیر کے حوالے کرے۔ اس لیے یہ ایک بہت اہم عنوان ہے اور آج کل چونکہ عریانی عام ہے۔ فحاشی عام ہے...... اور ہم ایک ایسے ماحول میں رہتے ہیں کہ جہاں پر مسلمان ہیں، غیر مسلم بھی ہیں اور غیر مسلموں کے نزدیک چونکہ کسی کو کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اس لئے وہ آدھے ننگے جسموں کے ساتھ چلتے پھرتے ہیں۔ مسلمان بچیاں بھی دھوکے میں آ جاتی ہیں۔

نظر اور دل کی پاکیزگی:

یاد رکھنا مسلمان حیا والا ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا:

...... الحیاء شعبة من الایمان ......

حیا ایمان کا شعبہ ہے...... اور ایک جگہ فرمایا...... اذا فاتك الحیاء ...... جب تجھ سے حیا رخصت ہو گی پھر جو چاہے کرتا پھرے۔

حیا ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہ فطرت ہے عورت کی کہ وہ حیادار ہوتی ہے۔ جس عورت سے حیا چلی گئی، یوں سمجھ لے کہ مجھ سے اللہ کی نعمت چھن گئی۔ نہ اس کیلئے دنیا میں عزت ہے اور نہ اس کے لئے آخرت میں عزت ہے۔ اس لئے اپنی نگاہوں کو پاک رکھنا، اپنے دلوں کو صاف رکھنا، اپنے ناموس اور عزت کی حفاظت کرنا یہ عورت کے فرائض میں سے سب سے بڑا فریضہ ہوتا ہے۔ جیسے آپ گاڑی چلا رہی ہیں تو گاڑی آپ اتنی احتیاط سے چلاتی ہیں کہ آپ کو پتہ ہوتا ہے کہ سامنے سے آنے والی گاڑیاں ہوسکتا ہے وہ مجھے ٹکر ماریں تو میں نے اپنی گاڑی کو بچانا ہے۔ اسی طرح آپ یوں سمجھئے کہ ہر گزرنے والا مرد آپ کے ناموس کے ساتھ ٹکراتا ہے۔ اپنے ناموس کی گاڑی کو بچانا یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ ڈرائیور کبھی غافل نہیں ہوتا کہ جی میں تو چلتا رہوں، دوسروں کو چاہئے کہ وہ ایکسیڈنٹ سے اپنے آپ کو بچائیں۔ نہیں، خود ڈرائیور اپنے آپ کو بچاتا ہے کہ ایکسیڈنٹ نہ ہونے پائے۔ اسی طرح، جوان بچی کو اپنے آپ کو خود محفوظ کرنا ہے کہ کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہونے پائے۔ شریعت نے اس کی ابتداء ہی ایسے کردی ہے۔

پردے کی بات:

فرمایا کہ مخلوط محفلوں سے پرہیز کرو۔

چنانچہ عورت فقط ان مردوں کے سامنے آسکتی ہے جو محرم کہلاتے ہیں۔ جہاں حیا کا رشتہ ہے۔ جہاں جنسی ہوس ناکیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ الفتیں، محبتیں سچی ہوتی ہیں۔ جیسے باپ کا رشتہ، بھائی کا رشتہ، یہ محرم رشتے ہیں اور جہاں اس سے ایک قدم آگے بڑھا اور نگاہوں میں لالچ آجاتی ہے، حرص آجاتی ہے۔ ہوس آجاتی ہے۔ شریعت نے وہاں پردے کا حکم دے دیا۔ اس لئے کئی غیر محرم جو گھروں میں رہتے ہیں، ان سے بھی بچنے کا حکم دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا..... الکور موت ..... کہ دیور تو موت ہے۔ اب یہ غیر محرم ہوتا ہے کہ رہتا بھی قریب ہے اور ہوتا بھی غیر محرم ہے اور عورت کے لئے اپنے آپ کو بچا کے رکھنا یہ انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ غیر محرم سے حتی الوسع بات ہی نہ کریں۔ بچیاں

یہ دستور بنالیں۔ اصول بنالیں کہ انہیں غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ موقعہ ہی نہ آئے غیر محرم سے بات کرنے کا وہ اس قدم پہ اپنے آپ کو روکیں کہ نہ تو غیر محرم کو دیکھنا ہے اور نہ غیر محرم کو اپنا جسم دیکھنے کا موقع دینا ہے اور نہ اس سے بات کرنی ہے۔ اس لئے کہ جب بات کرنے کا موقع ملتا ہے تو پھر شیطان کو درمیان میں Function کرنے کا موقع مل گیا۔

جہنم کا فون:

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب بھی کوئی غیر محرم ایک دوسرے بات کرتے ہیں۔ شیطان ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا کر دیتا ہے۔ ایک دوسرے کی طرف میلان پیدا کر دیتا ہے۔ شیطان کو درمیان میں Catalist بن کر کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس لئے ایسا موقع ہی نہ آئے کہ کہیں غیر محرم کو رقعہ لکھنا پڑے۔ ٹیلی فون پر بات کرنی پڑے یا آمنے سامنے بات کرنی پڑے۔ ایسا موقع ہی نہیں آنا چاہیے۔ اس موقع سے جو بچی بچ گئی اس نے اپنی عزت کو بچالیا۔ آج کل ان ملکوں میں ایک نئی مصیبت دیکھنے میں آرہی ہیں کہ بچیاں اپنے ماں باپ کی اجازت سے اپنے پاس سیل فون رکھ لیتی ہیں۔ ایک ملک سے ابھی یہ عاجز ہو کر آیا وہاں پر یہ سنا کہ 90% سے زیادہ جوان بچیوں کے پاس سیل فون ہوتے ہیں۔ سکولوں میں بھی اپنے بستوں میں رکھے ہوتے ہیں۔ اب سیل فون پہ وہ کیا کرتی ہیں کہ ان کو کالیں آرہی ہیں اپنے کزنوں کی، اپنے کلاس فیلوز کی..... یہ سیل فون نہیں حقیقت میں اس بچی کے ہاتھ میں Hell Phone ہے۔ اس کو سیل فون نہیں کہنا چاہئے۔ اس کو Hill Phone کہنا چاہئے۔ یہ جہنم کا فون ہے اس کے ہاتھ میں اور اس کو جہنم سے کالیں آرہی ہیں کہ تم جلدی میرے اندر آؤ۔ میں تمہارے لئے تیار بیٹھی ہوں۔

یاد رکھنا کہ عورت کی سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ غیر محرم کو بات کرنے کا موقع دیتی ہے۔ قرآن مجید نے اس راستے کو اس طرح بند کیا۔ فرمایا..... فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ..... کہ اگر کبھی کوئی بات کرنے کا موقع ہی بن جائے، ضرورت ہی ایسی پیش آ گئی تو عورت کو چاہئے کہ وہ

اپنی آواز میں نرمی نہ رکھے، سختی کے انداز میں بات کرے۔ اب سختی سے مراد بدتمیزی نہیں، سختی سے مراد یہ کہ جو بات ضروری ہے وہ کرلے اور غیر ضروری کا موقع ہی نہ دے۔

قرآن کی نصیحت:

روکھے پن سے بات کرنا۔ جو عورت روکھے پن سے غیر مرد سے بات کرے گی، اس مرد کو جرأت ہی نہیں ہوگی کہ وہ ایک بات سے دوسری بات کہہ سکے..... اور اگر بات کرتے ہوئے ساری دنیا کی شرینی زبان میں سمٹ آئے گی اور پیار محبت کے انداز میں نرم باتیں کی جائیں گی ..... فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ..... قرآن مجید نے فیصلہ دے دیا کہ ایسا نہ ہو کہ طمع کرے وہ بندہ جس کے دل میں مرض ہے۔ دلوں میں شہوت اور مرض تو مردوں کے ہوتا ہی ہے۔ ذرا کسی نے نرم بات کی، آواز پسند آ گئی لہجہ پسند آ گیا۔ کچھ بھی اور نہیں تو مرد کے ذہن میں اتنا خیال آ گیا کہ یہ عورت خود بات کرنے کا موقع دے رہی ہے تو مرد خود آگے قدم بڑھائے گا۔ اس لئے کہ اس کو تو موقع کی تلاش ہوتی ہے۔

میں نے تو پہلے عرض کیا کہ سب کے سب مرد Opportunisth ہوتے ہیں..... الا ماشاء اللہ، اللہ جس کی حفاظت کرے۔ جس کے دل میں اولیاء کا نور ہو۔ بس وہ ہے کہ جو اس فتنے سے بچتا ہے۔ ورنہ اس معاملے میں سب کے سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ شریعت نے کہا جب بات کرنے کا موقع ملے تو آپ بات ہی ذرا روکھے انداز سے کیجئے۔ کئی مرتبہ بچیوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتی ہیں کہ بس میں تو ذرا فون پہ بات کر لیتی ہوں۔ میں نے تو کبھی اسے دیکھا بھی نہیں۔ یہ بہت بڑا شیطان کا پھندا ہے۔ جب آپ کسی سے بات کرنے پر آمادہ ہوئیں تو پھر اگلے کام سب آسان ہو جائیں گے۔

دیکھئے! پورے انبیاء علیہم السلام میں کسی نے یہ دعا نہیں مانگی کہ اللہ! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں..... رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ..... اللہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ صرف موسیٰ علیہ السلام ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن پاک میں یہ فرمایا کہ اے اللہ! میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔

مفسرین نے اس کی وجہ لکھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا موقع ملتا تھا۔ یہ دستور ہے کہ جب کسی کو ہم کلامی کا موقع ملے گا تو اگلا قدم ہوگا کہ ایک دوسرے کو دیکھنے کو دل کرے گا۔ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اگر آپ نے فون پر بات کرنے کی کسی کو اجازت دے دی تو اگلا قدم پھر ملاقات کا ہوگا۔ جب ملاقات ہوتی ہے تو پھر حجابات سب کے سب ہٹ جایا کرتے ہیں۔

نہ تو خدا ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انسان ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

پھر سب حجاب اتر جاتے ہیں اور انسان کو احساس ہی نہیں ہوتا۔ پتہ تب چلتا ہے جب گناہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو ابتداء سے ہی روکیے۔

یہ ذہن میں سوچنا کہ فلاں کی شکل ایسی ہے، فلاں کی personality میں بڑی Grace ہے۔ انتہائی بیوقوفی کی بات ہے۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کے مقدر میں یہ چیز لکھ دی کہ اس نے جوان ہونا ہے۔ پھر اس کی شادی ہونی ہے تو انسان اپنے وقت کا انتظار کرے۔ ہر چیز اپنے وقت پہ اچھی لگتی ہے۔ جو انسان وقت سے پہلے گناہوں کے ذریعے اپنی ضرورتیں پوری کرنے لگتا ہے تو پھر اس کی زندگی کے اندر پریشانیاں آتی ہیں۔

کوئی بندہ آپ ایسا نہیں دکھا سکتیں کہ دنیا کے اندر جس نے زنا والے گناہ کو اپنایا ہو اور خوشیوں بھری زندگی گزاری ہو۔ بلکہ یہ اگر کسی سے بات کرنے بھی لگتی ہیں تو ہزار خطرے۔ بہن سے چھپاؤ، امی سے چھپاؤ، بھائی سے چھپاؤ، ابو سے چھپاؤ، کسی کو پتہ نہ چلنے پائے۔ ایک گناہ کیا کیا ہر وقت کی مصیبت خرید لی۔ اب اس گناہ کو چھپانے کے لئے ان کو قدم قدم پہ جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ بہانے بنانے پڑتے ہیں۔ بات چیت کا موقع نکالنے کے لئے یہ جھوٹ اور غلط بیانی کے ذریعے مواقع پیدا کرتی ہیں۔ کیا تو ایک گناہ ہے لیکن اس نے سینکڑوں گناہوں کے راستے کھول دیئے..... اور کئی مرتبہ تو جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں اپنے عیبوں کو چھپانے کیلئے۔

گناہ سے بچیئے:

چنانچہ ایک بچی نے خط لکھ کر کسی ملک میں سے فتویٰ پوچھا کہ میں کسی کے ساتھ گناہ میں ملوث ہوتی تھی اور میری والدہ کو پتہ چل گیا اور اس نے مجھے ایک مرتبہ سخت ڈانٹا اور کہا تو نے ایسی حرکت کیوں کی؟ میں نے اس کو یقین دہانی کروانے کے لئے قسم کھائی۔ اس نے کہا تمہاری قسم پر بھی اعتبار نہیں کرتی۔ بالآخر اس بچی نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میرے اس کے ساتھ تعلقات ہوں تو مجھے مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔ اب ماں کے سامنے تو شرمندگی سے وقتی طور پر اپنے آپ کو بچالیا۔ بعد میں اس کو احساس ہوا کہ میرا حشر کیا ہوگا۔

اس بچی نے خط لکھا حضرت! مجھے مسئلہ سمجھائیں۔ میں نہ دین کی رہی نہ دنیا کی رہی۔ اب میرا انجام کیا ہوگا؟ یہ سب کس لئے کہ اس نے ایک غلط راستے پر قدم اٹھایا۔ انجام ایمان کی تباہی نکلی۔ جب ایک راستہ ہے ہی خطرناک تو کیوں انسان اس میں قدم اٹھائے۔ اگر آپ کے سامنے ایک سو ٹافیاں رکھ دی جائیں اور یہ کہہ دیا جائے کہ جی اس میں سے ایک میں زہر ہے باقی ننانوے ٹھیک ہیں آپ کھا لیجئے۔ آپ ایک کو بھی ہاتھ نہیں لگائیں گی۔ کیوں؟ آپ کہیں گی میری جان کو خطرہ ہے۔ اے بیٹے تجھے جان کا خطرہ ہے تو ایک فیصد بھی رسک نہیں لینا چاہتی، ان سو ٹافیوں میں سے ایک بھی نہیں لینا چاہتی۔ جہاں تیری عزت کا خطرہ ہو، وہاں تو کیوں رسک لیتی ہے؟ کیوں اور قدم آگے بڑھاتی ہے؟ وہاں بھی تو ہمیں سو فیصد محتاط رہنا چاہئے تاکہ میری عزت کی حفاظت رہے۔

حفاظت ناموس اور انعام خداوندی:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھیں گے کہ آپ نے اپنی عزت کی حفاظت کیوں نہیں کی؟ اس لئے جوان بچیوں کو چاہئے کہ وہ محسوس کریں ہمارے لئے زندگی میں ایک جہاد کا وقت ہوتا ہے اور وہ ہے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا۔ اسی لیے جو عورت اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے گی اور اس کی حفاظت کرتے ہوئے اگر اس کو موت بھی آئی تو شریعت نے کہا کہ ... کی اپنی عزت بچاتے ہوئے فوت ہو جائے گی، اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شہیدوں

کی قطار میں کھڑا فرمائیں گے۔

اللہ رب العزت بھی بڑے قدر دان ہیں۔ایک حدیث میں یہ فرمایا کہ اگر کسی کو کسی نے گناہ کی دعوت دی اور اس نے جواب میں کہا کہ میں اللہ سے ڈرتی ہوں اور گناہ کی طرف قدم نہ اٹھایا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔اب یہ نعمتیں کیوں مل رہی ہیں؟ اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو گناہوں سے بچایا۔

ایک بات اور بھی ذہن میں رکھیئے اور اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ انسان کی زندگی کی ہر چیز کا ایک کوٹا ہے۔سانسوں کا کوٹا کہ پوری زندگی میں کتنے سانس لینے ہیں۔پھر انسان نے جتنے لقمے کھانے ہیں ان کا کوٹا۔جتنے گھونٹ پانی پینے ہیں ان کا کوٹا۔جتنے لمحے زندگی میں گزارنے ہیں، ان کا کوٹا۔ہر چیز کا ایک کوٹا متعین ہے۔اسی طرح انسان کی اپنی زندگی میں کتنی مرتبہ میں اس کی جنسی ضرورتیں پوری ہونگی اس کا بھی ایک کوٹا ہے۔اب جس نے شریعت کی حدود سے باہر قدم نکال کر اس کو پورا کرنے کی کوشش کی، اس کے نتیجہ میں اللہ رب العزت اس کو حلال ضروریات سے محروم فرمادیں گے۔پھر نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ روتی پھرتی ہیں، خاوند ہماری طرف توجہ نہیں دیتا۔پھر کہتی ہیں کہ جی ہم کیا کریں زندگی میں خوشیاں نہیں ہیں۔خاوند اچھے انداز سے بولتا نہیں۔اس لئے کہ جب آپ نے شریعت کی حدود کو Cross کر کے غیر سے محبت حاصل کرنے کی کوشش کی اللہ نے اس کی وجہ سے تمہیں جائز محبت سے محروم فرمادیا۔اس لئے یہ چیز بہت ڈرنے کی ہے۔اس کا تعلق خوف خدا سے ہے۔جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا وہ اپنی عزت کی حفاظت کرے گی اور وقتی لذتوں کے اوپر نظر کرنے کی بجائے ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی لذتوں پر نظر رکھے گی اور اللہ کے ہاں سرخرو ہوگی۔ایک انسان کی خاطر، وہ بھی جو گناہ کی طرف بلاتا ہے قیامت کے دن انسان حسرت اور افسوس کرے گا:

يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ○

اے کاش میں نے فلاں کے ساتھ دوستی نہ کی ہوتی۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ○

اس لئے دنیا میں بھی ایسے لوگ کبھی وفا والے نہیں ہوتے۔

ایک اصول عرض کردوں۔ عورتوں کو چاہئے کہ توجہ سے سنیں کہ جب کسی مرد کو کسی غیر عورت نے، لڑکی نے قریب آنے کا موقع دیا، اگرچہ وہ مرد بہانے بناتا ہے۔ میں شادی کرلوں گا۔ میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ یہ سب بکواس ہوتی ہے۔ یہ گناہ کرنے کا موقع تلاش کرنے کے بہانے ہوتے ہیں۔ ہر مرد یہی کرتا ہے جو بھی کسی کو گناہ کی طرف بلاتا ہے۔ چونکہ اس کو پتہ ہے کہ اگر میں Direct کہوں گا کہ میں آپ کی عزت خراب کرنا چاہتا ہوں تو کوئی بھی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھے گی۔ ہر مرد جب بھی کسی غیر عورت کی طرف قسم اٹھائے گا، تعریفیں کرے گا وہ تعریفیں اس کی نہیں کر رہا ہوتا، وہ تعریفوں کے ذریعے اس کو اپنے سے مانوس کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے دل میں اس کی تعریفیں نہیں ہوتیں۔ وہ حقیقت میں مطلب نکالنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیشہ تعریفیں کرے گا حتّٰی کہ وہ اس کی غلطیوں کو بھی اچھائیاں ثابت کرے گا۔ پھر دوسری بات کہ وہ یہ کہے گا کہ میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔ اس سے بڑا جھوٹ شاید کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ جب وہ بچی اس کے قریب آجائے گی، اس پر اعتماد کرلے گی، اپنا مطلب نکالنے کے بعد پھر یہ بہانہ بنادے گا، میری امی نہیں مانتی۔ میرے ابو نہیں مانتے۔ گھر والے نہیں مانتے۔ میں تو چاہتا ہوں تمہیں اپناؤں۔ لیکن کیا کروں گھر والے نہیں آمادہ ہوتے۔ اس لیے یہ نوجوان اس سے شادی کبھی نہیں کرے گا۔

یاد رکھنا جس نوجوان نے کنواری بچی کے ساتھ تعلقات جوڑ لیے۔ وہ اس کے ساتھ شادی ہرگز نہیں کرے گا۔ کیوں کہ ہم نے نوجوان سے جو گناہگار تھے، توبہ کرنے آئے، ہم نے ان سے یہ بات پوچھی کہ آپ لوگوں نے کیوں اس سے شادی نہ کی؟ جب موقع مل گیا، ساری زندگی قسمیں کھا کھا کر ان کو یقین دہانیاں کرواتے رہے؟ انہوں نے صاف بتایا کہ ہمارے ذہن میں یہ بات تھی کہ جب اس لڑکی نے کنوارے پن میں ہمارے ساتھ ناجائز تعلقات بنالئے تو جب یہ ہماری بیوی بنے گی تو ہماری بیوی ہوگی۔ گھر ہمارا بسائے گی، ممکن ہے دل میں کسی اور کو بسائے گی۔

مرد کے دل میں یہ بات آ جاتی ہے کہ جو لڑکی ناجائز طریقے سے میرے ساتھ تعلق رکھ سکتی ہے وہ میری بیوی ہو کر کل دوسروں سے ناجائز تعلق کیوں نہیں رکھ سکتی؟ لہٰذا اس وجہ سے یہ گناہ تو کر لیتے ہیں مگر شادی کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔ اس لیے بچی کو چاہئے کہ وہ ایسی باتوں پہ اعتماد نہ کرے اور نہ ایسی باتوں میں دھیان دے۔ یہ جھوٹ ہوتا ہے۔ سو فیصد جھوٹ ہوتا ہے اور دوسرے کو شیشے میں اتارنے کا طریقہ ہوتا ہے۔ بچیاں اعتماد کر جاتیں ہیں اور بعد میں پھر چھپ چھپ کر روتی ہیں۔ رونے کا کیا فائدہ؟ اس رونے والے رستے پہ قدم ہی نہیں اٹھانا تھا۔ جب پتہ چل گیا کہ یہ راستہ ایمان کیلئے خطرہ ہے۔ عزت کیلئے خطرہ ہے تو پھر اس راستے پہ قدم ہی کیوں اٹھایا؟ اس لئے شریعت نے یہ حکم دیا عورت اپنی عزت وناموس کی خود حفاظت کرے۔ کسی کی چکنی چپڑی باتوں میں آنے کی ضرورت نہیں اور یہ عورت کا سب سے بڑا فرض منصبی ہے۔

عورت پردے میں باہر نکلے:

اس لیے عورت کو بتایا گیا کہ وہ گھر سے باہر نکلے تو پردے میں نکلے.....اور پردہ بھی ایسا نہ ہو کہ دوسرے اس کو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ آج کل کی نوجوان بچیاں برقعے بھی کرتی ہیں تو ایسے کڑھائی والے خوبصورت برقعے ڈھونڈ کے لاتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر ہر انسان سوچے کہ برقعہ کے اندر تو حور کی بچی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اندر چڑیل کی بہن موجود ہوگی۔ جب پردہ کرنا ہے تو پردے کا کیا مطلب ہے کہ ایسے برقعے پہنیں کہ جس کی طرف دیکھنے کو طبیعت نہ کرے۔ وہ بھی موتی لگاتی ہیں۔ اپنے برقعوں کو کڑھائیاں اچھی اچھی کرواتی ہیں اور پھر ہوتی بھی کنواری بچیاں ہیں۔ چلو بڑی عمر کی ہیں، بچوں والی ہوگئی ہیں اور اس نے کوئی ایسا برقعہ لے لیا تو اور بات ہوتی ہے۔ جوان کنواری بچی کیلئے اس قسم کی آرائش کرنا کہ جس پر غیر مرد کی نظر خواہ مخواہ کھنچے، یہ گناہ کی دعوت ہے۔ اس لیے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

جوان بچیاں گھروں سے باہر نکلیں۔ سادہ برقعے پہن کر نکلیں تاکہ کسی کی نظر ہی اس کی طرف نہ آئے۔ بلکہ پہلے وقت کی نوجوان بچیاں جب گھر سے باہر نکلتی تھیں تو ہم نے سنا، کتابوں

میں پڑھا کہ وہ ایسے چلتی تھیں جیسے بوڑھی عورتیں چل رہی ہوں تا کہ غیر مرد کی ان کی طرف توجہ بھی نہ جاسکے اور یہ اللہ کے ڈر سے وہ کیا کرتیں تھیں۔

شریعت کا حکم:

اسی لئے شریعت نے کہا کہ جب عورت گھر سے نکلے پردہ کرے اور ایسی خوشبو نہ لگائے جس کی خوشبو قریب سے گزرنے والے مردوں کو محسوس ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث پاک میں ارشاد فرمایا جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرے وہ ایسی ویسی ہے۔ ایسی ویسی کا ترجمہ محدثین نے یہ کیا ہے کہ وہ کردار کی کمزور ہے۔ اس کی نیت میں فتور ہے تبھی تو اس نے ایسی خوشبو لگائی۔

مرد کو اللہ نے، شریعت نے اجازت دی وہ پھیلنے والی خوشبو لگا سکتا ہے۔ عورت ایسی خوشبو لگائے کہ فقط اس کے قریب جب گھر کا کوئی آدمی آئے تو اس کو خوشبو محسوس ہو۔ دور والوں کو خوشبو محسوس نہ ہو۔ آج تو معاملہ الٹ ہو گیا۔ آج تو یہ چاہتی ہیں کہ ہم جس گلی سے گزر جائیں بعد میں گزرنے والے بھی ہماری خوشبو کو یاد کرتے پھریں۔

یہ ایسا نازک معاملہ ہے کہ عورت جس راستے سے گزر جاتی ہے اور اس کے قدموں کے نشان لگ جاتے ہیں اگر بعد میں گزرنے والے مرد کا پاؤں اس کے قدموں کے نشان پہ پڑ جائے اللہ تعالیٰ اس مرد کے اندر بھی شہوت پیدا کر دیتے ہیں۔ شیطان اس کے اندر شہوت کو بیدار کر دیتا ہے۔ اس لیے یہ بہت نازک معاملہ ہے۔ اس لئے شریعت نے پردے کو بہت اہمیت دی اور اس کے بارے میں احادیث میں بہت تفصیل موجود ہے۔

جوان بچیوں کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنا جہاد سمجھیں اور ہر وقت اللہ سے دعائیں مانگیں۔ اے اللہ! ہمیں اس جہاد میں کامیاب فرما۔ اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ اللہ رب العزت کی رضا ملے گی اور اگر دل کسی کی طرف کھنچے تو چاہئے اللہ سے دعا مانگیں تا کہ اللہ تعالیٰ دل کی کیفیت کو ٹھیک کر دے۔

کتابوں میں لکھا ہے:

.....من تعشق و کتم عشقه ماظهر نهو شهید.....

جس کے دل میں کسی کی طرف کوئی میلان آ گیا اور اس نے اس کو چھپایا اور ظاہر نہ کیا اور اسی حالت میں موت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شہیدوں کا رتبہ عطا فرمادیں گے ۔اس لئے اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنا یہ بچیوں کی بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس کیلئے یہ جتنی احتیاط کریں گی اتنی احتیاط تھوڑی ہے۔ ہر ہر احتیاط پر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔

شریعت نے تو یہاں تک کہا کہ اپنے کپڑے ایسی جگہ پر نہ رکھے جہاں غیر محرم مرد کی نظر پڑے۔ اپنا نام کسی غیر مرد کے علم میں نہ آنے دے۔ نام تک کا پردہ رکھا۔ ضرورت پڑے تو فلاں کی بیٹی، فلاں کی بیوی، فلاں کی امی، اس انداز سے غیر محرم کو بتایا جائے۔ نام کا بھی پتہ نہ چلے۔ شریعت نے تو اس میں اتنی احتیاط کرنے کا حکم فرمایا اور یہ احتیاط سب اس لیے کہ شیطان کو راستہ نہ ملے۔

گناہ کروانے کا شیطان نے کہا کہ عورتیں میرا وہ تیر ہیں جو کبھی خطا نہیں ہوتا..... النساء حبائل الشیطن ..... عورتیں تو شیطان کی رسیاں ہوتیں ہیں۔ اس لئے شیطان ایسی صورت میں عورت کے دل میں بھی گناہ کا خیال ڈالتا ہے اور مرد کے دل میں بھی اور اس کی حفاظت عورت کی ذمہ داری ہے، مرد کی بھی ذمہ داری ہے اور جس نے اپنی جوانی کو عفیف بنالیا۔ پاکیزہ بنالیا، پاکدامن زندگی اللہ کے ہاں اس کی بڑی قیمت ہے۔

کسی شاعر نے کہا:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیمبری
وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

جوانی میں توبہ کرنا یہ پیغمبروں کا شیوہ ہے اور بڑھاپے میں تو بھیڑیا بھی بڑا پرہیزگار بن جاتا ہے۔

ایک بزرگ کو جب بھی کوئی ضرورت پیش آتی دعا کی تو وہ نیک نوجوان کو دیکھتے اور ان سے دعا کرواتے۔ کسی نے پوچھا آپ اتنے بڑے بزرگ ہیں اور سفید ریش ہیں۔ آپ خود دعا

کیوں نہیں کرتے؟ نوجوان سے دعا کرواتے ہیں۔ وہ فرمانے لگے کہ جو نوجوان اپنی جوانی کی حفاظت کرتا ہے۔ جب وہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے، اللہ رب العزت اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹاتے ہوئے شرماتے ہیں۔ اس جوانی کو عبادت کے ذریعے سے محفوظ کر لیجئے۔ اپنے آپ کو گناہوں کے ہر موقع پہ بچایئے۔

آج کل تو جن کو ڈائجسٹ پڑھنے کا شوق ہے، انکا پہلا مضمون ہی تین عورتیں تین کہانیاں۔ کمپیوٹر پہ بیٹھیں تو چیٹنگ شروع ہو جاتی ہے اور اگر TV ہے تو یوں سمجھیں کہ گھر کے اندر شیطان کی ایک بریگیڈ فوج موجود ہے۔ یہ TV نہیں حقیقت میں یہ ایمان کی TB ہوتی ہے۔ جس گھر میں TV ہے۔ عزتیں کہاں محفوظ ہوتی ہیں۔ بچے ماں باپ کے ناک کے نیچے دیا جلاتے ہیں اور ان کو نہیں پتہ چلنے دیتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ایسی ایسی ترکیبیں گھڑتے ہیں۔ ایسی ایسی پلاننگ کرتے ہیں کہ کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے۔ شریعت نے تو حکم دیا کہ دائیں ہاتھ سے تم صدقہ اس طرح دو کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے اور آج کل لوگ دائیں ہاتھ سے اس طرح گناہ کرتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلنے دیتے۔ مگر کب تک..... لوگوں سے تو چھپا لیں گے۔ اللہ کریم جو دلوں کے بھید جاننے والا ہے اس سے تو نہیں چھپا سکیں گے۔

وقت کی اہم ضرورت:

اس لئے چاہئے کہ جب جوانی کی عمر آ جائے۔ سب سے پہلا کام ماں باپ کا فرض ہے کہ بچوں کے جوڑ کا جب بھی رشتہ مل جائے، فوراً شادی کر دی جائے۔ کئی گھروں میں ماں باپ انتظار میں ہوتے ہیں کہ ہم نے نیا گھر بنانا ہے۔

جب مکان بن جائے گا پھر ہم بچوں کی شادی کریں گے۔ ایسے ماں باپ ان بچوں کے گناہوں کی وجہ سے قیامت کے دن جہنم کے عذاب میں جلیں گے۔ خود بوڑھے ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں جیسے بڑھاپے میں اب ہماری سوچیں پختہ ہو گئیں۔ ایک دوسرے کے بارے میں ہمارے دلوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی۔ شاید جوان بچوں کی سوچ بھی ایسی ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی درد بھری نصیحت:

سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ ایک گھر میں مہمان تھے۔ پتہ چلا کہ گھر میں جوان بیٹی ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس بچی کا جلدی نکاح کردو۔ اس کی ماں کہنے لگی ابھی تو میری بچی کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔ ابھی میں شادی کردوں؟ انہوں نے کہا اماں شادی کردو۔ اس لئے کہ دودھ خراب ہوگیا تو پھر اسے کتے ہی پئیں گے انسان نہیں پئیں گے۔

پتہ نہیں کیوں انتظار میں ہوتے ہیں کہ بچوں کی عزتیں خراب ہونگی پھر ان کی شادیاں کریں گے۔ نہیں، شریعت نے حکم دیا۔ ہم پہلے ہی اس فریضہ سے فارغ ہوجائیں تاکہ یہ اپنے گھر کی ہوکر اپنے عزت وناموس کی حفاظت کرکے اپنی زندگی گزاریں۔

عورت کا سب سے بڑا فرض:

جس بچی کو اللہ تعالیٰ نے خاوند دے دیا، پھر اولاد دے دی، خوش نصیب بچی ہے۔ اب اس کو چاہئے کہ وہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر ہی نہ دیکھے۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس سے چھن جائیں۔ اس لئے کہ عزت وناموس کی حفاظت یہ عورت کا سب سے بڑا فرض منصبی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کے پردے کا جو حکم دیا تو آپ کو پتہ ہے اللہ نے آنکھوں کا پردہ کتنا چھوٹا اور کتنا تیز رفتار بنایا کہ دنیا میں پلک جھپکنا ایک مثال بن گئی۔ مختصر وقت میں اللہ تعالیٰ نے آنکھ ایسی بنائی کہ پلک کا پردہ گرتا ہے اور آنکھ بند ہوجاتی ہے۔ اگر یہاں پر کوئی long acting یا slow acting پردہ ہوتا تو لوگ بہانہ بنادیتے۔ اللہ میں نے اس سے نگاہ بند کرنے کا ارادہ کیا تھا، کرتے کرتے اس پر نگاہ پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پورے جسم میں سب سے زیادہ جلدی حرکت کرنے والی چیز انسان کی آنکھ کی پلکیں بنائی ہیں تاکہ کل قیامت کے دن اپنی آنکھوں کو بند کرنے کے بارے میں یہ کوئی بہانہ نہ بنا سکیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کی آنکھوں میں وہ

غیرت ایمان ہے:

ایک حدیث پاک میں نبی ﷺ نے فرمایا:

..... لاایمان لمن لا غیرته له .....

جس شخص کے اندر غیرت نہیں، اس شخص کے اندر ایمان نہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

.....انا اغیر ولد ادم .....

میں اولاد آدم میں سب سے غیور ہوں۔

..... واللّٰه اغیار منی .....

اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہیں۔

اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ کسی مرد اور عورت کو زیب نہیں دیتا۔ اجازت نہیں کہ وہ غیر محرم ہوں اور ایک جگہ تنہائی میں بیٹھیں، ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ جیسا استاد ہو اور رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا جیسی شاگرد ہو..... اور دونوں ایک دوسرے کو قرآن پڑھائیں، تب بھی وہ اگر تنہائی میں بیٹھیں گے تو شیطان ان کو گناہ کا مرتکب کروادے گا۔

دنیا اور آخرت کی کامیابی کیسے ممکن ہے؟

حدیث پاک میں آتا ہے کہ موسیقی کا سننا کانوں کا زنا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا میں آلات موسیقی کو توڑنے کیلئے آیا ہوں۔

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ موسیقی کے سننے سے دل میں گناہ کی خواہش اس طرح ابھرتی ہے جیسے بارش کے ہونے سے زمین کے اندر گھاس اگ آتی ہے۔ اس لئے جن بچیوں کو گانے سننے کا شوق ہو، حقیقت میں یہ شوق ان کو گناہ کی طرف لے جانے والا شوق ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو موسیقی سے بچائیں۔ شریعت نے تو یہاں تک کہا کہ جو بے پردہ

پھرنے والی عورت فاسقہ ہو، پردہ دار عورت کو چاہئے کہ اس سے بھی اپنے آپ کو پردے میں رکھے۔ اس لئے کہ بے پردہ فاسقہ عورت بھی غیر محرم مرد کے حکم میں ہے۔ شریعت نے منع فرمایا کہ شادی شدہ عورت کو نہیں چاہیے کہ وہ دوسری عورتوں کو، لڑکیوں کو اپنے خاوند کے ساتھ گزرے ہوئے خلوت کے لمحات کی باتیں سنائے۔ اگر کوئی سنائے گی تو شریعت نے کہا وہ سورنی ہے۔

سب سے بہترین عورت:

ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کی محفل میں بات چلی کہ سب سے بہترین عورت کون ہے؟ کسی نے کچھ کہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے گئے کسی کام کیلئے، گھر جا کر بتایا کہ محفل میں یہ بات چلی ہے۔ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں بتاؤں سب سے بہتر عورت کون ہے؟ پوچھا کہ بتایئے۔ فرمانے لگیں کہ وہ عورت جو نہ تو غیر محرم کو خود دیکھے اور نہ کسی غیر محرم کو دیکھنے کا موقع دے۔ انہوں نے آ کر یہ جواب نبی علیہ السلام کی خدمت میں آ کر بتا دیا۔ نبی علیہ السلام سن کر مسکرائے، فرمایا:

..... فاطمه بضعة منی .....

فاطمہ رضی اللہ عنہا تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ خاتون جنت فرماتی ہیں کہ سب سے بہترین عورت وہ ہوتی ہے جو خود نہ کسی غیر مرد کی طرف دیکھے اور نہ کسی غیر مرد کو اپنی طرف دیکھنے کا موقع دے۔ ہر نامحرم سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کا ایمان افروز واقعہ:

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد تھا، اس کو ایک مرتبہ کسی عورت نے بہانے سے گھر میں بلوایا کہ ایک مریض ہے اس کو پڑھ کر دم کر دیجئے۔ وہ سادہ آدمی تھا بیچارہ، جب گھر میں گیا تو دروازے بند۔ تب اس کو پتہ چلا کہ اس خاتون کی تو نیت ٹھیک نہیں۔ اب کیسے گناہ سے بچے؟ اس نے فوراً بہانہ کیا کہ مجھے Toilet جانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ Toilet میں چلا

گیا۔ وہاں جا کر جو گندگی پڑی ہوئی تھی اس نے وہ گندگی اپنے جسم پر مل لی۔ جب باہر نکلا تو بو کے بھبھوکے آرہے تھے۔ جب وہ اس عورت کے قریب آیا تو اتنی بو آرہی تھی۔ اس نے کہا مجھے کیا پتہ کہ تم اتنے کمینے اور اتنے بیوقوف انسان ہو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے!

چنانچہ دروازہ کھولا، اس نے اپنا ایمان بچایا نکل آیا۔ اب رو رہا تھا کہ راستے میں لوگوں کو بو آئی تو میں کیا جواب دوں گا۔ سیدھا مدرسے پہنچا۔ وہاں جا کر غسل خانے میں کپڑے بھی پاک کئے، دھوئے، غسل بھی کیا اور گیلے کپڑے پہن کر حضرت کے درس کے اندر آ کر پیچھے بیٹھ گیا۔ یہ کبھی لیٹ نہیں آیا تھا، اس دن لیٹ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے درس دینے کے دوران رک کر پوچھا ارے تم میں سے آج اتنی تیز خوشبو لگا کر کون آیا۔ لڑکوں نے جب اِدھر اُدھر دیکھا۔ ایک لڑکے نے بتایا کہ جو یہ نیا لڑکا آیا ہے ابھی، دیر سے، اس نے خوشبو لگائی ہے۔

حضرت نے قریب بلایا۔ فرمایا کہ تم نے اتنی تیز خوشبو کیوں لگائی؟ جب بار بار پوچھا تو بتانا پڑا۔ اس کی آنکھوں میں سے آنسو آ گئے، اس نے واقعہ سنایا۔ کہنے لگا حضرت! میں نے تو اپنے دامن کو بچانے کیلئے، عزت کو بچانے کیلئے اپنے جسم پر گندگی کو لگایا تھا لیکن اب میں نہا بھی چکا، دھو بھی چکا جہاں جہاں گندگی لگائی تھی۔ میرے جسم کے ان ان حصوں سے خوشبو آرہی ہے۔ چنانچہ جب تک یہ نوجوان زندہ رہا اس کے جسم سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

کتابوں میں لکھا ہے اسی وجہ سے ان کا نام خواجہ مشکی پڑ گیا تھا۔ لوگ انہیں خواجہ مشکی کہتے تھے۔ کہ جہاں جہاں انہوں نے گناہ سے بچنے کیلئے گندگی لگائی تھی۔ ان کے جسم کی ان جگہوں سے خوشبو آیا کرتی تھی۔

حقیقی حسن:

حدیث پاک میں آتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے غیر محرم سے اپنی نظر کی حفاظت کی، اس کو اللہ رب العزت عبادت میں لذت عطا فرماتے ہیں۔

یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ خوبصورت عورت کو دیکھنے سے آنکھیں خوش ہوتی ہیں۔ لیکن

خوب سیرت عورت کو دیکھنے سے دل خوش ہوتا ہے۔صورت کو سنوارنے کے بجائے اپنی سیرت کو سنواریئے۔ میں تو بچیوں کو کہتا ہوں کہ قد اونچے Heel کے جوتے بغیر بھی بڑا نظر آتا ہے، اگر عورت کی شخصیت کے اندر بلندی ہو۔آنکھیں بغیر سرمے کے بھی خوبصورت نظر آسکتی ہیں اگر ان کے اندر حیا موجود ہو۔پلکیں بغیر مسکارے کے بھی دلفریب ہوسکتی ہیں اگر شرم سے جھکی ہوئی ہوں۔ پیشانی بغیر بندیا کے بھی پرکشش ہوسکتی ہے اگر اس کے اوپر سجدوں کے نشان ہوں۔انگریزی کا ایک فقرہ ہے۔

wealth lost nothing lost
health lost something lost character lost everything lost. So people feel that charater is not a prcecious thing but you can buy the most precious thing of the world with the help of your character.

تعمیر سیرت کے چند درخشاں پہلو:

یہ بات ذہن میں بٹھالینا کہ ساری دنیا مل جائے یہ تلوار کا مقابلہ کرسکتی ہے۔کردار کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔اپنے کردار کو بنایئے۔

مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔آنکھ بگڑنے سے دل کی حفاظت مشکل ہے.....اور دل کے بگڑنے کے بعد شرمگاہ کی حفاظت مشکل تر ہے۔عقل مند لوگ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کی غلطیوں سے سبق سیکھتے ہیں اور بیوقوف لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی غلطیاں کرتے ہیں۔پھر ان کو دھکے پڑتے ہیں۔تب ان کو سمجھ آتی ہے۔اصولی بات یہ ہے کہ حسن ہی عورت کی تباہی کا ذریعہ بنتا ہے۔عورت پر جتنی بھی آفتیں آتی ہیں۔سب کی سب اس کے حسن کی وجہ سے آتی ہیں۔اس لئے شریعت نے مردوں کو کہا کہ تم شریر عورتوں سے بے کنار رہو اور اگر بھلی عورتیں بھی ہوں تو ان سے ہوشیار رہو۔جیسے دل کے اوپر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ اگر اماں حوا شجر ممنوعہ کو نہ دیکھتی تو ان کو جنت سے نہ نکلنا پڑتا۔اگر قابیل ہابیل کی بیوی کی طرف

نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تو اس کو قتل کا جرم اپنے سر پہ نہ اٹھانا پڑتا۔ اگر زلیخا یوسف کو نہ نگاہ اٹھا کر دیکھتی تو قرآن نے اس کے گناہ کے یوں کھول کر تذکرے نہ کیے ہوتے..... اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ جی فلاں کی شکل اچھی لگی، شخصیت اچھی لگی یہ سب بکواس ہوتا ہے۔ حقیقت میں تو محبت ہوتی ہے جو انسان کی نیکی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ چہرے کی زیبائش یہ تو عارضی چیز ہے۔ آج جو بچی جوان العمر ہے اور اس کے چہرے پہ جوانی کی خوبصورتی ہے۔ ایک دو بچے ہونے کے بعد اس کے چہرے کی جاذبیت وہ نہیں رہتی اور جب ذرا اور عمر گزر جاتی ہے پھر تو اور ہی انسان کی شکل وصورت ہو جاتی ہے۔

اگر خاوند کو فقط عورت کی خوبصورتی کی وجہ سے تعلق ہوگا، پھر چند سالوں کے بعد وہ کسی اور کو ڈھونڈنا شروع کر دے گا۔ اس لئے اچھی زندگیوں کی بنیاد حسن ظاہری نہیں ہوتا۔ حسن باطنی ہوا کرتا ہے۔ اچھے اخلاق ہوا کرتے ہیں۔ ظاہری حسن فانی ہوتا ہے اور اخلاق کا حسن ہمیشہ باقی ہوتا ہے۔ ویسے بھی اگر دور سے کسی کو دیکھیں تو وہ زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے بہ نسبت قریب کے اس کو دیکھنے کے..... اگر دور سے کسی کی آواز زیادہ دلکش معلوم ہوتی ہے بہ نسبت قریب سے سننے کے تو کہا حسن کی حقیقت فاصلہ ہے کہ انسان فاصلے سے رہے تو حسن محسوس ہوتا ہی ہے اور قریب آئے تو حسن ختم ہو جاتا ہے۔

نفسیاتی ہلاکتیں:

انسان گناہ کرنے سے پہلے تو بڑا بہادر بنتا ہے۔ لیکن جب گناہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اتنا بزدل بنتا ہے کہ پھر اس کو چھپانے کیلئے جھوٹ بولتا پھرتا ہے۔ شہوت وہ شیرنی ہے جو چکھنے والے کو ہلاک کر دیتی ہے اور اصول یہ ہے کہ محبت اور عداوت کبھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ جو انسان یہ سمجھے کہ محبت کروں گا اور چھپی رہے گی یا میری دشمنی ہے وہ چھپی رہے گی..... وہ انسان بیوقوف انسان ہے۔

محبت اور عداوت ایسی چیزیں ہیں جو کبھی چھپی نہیں رہ سکتیں۔ شہوت کی ابتداء چھوٹے کیڑے کی مانند ہوتی ہے، اس کو مارنا آسان ہوتا ہے اور شہوت کی انتہا پھنکارنے والے اژدھے

کی مانند ہوتی ہے یہ خود انسان کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ اس لئے حسن ظاہری کو بڑھانے کی بجائے حسن باطنی اور حسن اخلاق کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ جس طرح کانٹوں کے اوپر پھول ہو تو شاخ کو خوبصورت بنا دیتا ہے، اس طرح جس گھر کے اندر نیک خاتون ہو وہ اس گھر کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ اس گھر کو باعزت بنا دیتی ہے۔

ایک بات ذہن میں رکھئے کہ انسان کو ہر چیز سے خوشی ہوتی ہے لیکن جتنی خوشی اپنے آپ سے جیت کر ہوتی ہے، اتنی خوشی کبھی نہیں ہوا کرتی۔ یہ بات پھر سنئے گا اور دل میں بٹھا لیجئے گا کہ انسان کو ہر چیز سے خوشی ہوتی ہے لیکن جتنی خوشی اپنے آپ سے جیت کر ہوتی ہے اتنی خوشی پھر کبھی نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے نوجوان بچیوں کو چاہئے کہ اپنے آپ سے جیت کر زندگی کو خوشیوں والی بنائیں اور اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو جائیں۔

احتیاط ضروری ہے:

حدیث پاک میں آتا ہے اور میں سند کے ساتھ یہ بات کر رہا ہوں کہ جو عورت اس لئے بنی سنوری یعنی نہائی دھوئی، میک اپ کیا، اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائی، کہ غیر محرم اس کو دیکھ کر خوش ہو۔ اس گناہ کی یہ سزا ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیتے ہیں کہ میں قیامت کے دن اس عورت کی طرف محبت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا۔ اب سوچئے! یہ کتنی بڑی سزا ہے۔

پھر سن لیجئے! جس عورت نے اس لیے آرائش اختیار کی، جو عورت اس لیے بنی سنوری کہ غیر مرد مجھے دیکھ کر خوش ہو۔ اللہ تعالیٰ لکھوا دیتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عورت کی طرف میں محبت کی نظر سے نہیں دیکھوں گا۔ اس لئے اپنے آپ کو غیر مردوں کی نظروں سے بچایئے۔ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا مددگار بن جائے اور نیکی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو گناہ ہو چکے ان پر سچی توبہ کر لیجئے کہ توبہ کے دروازے کھلے ہیں۔

موت سے پہلے پہلے کسی نے کوئی بھی گناہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتے ہیں۔ وہ تو اتنے کریم ہیں کہ بنی اسرائیل کی ایک طوائف تھی۔ جس نے سینکڑوں مردوں سے زنا کروایا تھا،

اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تھا، اللہ نے اس کے گناہوں کو معاف فرما دیا۔ جو پروردگار اتنا کریم ہو، اس کے کرم سے فائدہ اٹھایئے۔ پچھلے گناہوں کی معافی مانگ لیجئے۔

رمضان المبارک کی کچھ گھڑیاں باقی ہیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم ان بابرکت گھڑیوں میں سچی توبہ کر سکتے ہیں۔ سچی معافی مانگ سکتے ہیں۔ اس لئے دوستوں کے اصرار پر اس عاجز نے یہ پروگرام بنایا کہ کل کا بیان موت کے عنوان پر ہوگا۔ توبہ کے عنوان پر ہوگا..... اور اس کے بعد جو بچیاں، جو عورتیں سچی توبہ کرنا چاہیں گی، ان کو سنت کے مطابق توبہ کے کلمات پڑھا دیئے جائیں گے تاکہ اللہ ہمیں آئندہ نیکوکاری کی زندگی نصیب فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ماں کی عظمت

خطبہ:

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

چھپا ہوا خزانہ:

فرمایا..... کنت کنزا مخفیا ..... میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا..... فاجبت ان اعرف ..... میں نے ایک چیز کو پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں ..... فخلقت الخلق ..... پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ مخلوق کے پیدا کرنے کا سبب محبت بنی..... اجبت..... مجھے اچھا لگا، میں نے پسند کیا، میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے..... فخلقت الخلق..... میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ کیونکہ محبت ذریعہ بنی کائنات کی پیدائش کا، لہٰذا کائنات کی ہر چیز کو محبتوں میں سے حصہ ملا۔ ہر چیز کو، جو بھی کائنات کی چیز ہے۔ اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس کو محبتوں میں سے حصہ ملا۔ جمادات کو بھی ملا۔ نباتات کو بھی ملا۔ حیوانات کو بھی ملا۔ انسانوں کو بھی ملا۔

انسانوں میں محبت کا نظارہ:

انسانوں میں اگر محبت کا نظارہ دیکھنا ہو تو ماں کی محبت کا نظارہ دیکھو۔ جس کو ماں کی مامتا کہتے ہیں۔ وہ محبت کی ایک کامل مثال ہے۔ کوئی بھی ماں ایسی نہیں کہ اپنی اولاد پر قربان نہ ہوتی ہو۔

محبت کی مثالیں:

ایک چھوٹی سی چڑیا، ننھی سی جان ہے۔ اس کے بچے گھونسلے میں ہیں۔ وہ ان کو پانی

پلانے کے لئے دور اُڑ کر جاتی ہے اور اپنی چونچ میں پانی لے کر آتی ہے۔

کئی مرتبہ دروازہ بند ہو، گھونسلے میں جا نہیں سکتی۔ اس چھوٹی سی چڑیا کو دیکھا کبھی اِدھر بیٹھتی ہے، کبھی اُدھر بیٹھتی ہے۔ پسینے میں شرابور ہے۔ خود پیاسی ہے۔ لیکن اپنے منہ کا پانی خود نہیں پیئے گی۔ بلکہ اس چونچ کا پانی، منہ کا پانی اپنے بچوں کو پلائے گی۔

دیکھو! اس ننھی سی جان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ماں کی ممتا کو رکھ دیا اور آگے دیکھئے۔

مرغی کو اپنے بچوں سے کتنا پیار ہوتا ہے۔ ہر وقت ان کو پروں میں سمیٹ کر پھر رہی ہوتی ہے اور اگر کسی وقت کوئی بلی آجائے تو مرغی پر پھیلا کر اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ مرغی جانتی ہے کہ میں بلی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کو پتہ ہے کہ بلی مجھے جان سے مار دے گی۔ مگر یہ نہیں چاہتی کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے کسی بچے کو بلی کے منہ میں دیکھوں۔

یہ کہتی ہے کہ یہ بلی پہلے مجھے مارے گی، پھر میرے بچوں کو ہاتھ لگائے گی۔ اب دیکھو کہ ننھی سی جان ہے۔ اس میں بھی ماں کی ممتا کا کیا معاملہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابی جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک درخت پر گھونسلا دیکھا، جس میں چھوٹے چھوٹے معصوم سے پیارے سے بچے تھے۔ انہوں نے ان بچوں کو اٹھالیا۔ ان کو وہ اچھے لگے۔ لے کر چل پڑے۔ ان کی ماں دانہ چگنے کیلئے کہیں گئی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب ماں آئی اور اس نے گھونسلے میں دیکھا کہ اس کے بچے نہیں تو ان کی تلاش میں نکلی، حتّٰی کہ اس صحابی کے سر پر پہنچ گئی۔

اب وہ اس کے سر پر چکر لگاتی رہی۔ چکر لگاتی رہی۔ مگر یہ اس کے پیغام کو سمجھے نہیں۔ کہ یہ مجھ سے کیا فریاد کر رہی ہے۔ مجھے کیا پیغام دے رہی ہے۔ مجھے کیا کہنا چاہتی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ چڑیا خود بخود ان کے کندھے پر آکر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کو بھی پکڑ لیا اور سب کو لے کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خوبصورت عادت یہ تھی کہ جب بھی کوئی نئی بات پیش آتی تو نبی علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ واقعہ پیش آیا اور میں بچوں کو اور ان کی

ماں کو لے کر آیا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے انہیں بات سمجھائی کہ یہ چڑیا اصل میں تم سے یہ فریاد کر رہی تھی کہ میرے بچوں کو آزاد کردو، Request کر رہی تھی۔ میں ماں ہوں مجھے جدا نہ کرو، میں نہیں زندہ رہ سکوں گی۔ جب تم نے اس کی بات کو نہ سمجھا تو چڑیا نے فیصلہ کیا کہ پھر مجھے گھونسلے میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر میرے بچے قید ہیں تو میں اپنی قید کو آزادی پر ترجیح دیتی ہوں۔ یہ بھی تمہارے کندھے پر آ کر بیٹھ گئی اور تم نے اسے بھی پکڑ لیا۔

فرمایا جاؤ! اس ماں کو بچوں سمیت گھونسلے میں چھوڑ کر آؤ۔

اب دیکھو! چھوٹی سی چڑیا ہے، مگر ماں محبت کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اس کو ماں کی مامتا کہتے ہیں۔

ہرنی کی فریاد:

مشہور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام تشریف لے جا رہے ہیں۔ ایک یہودی ایک ہرنی کو پکڑ کر کھڑا ہے۔ ہرنی کچھ آواز نکالتی ہے، یہودی سمجھ نہیں سکتا۔

نبی علیہ السلام سمجھتے ہیں۔ یہودی سے کہتے ہیں کہ ہرنی مجھ سے فریاد کر رہی ہے۔ اس شخص نے مجھے پکڑ لیا۔ نہ یہ مجھے چھوڑتا ہے نہ یہ مجھے مارتا ہے اور یہ وقت ہو گیا میرے بچوں کو دودھ پلانے کا، میرے بچے پیاسے ہیں۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ مجھے اس سے اجازت لے کر دے دیجئے، میں جاؤں گی اور دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔

نبی علیہ السلام اس یہودی سے فرماتے ہیں کہ تم اس کو آزاد کردو۔ اس نے کہا کہ ذمہ داری کون لے گا؟ فرمایا کہ میں ذمہ دار ہوں، میں یہاں پر کھڑا ہوں گا۔

یہودی نے سوچا کہ آزمانے کا بہترین وقت ہے۔ آزمائش کرتا ہوں۔ اس نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ ہرنی بھاگی ہوئی گئی اور کچھ دیر کے بعد اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی۔

یہودی نے نبی علیہ السلام کا یہ معجزہ دیکھا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

دیکھو! یہ جاندار ہیں۔ ان میں عقل بھی نہیں ہے کامل، لیکن ماں کی مامتا ان کے اندر بھی موجود ہے۔ جب ان جانداروں میں ماں کی مامتا اتنی ہے تو پھر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کامل

دی۔انسان کو اپنے بچوں سے کتنی محبت ہوتی ہوگی۔ماں کو اپنی اولاد سے کتنی محبت ہے،اس کو الفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جاسکتا۔وہ اپنے آپ سے بڑھ کر اپنے بچوں کو عزیز رکھتی ہے۔

چائنہ میں زلزلہ اور ممتا:

چنانچہ چائنہ میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا اور کئی ہزار آدمی اس میں فوت ہوگئے۔ایک بڑی بلڈنگ کے نیچے ایک عورت اپنے چھوٹے سے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔اس کے اوپر بھی کنکریٹ کی سلیب آگری۔مگر وہ اس طرح گری کہ جس کونے میں وہ بیٹھی تھی وہ محفوظ رہا اور دوسری طرف سے سلیب گرگئی۔اب وہ ٹریپ ہوگئی۔بند ہوگئی اندر، ویسے تو زندہ ہے، بچہ بھی زندہ ہے ماں بھی زندہ ہے۔مگر اوپر ٹنوں کے حساب سے ملبہ ہے۔کون اسے نکالے؟ کئی دن لگ گئے اس ملبے کو ہٹانے میں، جب ہٹایا گیا دیکھا، کہ بچہ ماں کے سینے سے لگا ہوا ہے۔ماں بھی بے ہوش ہے، بچہ بھی بے ہوش ہے۔ہسپتال لایا گیا Treatment دی گئی۔خیر ماں ہوش میں آگئی۔ڈاکٹرز نے ماں سے پوچھا کہ بتاؤ، تمہارے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں زخمی کیوں ہیں؟ کوئی ظاہری وجہ سامنے تو نہیں آتی۔

ماں نے بتایا بات یہ تھی کہ میں اپنے بچے کو دو دن تک دودھ پلاتی رہی پھر میرے اپنے سینے میں دودھ ختم ہوگیا۔بچہ روتا میں اس کے منہ میں انگلی ڈالتی، یہ تھوڑی دیر چپ کرتا، پھر روتا۔ مجھ سے اس کا رونا دیکھا نہ جاتا تھا۔مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ میں بچے کو کس چیز کی Feed دوں۔

بالآخر میرے ذہن میں بات آئی۔میں نے اپنے دانتوں سے انگلی کو کاٹا اور میرے جسم سے خون نکلنے لگا تو میں نے اس خون والی انگلی بچے کے منہ میں دے دی۔بچے نے میرے جسم سے خون کو چوسنا شروع کردیا۔جب کچھ اس کے جسم میں جانے لگا تو بچہ چپ ہوگیا۔

اب میں یہی کرتی تھی کہ جب بچہ روتا میں انگلی کو دانتوں سے کاٹتی اور اپنے بچے کو اپنا خون پلاتی تھی۔حتی کہ میں بھی بے ہوش ہوگئی، بچہ بھی بے ہوش ہوگیا اب آپ لوگوں نے نکالا تو ہم ہوش میں آئے۔

دنیا حیران ہوگئی کہ دیکھو ایک عورت ہے۔جو مسلمان بھی نہیں، کافر ہے۔لیکن چونکہ ماں

ہے تو ماں کی مامتا تو موجود ہوتی ہے۔اس نے اپنا خون بچے کو پلا کر اس کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ ماں کی مامتا ایک عجیب نعمت ہے۔

اس وجہ سے جانور ہوں یا انسان ماں کی مامتا انوکھی چیز ہوتی ہے۔ماں کو اولاد کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔

ماں کی محبت:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ایک عورت اپنے دو بچوں کو لے کر آئی۔ نبی علیہ السلام نے کہا کہ تین کھجوریں دے دو، دو بچوں کے حصے کی ایک ماں کے حصے کی۔اس عورت نے ایک ایک کھجور بچوں کو دے دی اور خود کھجور نہیں کھائی، اپنی کھجور اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جب بچوں نے اپنے اپنے حصے کی کھجوریں کھالیں تو ماں نے پھر اپنی کھجور کے دو حصے کیئے اور آدھا آدھا حصہ دونوں کو کھلا دیا۔خود بھوکی رہی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی حیران ہوئیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا حمیرا! یہ ماں کی محبت ہے۔ یہ ماں کی مامتا ہے کہ دیکھو اس نے خود نہیں کھایا۔ وہ بھوکی رہی۔لیکن اس نے اپنے بچوں کو کھلا کر سکون پایا۔

کبھی بندے کو کھلا کر خوشی ہوتی ہے۔مگر ماں وہ فزیشن ہے کہ جس میں کھلا کر خوشی ہوتی ہے۔کھاتے بچے ہیں۔ پیتے بچے ہیں اور خوشی ماں کے دل کو ہوتی ہے۔یہ محبت ہے۔

کھلا کر خوشی ہوئی:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام ہجرت کیلئے تشریف لے گئے، ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہاں بکریاں تھیں۔مگر ان میں دودھ نہیں تھا۔صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہا کہ ہمیں بکریوں کا دودھ چاہیئے۔انہوں نے کہا کہ بکریوں کے تھنوں میں تو دودھ نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ اس سے غرض نہیں ہے۔اجازت دے دو۔انہوں نے اجازت دے دی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے، اللہ کی شان ہے کہ بکریوں نے دودھ دینا شروع کر دیا۔حتی کہ دودھ کا برتن بھر گیا۔پھر اس پر کپڑا ڈال کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں لائے اور نبی علیہ السلام کو پلایا۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں ..... فشرب حتی رضیت ..... کہ نبی علیہ السلام نے اتنا دودھ پیا حتّٰی کہ میرا دل خوش ہوگیا۔ اب یہ محبت ہے کہ دودھ تو نبی علیہ السلام پی رہے ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل خوش ہو رہا ہے۔

ماں کی محبت بھی ایسی چیز ہے کہ کھاتی اولاد ہے مگر ماں کا دل خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ حل ہوگیا:

ماں بچے کی تکلیف کو کبھی نہیں دیکھ سکتی۔ مشہور واقعہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔ دو عورتوں کے بچے تھے۔ ایک بچے کو بھیڑیا لے گیا۔ جس کے بچے کو بھیڑیا لے گیا، اس عورت کے دوسرے بچے کے بارے میں کہنا شروع کر دیا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اب جھگڑا شروع ہوگیا۔ ایک کہتی کہ میرا بچہ ہے دوسری کہے کہ میرا بچہ ہے۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ آیا۔ انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو حکم فرمادیا کہ آپ اس کا حل نکالیں ..... ففھمنٰھا سلیمان ..... اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو اس کا فہم دے دیا۔

انہوں نے چھری نکالی۔ کہنے لگے کہ چونکہ تم دونوں اس پر دعویٰ کر رہی ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں چھری سے اس کے دو ٹکڑے کر کے آدھا اس کو دیتا ہوں۔ آدھا اس کو دیتا ہوں۔ جیسے ہی چھری نکالی، جو اس کی صحیح ماں تھی۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگی کہ اس کے ٹکڑے نہ کریں۔ اس کو دے دیں، میں کبھی کبھی اپنے بچے کو دیکھ تو لیا کروں گی۔

سلیمان علیہ السلام نے پہچان لیا کہ صحیح ماں کون ہے؟

یہ ماں کی ممتا ایک عجیب نعمت ہے۔ یہ وہ محبت کا جذبہ ہے کہ جس کو الفاظ میں کوئی بندہ بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کا نمونہ دنیا میں دکھانے کے لئے یہ رشتہ بنادیا۔ تاکہ بندے میری رحمت کو ویسے تو دیکھ نہیں سکتے۔ اس کا احساس نہیں کر سکتے۔ ماں کے دل میں جو محبت ڈال دی۔ اس کے ڈالنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ جب ماں کو دیکھیں گے کہ وہ کس طرح اولاد پر قربان ہوتی ہے تو پھر لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں سے محبت کتنی ہے؟

حج اور عمرے کا ثواب:

چنانچہ اسی لئے ماں کے چہرے کو دیکھنا عبادت بنایا گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ محبت اور عقیدت کی ایک نظر ماں کے چہرے پر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج یا عمرے کا ثواب عطا فرمادیتے ہیں۔

گناہ کے بخشوانے کی صورت:

ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ! مجھ سے بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے۔ اب اس کے معاف کروانے کی کیا صورت ہے؟

نبی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ تیری ماں ہے؟ اس نے کہا کہ جی۔ فرمایا کہ اگر تو اس کی خدمت کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے اس گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

جنت ماں کے قدموں تلے ہے:

اس لئے فرمایا..... الجنة تحت اقدام امهاتكم ..... کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔

جنت میں تلاوت کی آواز:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے۔ جنت میں آپ نے کسی کے قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنی۔ جبرائیل علیہ السلام سے آپ ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل! یہ قرآن پڑھنے کی آواز کس کی آرہی ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حارثہ بن نعمان کی ہے۔ پوچھا اس کی آواز یہاں کیسے آرہی ہے؟ اس لئے کہ وہ ماں کی بہت خدمت کرتا ہے اور یہ عمل اللہ کو ایسا محبوب ہے کہ وہ قرآن فرش پر پڑھتا ہے اور آواز عرش پر سنائی جاتی ہے۔

یہ اس لئے کہ یہ تعلق محبت کا بہت گہرا اور بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے ماں بچے سے

بہت محبت کرتی ہے اور فطری طور پر بچوں کو ماں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ بچپن میں وقت بھی زیادہ گزارتے ہیں۔

بچوں کے دل میں ماں کی اتنی محبت ہوتی ہے کہ ہم کئی دفعہ اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ جب جدائی ہوتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ یہ محبت کا تعلق کیسا تھا۔

چھوٹے چھوٹے بچوں میں اس لئے باپ کی نسبت بھی ماں کی محبت غالب ہوتی ہے۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صاحب تھے جن کا نام تھا مالک.....اور وہ تجارتی سفر پر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو ان کی بیوی کا نام تھا ام سلیم رضی اللہ عنہا، ان کی بیوی نبی علیہ السلام کے ایک درس میں آئی اور اس میں اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہو گئی۔

جب خاوند سفر سے واپس لوٹا تو خاوند بیوی بیٹھ کر باتیں کرنے لگے چار پائی پر..... بیوی نے بتلایا کہ میں تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی ہوں۔ مالک نے کہا تمہیں اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرا انتظار کر لیتی۔ اس نے کہا کہ مجھے خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور میں کلمے کے بغیر دنیا سے چلی جاؤں، میں نے ایمان قبول کر لیا ہے۔

مالک نے جواب دیا کہ میں نے تو ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ ابھی دونوں میاں بیوی نے یہ باتیں کیں۔ اتنے میں ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا آ گیا۔ جس کا نام انس تھا۔ انس کو دیکھ کر اس کا باپ کہنے لگا انس بیٹے! میں نے بھی کلمہ نہیں پڑھا۔ تم نے بھی نہیں پڑھا۔

اس کو دیکھ کر ماں نے کہا میرے بیٹے! میں نے بھی کلمہ پڑھ لیا ہے۔ تم بھی کلمہ پڑھ لو۔ اب بچے کو دونوں طرف سے دعوت ملی۔ روایات میں آتا ہے کہ انس نے ایک نظر باپ پر ڈالی اور ایک نظر ماں پر ڈالی اور اونچی آواز سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

والدین کی خواہش:

معلوم ہوا کہ ماں کی محبت اولاد کے دل میں باپ کی نسبت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس

لئے ماں کے جو نرم نرم الفاظ ہوتے ہیں وہ کئی مرتبہ اولاد کے دل میں اتر جاتے ہیں۔ ماں کے جو گرم گرم آنسو ہوتے ہیں، وہ بچوں کی زندگی کے فیصلوں کو بدلوا دیتے ہیں۔

یہ تعلق اللہ نے جو محبت کا آپس میں جوڑ دیا ہے..... یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ چنانچہ مائیں ہمیشہ یہ چاہتی ہیں کہ ان کی اولاد کامل بنے۔ ہر ماں کی یہ تمنا ہے۔ چاہے وہ پڑھی لکھی ہو، چاہے ان پڑھ ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو۔ ہر ماں کی یہ تمنا ضرور ہوگی کہ اولاد میری قابل بن جائے۔ اولاد کامل بن جائے اور اس کے لئے کوششیں بھی کرتی ہے۔ دنیا کی ہر ماں کوششیں کرتی ہے کہ اولاد کامل بن جائے۔

ماں کی محنت کا ثمر:

چنانچہ ایک بزرگ گزرے ہیں عبدالرحمٰن فروخ رحمتہ اللہ علیہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے، بنو امیہ کا دور تھا۔ جہاد کیلئے نکلے۔ اب فتوحات ہوتی گئیں اور یہ بڑھتے گئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ستائیس سال ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے گزر گئے۔

ستائیس سال کے بعد پیش قدمی کا سلسلہ ایک جگہ رکا۔ پھر جتنے مجاہد تھے، فوجی تھے۔ ان کو چھٹیاں ہوگئی۔ گھروں کی طرف لوٹے۔ عبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے گھر کی طرف آئے۔ اب 27 سال کے بعد واپس لوٹے تھے۔

جب گھر آئے تو اپنی بیوی سے ملے، خیر خیریت دریافت کی۔ جاتے ہوئے یہ تیس ہزار دینار اپنی بیوی کو خرچہ دے کر گئے تھے۔ انہوں نے آکر پوچھا کہ میرے بعد کوئی تنگی تو نہیں ہوئی؟ کہا نہیں، کوئی خرچے کی پریشانی؟ اس نے کہا کوئی نہیں۔

تم نے پیسے کہاں خرچ کئے؟ اس نے کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ آپ نماز پڑھ کر آئیں۔ پھر تسلی سے بیٹھ کر میں آپ کو حالات سناؤں گی۔

یہ نماز پڑھنے مسجد میں چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت نوجوان بچہ ہے اور نماز کے بعد وہ درس دینے بیٹھ گیا۔ اس نے قال اللہ وقال الرسول سنانا شروع کیا۔ وہ بچہ بولتا تھا، اس کے منہ سے موتی جھڑتے تھے۔ اتنا ان کا دل خوش ہوا، کہ یہ تمنا کرنے لگے کہ پتہ نہیں کہ کس

خوش نصیب کا بیٹا ہے۔

چنانچہ جب درس موقوف ہوا تو یہ اپنے گھر واپس آئے۔ دروازے پر دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ یہ اس کو دیکھ کر حیران کہ تم یہاں کیسے؟ اس نے کہا کہ میرا گھر ہے۔ اس نے پوچھا آپ کیسے؟ اس نے کہا کہ میرا گھر ہے۔

ابھی دونوں کی بات ہو رہی تھی تو اندر سے آواز آئی کہ آپ دونوں آپس میں بحث کرنے کے بجائے اندر آجائیں۔ جب دونوں اندر آئے تو ماں نے تعارف کروایا اپنے خاوند کو کہ یہ آپ کا بیٹا ہے چھوٹا سا تھا۔ میں نے جتنا آپ سے مال لیا تھا۔ اس کی تعلیم اور تربیت پر خرچ کر دیا۔ اب تم بتاؤ، کیا میں نے تمہارے مال کو صحیح خرچ کیا کہ نہیں؟

یعنی اکیلی ہے ماں، باپ بھی پاس نہیں۔ لیکن اس وقت کی مائیں اپنے بچوں کی اتنی تربیت کرتی تھیں۔ کہ بچے پھر بڑے ہو کر ربیعۃ الرائے اس کا نام مشہور ہو گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد کہلاتے ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا مقام عطا فرما دیا۔

ماں نے بیٹا وقف کیا:

ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ میری اولاد کامل بنے۔ چنانچہ دنیا میں جتنی مشہور ہستیاں گزری ہیں۔ اگر آپ ان کے حالات زندگی پڑھ لیں تو اکثر و بیشتر آپ کو ان کے پیچھے ان کی ماں کی شخصیت نظر آئے گی۔ جس نے بچپن میں ان کو بنانے کی کوشش کی۔

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ بچپن میں والد فوت ہو گئے۔ ماں اپنے بچے کو چھوڑنے کیلئے آئی۔ قاری صاحب کو کہا کہ اس کا باپ ہے نہیں، اس کو زیادہ جلدی چھٹی نہ دینا۔ گھر آنے کا چسکا پڑ گیا تو یہ پڑھائی نہیں کرے گا۔

چنانچہ قاری صاحب نے ان کو بہت عرصہ اپنے پاس رکھا۔ ایک دن ان کا جی چاہا کہ میں امی کو ملوں۔ چھٹی لے کر گھر آ گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ ماں اندر وضو کر رہی تھی۔ وہ پہچان گئی بیٹا آ گیا۔ دروازے پر آ کر پوچھتی ہے کہ کون ہے دروازہ کھٹکھٹانے والا؟ کہنے لگے میں

بایزید۔ ماں نے جواب دیا کہ ایک بایزید میرا بھی تھا۔ لیکن میں نے تو اسے اللہ کے راستے میں وقف کر دیا۔ تُو کون ہے؟

جب ماں نے یہ الفاظ کہے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ میری ماں کیا چاہتی ہے۔ چنانچہ لوٹ کر واپس مدرسہ میں آئے اور اس وقت گھر واپس لوٹے جب بایزید بسطامی بن چکے تھے۔

اس وقت کی مائیں دیکھو، یوں تربیت دیتی تھیں۔

اصل کمال ماں کا ہے:

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کا دورہ کیا۔ ستر لاکھ لوگوں نے گناہوں سے توبہ کی اور سات لاکھ ہندوؤں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جب واپس لوٹے تو بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا! بڑے خوش نظر آتے ہو۔

امی! خوش اس لئے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادت دی کہ اتنے لوگ توبہ تائب ہوئے، اتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! یہ تیرا کمال نہیں ہے۔ یہ تو میرا کمال ہے۔

کہنے لگے امی! بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا سمجھائیں تو سہی کہ آپ کا کمال کیسے؟ ماں نے کہا کہ بیٹا! میرا کمال ایسے کہ جب تو پیدا ہوا، میں نے دل میں یہ نیت کر لی تھی کہ میں کبھی بھی بے وضو تجھے دودھ نہیں پلاؤں گی۔ میں نے کبھی زندگی میں تجھے بے وضو دودھ نہیں پلایا۔ یہ اس کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں کو کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

والدین کی تربیت:

ہر ماں چاہتی ہے کہ اولاد کامل بنے۔ چنانچہ انڈیا میں ایک بزرگ گزرے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔

جب پیدا ہوئے تو ماں باپ نے آپس میں سوچا کہ بچے کی تربیت اچھی کی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت بچپن سے اس کے دل میں بیٹھ جائے۔ دونوں نے مشورہ کیا کہ بالکل ٹھیک ہے۔

چنانچہ بچہ بڑا ہوا۔ سکول جانے لگا تو ماں نے ایک ترتیب شروع کی..... وہ کیا کہ بچے کا کھانا بنایا اور اس کو کمرے میں ایک جگہ چھپا دیا۔ بچہ آیا، اس نے کہا امی! مجھے بھوک لگی ہے، کھانا دیں۔ ماں نے کہا بیٹا! ہمیں بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ تم اس سے مانگو۔ بچے نے کہا کہ امی! کیسے مانگوں؟ بیٹا مصلّے بچھاؤ۔ قبلہ رُخ بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگو۔ بچے نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی۔ ''اے اللہ! مدرسہ سے آیا ہوں، بھوک بھی ہے، پیاس بھی ہے، تھکا ہوا بھی ہوں، مجھے کھانا دے دیں۔'' پھر پوچھنے لگا کہ امی! اب کیا کروں؟

ماں نے کہا کہ کمرے میں ڈھونڈو، کہیں ہوگا۔ اب تھوڑی دیر جو بچے نے ڈھونڈا تو اسے کھانا مل گیا۔ یہ روز کا معمول بن گیا۔ بچہ آتا، اللہ سے مانگتا اور بچے کو کھانا مل جاتا۔ اب آہستہ آہستہ بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھنے لگی۔ وہ کبھی کبھی ماں سے پوچھتا کہ امی! اللہ تعالیٰ کتنے اچھے ہیں۔ انسانوں کو بھی دیتے ہیں۔ حیوانوں کو بھی دیتے ہیں۔ وہ کتنے بڑے ہیں۔ ان کے خزانے کتنے بڑے ہیں۔ بچے کے اندر ایک تجسس شروع ہوگیا۔ ماں خوش ہوتی کہ میرے بچے کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ امی! ہم اللہ تعالیٰ سے کب ملیں گے؟ اللہ تعالیٰ کتنے اچھے ہیں۔ کتنے پیارے ہیں۔ وہ ایسی باتیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے۔ ایک دن ماں اپنے رشتہ داروں میں کہیں چلی گئی۔ وہاں اسے دیر ہوگئی۔ جب وقت کا احساس ہوا، واپس آئی۔ بیٹے سے پوچھا کہ کھانا کھالیا؟ اس نے جواب دیا کہ کھانا اللہ تعالیٰ نے دیا، کھالیا۔ یہ تربیت کا نتیجہ ہے۔

والدین کی عظمت جاننے کی ضرورت ہے:

آج کل ماں کا احساس ہی نہیں۔ اگر بیٹی ناشتے کے بغیر سکول چلی گئی تو کہتی ہے کہ میری بیٹی ناشتے کے بغیر سکول چلی گئی۔ بیٹی کو احساس ہی نہیں کہ ماں کا مقام کیا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ شاید گھر کی ایک نوکرانی ہوتی ہے۔ اس کا نام ماں ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقام ہے۔

اس لئے آج کل کے نوجوان بچوں کو ماں کے مقام کی اہمیت کا اندازہ ہونا چاہئے کہ اللہ

رب العزت نے اس کو کیا مقام عطا فرمایا اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا رتبہ ہے۔

اس لئے ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ماں گناہ گار بھی ہو، خطا کار بھی ہو، بے عمل بھی ہو، لیکن اندر سے اولاد کے حق میں اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو اس طرح قبول کرتے ہیں کہ جس طرح ولایت کبریٰ کے اولیاء کی دعاؤں کو قبول کیا جاتا ہے۔ وہ گناہ گار اور خطا کار اپنی جگہ مگر اخلاص تو ہے، اولاد کے بارے میں مخلص تو ہے۔ اس کے اخلاص کی وجہ سے اللہ رب العزت ماں کی دعاؤں کو رد نہیں کرتے۔

خوش نصیب وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو اپنے ماں باپ کی دعائیں لیتے ہیں۔ ماں کی محبت الفاظ میں کوئی کیا بیان کرے گا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ماں سے پیارا رشتہ دنیا میں کوئی بھی نہیں ہوتا۔ ماں کا پیار..... دکھانے اور بتانے کا تو نہیں ہوتا۔ یہ تو وہ چیز ہے کہ ماں بے اختیار کر رہی ہوتی ہے۔

ماں کی گود:

یاد رکھنا! کہ بچے کے لئے ماں کی گود سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ بچے کی عمر خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ کتنا بڑا کیوں نہ ہو جائے، ماں کی گود ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔

اس لئے ہم نے کئی بوڑھی عورتوں کو دیکھا، ذرا تنگی آئی، ہائے اماں! ان کو بڑھاپے میں ماں یاد آتی ہے۔ حالانکہ خود نانی دادی بنی ہوئی ہے۔ لیکن اپنی تکلیف کے وقت ماں یاد آتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تکلیف میں یا ماں یاد آتی ہے یا پھر پروردگار یاد آتا ہے۔ اس لئے کہ پروردگار میں بھی رحمت ہے اور اس رحمت کا نمونہ ماں بھی ہے۔ ماں بھی یاد آتی ہے۔ اللہ بھی یاد آتا ہے۔ یہ عجیب ایک تعلق ہے۔

چنانچہ بعض بزرگوں نے یہ بات لکھی کہ اللہ تعالیٰ نے شفقت باپ کو عطا کر دی اور محبت ماں کو عطا کر دی۔ دنیا کی ہر ماں کے دل میں اولاد کی محبت ہوگی۔ اسی محبت کی وجہ سے وہ ہر وقت اولاد کے لئے دعائیں کرتی ہے۔

ماں کی دعا جنت کی ہوا:

کہا جاتا ہے کہ ''ماں کی دعا جنت کی ہوا''۔ واقعی ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

ماں کی ہستی:

یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ ماں کے بغیر ہمیشہ گھر نامکمل ہوا کرتا ہے۔ وہ پوزیشن ایسی ہے کہ جب گھر میں ماں نہیں ہوتی تو پوزیشن کوئی دوسرا بندہ پوری نہیں کرسکتا۔ سمجھ لیں کہ باپ چلا جائے تو ماں باپ کی کمی کو پورا کر جاتی ہے۔ لیکن ماں چلی جائے تو باپ کی کمی کو پورا نہیں کرسکتا۔

ماں کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب محبت دی ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا کہ ماں اولاد کے لئے ڈھال کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب بچہ بیمار ہوتا ہے تو ماں کو آداب دعا خود بخود آجاتے ہیں۔ کیسے تڑپ کر ماں دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے۔ رو رو کر اللہ کے حضور مانگ رہی ہوتی ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ وہ محبت ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ماں کی دعاؤں کو قبول کرلیا۔

ماں کی دعا کی برکت سے:

چنانچہ جن لوگوں نے خدمت کی، انہوں نے اس کا اجر پایا۔

مسلک شافعی کے ایک بزرگ تھے..... بچپن میں ان کو سورۃ فاتحہ یاد نہیں ہوتی تھی۔ ان کا یہ حال تھا۔ ذہنی طور پر اتنے کمزور تھے۔ مگر انہوں نے اپنی ماں کی خدمت کی۔ ایک مرتبہ ان کی ماں نے ان کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے سینے کو علم کے نور سے بھر دے۔ یہ دعا ملنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نسیان کے مرض کو ختم کردیا۔ یہ حدیث اور قرآن دونوں کے حافظ بنے اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہہ کہلائے۔

جس کو سورۃ فاتحہ نہیں یاد ہوتی تھی۔ سوچئے! کہ ماں کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کے کس درجے تک پہنچایا کہ جہاں وہ بہت بڑے فقیہہ بن کر زندگی گزارتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد ایمان لے آئے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ چند سال گزارے۔ ابتدا میں ان کو بھول بھی ہو جاتی تھی۔ نبی علیہ السلام سے دعا بھی کروائی، مگر ان کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں۔ یتیم ہو گئے تھے۔ والد فوت ہو گئے تھے۔ والدہ زندہ تھیں۔ ان کی والدہ نے بڑا مجاہدہ کیا۔ جوانی میں بیوہ ہوئی تھیں۔ مگر انہوں نے بچوں کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو عورت بچوں کی خاطر دوسری شادی نہ کرے، وہ غازیہ بن کر زندگی گزارتی ہے۔ اس کو موت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کی موت عطا فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں بچوں کی خاطر شادی نہیں کروں گی۔ خیر! بچے بڑے ہو گئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے، ماں ایمان نہ لائی۔ نبی علیہ السلام کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دیتی۔

ایک دن ماں نے کچھ زیادہ ہی سخت بے ادبی کی باتیں کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا۔ دل میں بات آئی کہ اس ماں کو میں قتل ہی کر دوں۔ یہ میرے نبی علیہ السلام کے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہے۔ پھر خیال آیا کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)! ذرا نبی علیہ السلام سے جا کر پوچھو تو سہی۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چلے اور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں آپ کی شان میں ایسی ایسی گستاخیاں کرتی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کا قصہ ہی نمٹا دوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں اس بات کی اجازت دے دوں یا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری والدہ کیلئے ہدایت کی دعا کر دوں؟

کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہدایت کی دعا کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا کر دعا کر دی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گھر کی طرف دوڑا کہ میں گھر پہلے پہنچتا ہوں یا

میرے محبوب ﷺ کی دعا پہلے قبول ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب میں گھر پہنچا تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ماں غسل کر کے فارغ ہوئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مسکرا کر کلمہ پڑھ کر کہا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)! میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی ہوں۔

یہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے وقت میں انہوں نے نبی ﷺ سے اتنی احادیث یاد کر لیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ حدیث کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی۔

والدہ کی خدمت کا صلہ:

آپ نے نام سنا ہوگا، قرن کے ایک نوجوان تھے، جن کا نام اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ یہ والدہ کے ایک ہی بیٹے تھے اور کوئی خدمت کے لئے نہیں تھا۔

چنانچہ انہوں نے نبی علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ دورِ نبوت میں تھے۔ ایمان بھی قبول کر لیا۔ مگر نبی علیہ السلام کا دیدار نہ ہو سکا۔ چنانچہ یہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لئے ماں سے اجازت لے کر آئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا! میری خدمت کرنے والا اور کوئی ہے نہیں، تم بس جلدی واپس آ جانا۔ یہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ نبی علیہ السلام کہیں جہاد کے لئے تشریف لے کر گئے ہوئے تھے۔ آنے میں کچھ دن لگنے تھے۔ یہ وہاں رہ کر واپس آ گئے۔

نبی علیہ السلام تشریف لائے تو آپ کو بتایا گیا کہ اس طرح کا بندہ آیا تھا۔ نبی علیہ السلام خوش ہوئے۔ حدیث پاک میں آتا ہے، مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ان کا نام لے کر کہا کہ یہ قرن کا وہ نوجوان ہے کہ اگر تم اس کو پالو تو تم ان سے اپنی مغفرت کی دعا کروانا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام جس کے بارے میں فرمائیں کہ اگر تمہاری اس سے ملاقات ہو سکے تو تم اس سے اپنی مغفرت کی دعا کروانا۔ یہ ان کو مقام کیسے ملا؟ یہ ماں کی خدمت کی وجہ سے ملا۔

جن لوگوں نے خدمت کی، انہوں نے پھر مقام پایا۔ ماں کی محبت ایک عجیب رشتہ ہے۔ جس کو الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جا سکتا۔

میں آپ کو ایک اور واقعہ سناؤں اور بات کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ایک ماں کی بات:

آپ نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا نام سنا ہوگا۔ چھوٹا سا بچہ ان کے پاس ہے۔ جس کا نام اسماعیل ہے۔ پانی ان کے پاس ہے نہیں، بچہ روتا ہے۔ ماں اپنے بچے کو ایک جگہ لٹا کر نکلتی ہے کہ میں پانی کو تلاش کروں۔

اب اس کو دو فکریں لگ گئیں۔ ایک پانی ڈھونڈنے کی اور دوسرا یہ کہ میں بچے سے دور ہوں۔ کہیں بچے کو کوئی جانور نقصان نہ پہنچا دے۔ اب آنکھ تو بچے کی طرف ہے۔ دل چاہتا ہے کہ مجھے پانی مل جائے۔ چنانچہ پہلے پہاڑ کی ایک چوٹی پر، پھر صفا پر، پھر مروہ پر یہ ماں دوڑ رہی ہے۔ اس بے تاب ماں کا دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک حج کا حصہ بنا دیا۔ فرمایا..... اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ..... صفا اور مروہ یہ تو شعائر اللہ میں سے ہیں۔

کہنے والا کہتا ہے کہ تیرا حج قبول نہیں۔ میں نے اس وقت تیرھواں حج کیا۔ میں نے رات کو خواب یہی دیکھا کہ کہنے والا کہتا ہے کہ تیرا حج قبول نہیں۔ میں بہت پریشان ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ میرا حج قبول نہیں۔

وہ اللہ والے تھے۔ انہوں نے ذرا بات چیت کی۔ میں نے پوچھ کر اندازہ لگا لیا۔ انہوں نے کہا کہ تیرے ماں باپ کی خدمت کرنے والا اگر کوئی اور ہوتا..... بہن بھائی تو مسئلہ اور تھا۔ تم نے ان کا خیال نہ رکھا۔ رابطہ نہ رکھا۔ اس لئے جاؤ اور ماں باپ کو راضی کر کے پھر آؤ۔ تب اس کو احساس ہوا کہ کئی سالوں سے کوئی خط و کتابت کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اتنے ٹیلی فون عام نہیں ہوتے تھے۔ دیہاتوں میں تو ہوتے ہی نہیں تھے۔ خط و کتابت اور پیغام سے ہی بات چلتی تھی۔

چنانچہ کیا ہوا کہ اس نے گھر آ کر تیاری کیا اور اپنے وطن آیا۔ اب جب اپنی بستی میں پہنچا تو اس کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ امی ابو کس حال میں ہیں؟ اس نے ایک بچے سے جو دس گیارہ سال

کا تھا، پوچھا کہ فلاں بوڑھا اور اس کی بیوی کس حال میں ہیں؟ اس نے کہا کہ چھ مہینے ہو گئے، بوڑھا تو فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی زندہ ہے۔ لیکن اس پر فالج کا اٹیک ہوا، آنکھوں پر موتیا آ گیا، اس کو بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن ابھی وہ زندہ ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ سنا ہے کہ ان کا ایک بیٹا تھا۔ وہ کسی باہر ملک گیا ہوا ہے، پتہ نہیں وہ کیسا نامعقول ہے کہ اس کو ماں باپ کا احساس ہی نہیں۔ اب اس بچے کو کیا پتہ کہ وہ اسی بندے سے گفتگو کر رہا ہے کہ جس کا یہ مسئلہ ہے۔ چنانچہ بچہ تو چلا گیا مگر اس کے دل پر چوٹ لگا گیا۔ اب اس کو بڑا احساس ہوا کہ والد فوت ہو گئے، میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔

پھر یہ بھی خیال آیا کہ چونکہ والد فوت ہو گئے۔ امی مجھ سے اتنی ناراض ہوں گی کہ وہ مجھ سے گفتگو کرنا بھی پسند نہ کرے گی۔ امی تو جھڑکیاں دے گی۔ کہے گی کہ دفع ہو جاؤ۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ تم گھر سے نکل جاؤ۔ اب میں امی کو کیسے مناؤں گا۔ میں پاؤں پکڑوں گا۔ میں یہ الفاظ کہوں گا، یہ الفاظ کہوں گا۔ اب یہ سوچتا ہوا جا رہا ہے۔

یہ آہستہ آہستہ قریب ہوا۔ اس کے دل میں ایک عجیب خیال آیا کہ اگر تو امی سوئی ہوئی ہوں گی تو میں تھوڑی دیر انتظار کر لوں گا۔ اگر جاگ رہی ہوں گی تو میں امی کو سلام کروں گا۔

یہ آہستہ آہستہ اپنی ماں کے قریب ہوا۔ جب قریب جا کر اس نے دیکھا تو تب اس کو محسوس ہوا کہ اس کی والدہ تو ہاتھ اُٹھا کر دعائیں مانگ رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ میں سنوں تو سہی کہ امی کیا دعا مانگ رہی ہے؟ یہ اور قریب ہوا..... اور قریب ہوا۔ جب قریب ہو کر اس نے سنا تو یہ تو ڈر رہا تھا کہ ماں گھر داخل نہیں ہونے دے گی۔ ماں دھکا دے دے گی۔ ماں کہے گی کہ آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ دفع ہو جاؤ۔ لیکن اس کی ماں تو دعا ہی کچھ اور مانگ رہی تھی۔

کیا مانگ رہی تھی؟

ماں یہ دعا کر رہی تھی کہ اللہ! میرا خاوند تو فوت ہو گیا۔ اب میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کو بخیریت میرے پاس پہنچا دینا تاکہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو مجھے قبر میں اتارنے والا بھی محرم موجود ہو۔ ماں یہ دعا کر رہی ہے۔ بیٹا سمجھتا ہے کہ ماں بات نہیں کرے گی۔ ماں گھر سے نکال دے گی۔

ماں کی محبت کا یہ حال ہے اس بڑھاپے میں، ماں یہ دعا کرتی ہے کہ اللہ! خاوند میرا فوت ہوگیا، میرا ایک ہی بیٹا ہے، اسے بخیریت گھر واپس پہنچا دینا تا کہ جب میری موت آئے تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی قبر میں اُتارنے والا میرا کوئی محرم موجود ہو۔

اس نے کہا امی! میں آ گیا ہوں۔ ماں چونک اُٹھی۔ اچھا! میرے بیٹے آ گئے۔ کہنے لگا ہاں اماں! میں آ گیا۔

ماں نے اس بچے کی طرف ہاتھ بڑھائے اور کہا کہ بیٹے! میری بینائی چلی گئی۔ میں تمہارا چہرہ تو نہیں دیکھ سکتی۔

اے بیٹے! ذرا میرے قریب ہو جاؤ۔ میں تمہارا بوسہ لوں اور تمہارے جسم کی خوشبو سونگھ لوں۔ ماں کی محبت تو ایسی ہوتی ہے۔ اس لئے اس محبت کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ یاد رکھنا! ماں بیمار ہو، ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو، پڑی رہے مگر اولاد کے لئے اس کا وجود پھر بھی رحمت ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بیٹھی لیٹی اولاد کے لئے دعائیں کر رہی ہوتی ہے۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اُچھال دیتا ہے

نوجوان اولاد کیا کیا حرکتیں کر لیتی ہے۔ ماں کی دعائیں اولاد کے لئے اللہ کی حفاظت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

ماں کی دعا سے محروم:

ایک آدمی تھا، اس کی والدہ فوت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے کلیم! اس بچے کو کہہ دو کہ جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں، وہ ہستی دنیا سے اُٹھ گئی ہے۔ اب ذرا سنبھل کر زندگی گزارنا۔

کمی کا احساس ہوتا ہے:

ماں جب چلی جاتی ہے، پھر احساس ہوتا ہے کہ بھئی اس کی دعائیں کیا کام دکھاتی تھیں۔ مائیں مر کے بھی جدا نہیں ہوتیں۔ محبت ان کی یوں محسوس ہوتی ہے کہ جیسے شاید ابھی بھی

زندہ ہیں۔

اس لئے کسی نے کہا۔

وہ میرے ساتھ روتی ہے وہ میرے ساتھ ہنستی ہے
مری کب میری ماں اب بھی میرے دل میں بستی ہے
زمانے بھر میں مل نہیں سکتا کوئی بدل جس کا
فقط اک ماں کی ہستی ہے فقط اک ماں کی ہستی ہے

اس کا بدل کوئی دوسرا نہیں بن سکتا۔ جو محبت ماں کے دل میں ہوتی ہے، اس محبت کا نعم البدل کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے، اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے بعد محبت کرنے والی فقط ماں کی ذات ہے۔

ماں ماں ہوتی ہے:

ساری دنیا اچھوں سے محبت کرتی ہے اور بروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اک ماں ہے، اولاد بگڑ بھی جائے، وہ کہے گی کہ نصیب ان کے، میرے تو بچے ہیں۔ ماں بروں سے بھی محبت کرتی ہے۔ بروں سے محبت کرنے والی ماں کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ رشتہ ایسا دے دیا ہے ماں کو کہ نیک اولاد کے لئے بھی دعا کرتی ہے اور بری اولاد کے لئے اس سے بڑھ کر دعائیں کرتی ہے۔ اولاد کو اندازہ نہیں ہوتا۔ اُٹھتے بھی دعائیں کر رہی ہوتی ہے۔ بیٹھے بھی دعائیں کر رہی ہوتی ہے۔ سونے سے پہلے بھی دعا کرتی ہے اور جاگنے کے بعد بھی دعائیں کرتی ہے۔ ہر وقت اس کے دل میں یہی فکر اور غم ہوتا ہے کہ میری اولاد اچھی ہو جائے، عزت پا جائے۔ گھر کے اندر محبتوں کو جو جوڑنے کا مرکز ہوتا ہے، اس کا نام ماں کی مامتا ہوتا ہے۔ بھائیوں کو، بہنوں کو، سب کو اس نے ایک جگہ جوڑا ہوا ہوتا ہے۔

جس طرح نیوکلیئس ہوتا ہے کہ اس نے ہر چیز کو ایک نظام میں جوڑا ہوا ہوتا ہے۔ ماں حقیقت میں گھر کا نیوکلیئس ہوتی ہے۔ سب بہن بھائیوں کو اس نے جوڑا ہوتا ہے۔ بچے ہوتے ہیں، نوجوان افلاطون بنے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی بات برداشت نہیں کرتے۔ ایک

دوسرے کے ساتھ طبیعتیں نہیں ملتیں۔

ماں ہوتی ہے، کسی کو خوش ہو کر سمجھاتی ہے۔ کسی کو رو کر سمجھاتی ہے۔ ان کو آپس میں جوڑ کر رکھتی ہے۔ ماں کون ہوتی ہے؟ گھر میں محبتوں کو مرکزیت عطا کرنے والی۔ وہ ماں ہوتی ہے، سب کو ایک نقطے پر جوڑ کر رکھتی ہے۔

جب یہ مرکز چلا جاتا ہے، پھر احساس ہوتا ہے کہ واقعی اب ہم اس نعمت سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خوش نصیب ہیں وہ لوگ، جنہوں نے جی بھر کر اپنی والدہ کی خدمت کی اور ان کی دعائیں لیں۔ جو نہیں کر سکے نوجوان، وہ خدمت کرنے کی کوشش کریں..... اور جو خدمت کر سکے وہ خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کی دعائیں لیں۔

خالہ کی خدمت والدہ کی خدمت:

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر کوئی والدہ کی خدمت نہیں کر سکا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک نوجوان نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں اپنی والدہ کی خدمت نہیں کر سکا اور وہ دنیا سے چلی گئی۔ فرمایا کہ کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا جی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی خدمت کر لو۔

حدیث پاک کے مطابق ماں کی خدمت کرنا یا ماں جن کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتی تھی، ان کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق رکھنا بھی ماں کی خدمت کا حصہ ہے۔

جب ماں جدا ہوتی ہے:

میں نے ایک عام اندازہ لگایا ہے کہ انسان کو زندگی کی قدر و قیمت کا پتہ اس وقت چلتا ہے کہ جب آدھی سے زیادہ زندگی گزر چکی ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر ماں کے مرتبے کا اس وقت پتہ چلتا ہے کہ جب ماں اپنے سے جدا ہو چکی ہوتی ہے۔ جب انسان کسی قابل بنتا ہے، ماں کی خدمت کا اہل ہوتا ہے، عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قدرت ماں کو اولاد سے جدا کر دیتی ہے۔ اس لئے تو کہنے والے نے کہا تھا۔

تربیت سے تیری میں انجم ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

اکثر دیکھا ہے کہ جب اولاد اس قابل ہوتی ہے کہ ماں کی خدمت کر سکے، ماں اس وقت دنیا سے چلی جاتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں کہ جو زندگی میں جی بھر کر ماں کی خدمت کرتے ہیں۔

میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

اللہ رب العزت ہمیں اس رشتے کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دو جدا ہونے والے:

ہمارے بھائی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقصد کے تحت اپنی زندگی گزاری اور اس مقصد کی خاطر اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ کتنی عظیم ماں تھی، جس نے اس کو خوشی سے قبول کیا اور اپنے بیٹے کو دین کے لئے وقف کیا۔

کئی مرتبہ ہمارے ہاں تشریف لاتی تھیں۔ میں نے ہمیشہ ان کے اوپر بہت سکون دیکھا کہ میرے بچے نے ایک اچھے مقصد کی خاطر جان دی۔ ہمیشہ ان کے لئے دعائیں کرتی رہتی تھی۔ بہت صابرہ (صبر کرنے والی) خاتون تھی۔

آخری عمر میں جب بیماریاں بڑھ گئیں، اس بیماری میں بھی صبر کے ساتھ وقت گزارا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ایسے گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں کہ جیسے اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی اس بیماری کی وجہ سے دنیا میں ہی اپنے گناہ بخشوا کر بخشی بخشائی دنیا سے چلی گئی۔ اللہ رب العزت اس کو اپنے قرب کے اعلیٰ ترین مقامات عطا فرمائے۔ (آمین)

اب یہ ماں بیٹا اگلے جہاں میں خوش ہوں گے کہ دنیا میں ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے

آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم پیچھے رہ جانے والوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ ہم بھی کچھ اگلے جہان کے لئے کرلیں۔ یہاں کی کاریں، کوٹھیاں، روٹی بوٹی..... سب وقتی چیزیں ہیں۔ جانا سب نے اسی دیس ہے۔ یہ کوٹھیاں رہ جائیں گی اور ؎

دو گز زمین کا ٹکڑا چھوٹا سا تیرا گھر ہے

بالآخر ہمیں وہاں جا کر خاموش کالونی میں رہنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آخرت کو آباد کرنے کی، بنانے کی اور دنیا کے اندر اپنے رب کو راضی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے بچوں کو آپس میں الفت ومحبت سے ہمیشہ جوڑے رکھے۔ ساری زندگی یہ آپس میں اتفاق واتحاد، محبت ومودت کے ساتھ گزاریں تاکہ ماں کی روح کو بھی خوشی نصیب ہو اور نیکی پر زندگی گزاریں تاکہ وہ سمجھیں کہ میں اپنے پیچھے نیک اولاد کو چھوڑ آئی۔

نیک اولاد صدقہ جاریہ:

نیک اولاد والدین کے لئے صدقہ جاریہ ہوتا ہے..... اللہ تعالیٰ ہمارے شبیر بھائی کو یہ ہمت دے کہ یہ اور زیادہ نیکی تقویٰ میں قدم آگے بڑھائیں۔ اپنی اولاد کو دین کے راستے پر لگائیں اور اپنے والدین کے لئے صدقہ جاریہ بن جائیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر یہ بھی اپنے رب کو راضی کرنے والے بن جائیں، ان کے سر پر بوجھ اور بڑھ گیا ہے۔

اب چونکہ یہ بڑے ہیں، اس لئے انہوں نے اپنے بھائی بہنوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنا ہے۔ وہ جو کمی آ گئی، اس کمی کو انہوں نے ہی پورا کرنا ہے۔ یہ بوجھ اُٹھانے ہوتے ہیں۔

انسان کے سر پر جب بوجھ پڑتا ہے، پھر قدر آتی ہے کہ ماں کیا کرتی تھی۔ ماں کی وجہ سے کتنی محبتیں تھیں۔ کتنا جوڑ تھا۔ جو خود جوڑنا پڑ جاتا ہے ایک ایک کو اور نخرے اُٹھانے پڑ جاتے ہیں چھوٹوں کے، تب بات سمجھ میں آتی ہے۔

بہر حال! جب اللہ تعالیٰ بوجھ دیتا ہے تو اُٹھانے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ رب العزت ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

جن کے ماں باپ دنیا سے چلے گئے، اللہ تعالیٰ ان کے ماں باپ کو آگے کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے اور جن کے والدین زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ان کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

علم کی بہاریں

خطبہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (سورۃ الاحزاب:٦)
وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يؤمن احدكم
حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

علم کی فضیلت:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ...... اے میرے محبوب ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ کیا علم والا اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟...... اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ...... اس کی پرکھ وہی رکھتے ہیں جو عقل والے ہوتے ہیں۔ عقل والوں کو یہ فرق معلوم ہے کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اہل علم حضرات کی فضیلت کو بیان فرمایا۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا...... العلم نور...... علم نور ہے، روشنی ہے۔

گویا دوسرے الفاظ میں جہالت کو اندھیرا فرمایا۔ جب علم نور ہے تو بے علمی اور جہالت اندھیرا ہوئی، تاریکی ہوئی۔

یہ جو فرمایا...... اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ...... اس کی پرکھ اہل عقل و دانش رکھتے

ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ علم کا مخالف ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو بے عقل انسان ہوتا ہے۔ جو عقل سے کورا ہوتا ہے، وہ علم کا ہمیشہ مخالف ہوتا ہے۔

علم ایک نور ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کو عزت ملتی ہے۔

علم بلند کرتا ہے:

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانا چاہا تو فرشتوں کو بتایا:

..... اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً.....

میں زمین میں اپنا نائب بناتا ہوں۔ انہوں نے پہلے دیکھا تھا کہ جو زمین کی مخلوق تھی، وہ خون بہاتی تھی۔ فساد مچاتی تھی۔ اس پر انہوں نے بات کہی جو مشاہدے پر مبنی تھی..... اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ..... جواب میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

..... اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ .....

میں وہ جانتا ہوں کہ جو تم نہیں جانتے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کی فطرت میں علم کے ساتھ مناسبت رکھ دی۔

یہ جو قرآن کریم میں ہے..... وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا..... کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کر دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو الفاظ بتا دیئے اور ان کو بتائے نہیں۔ پھر دونوں کا مقابلہ کروا دیا، ایسے نہیں ہے۔ ان کی فطرت میں، ان کی تخلیق میں، علم کی ایسی مناسبت رکھ دی، استعداد رکھ دی، ان کو علم کی سمجھ عطا کر دی کہ ان کو ان اشیاء کا علم فطری طور پر حاصل ہو گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرشتوں کو فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا ..... سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ .....معذرت کر لی۔

اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ.....اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ.....ان چیزوں کے نام بتایئے۔ جب انہوں نے نام بتا دیئے تو فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔

اب یہاں ایک عجیب سی صورت حال ہے۔ ایک طرف ہزاروں لاکھوں سالوں کی عبادت گزار فرشتوں کی جماعت اور دوسری طرف کل کے پیدا ہونے والے حضرت آدم علیہ السلام۔

لیکن جب آپس میں مقابلہ ہوا تو میدان آدم علیہ السلام نے جیت لیا۔ بڑی عجیب سی بات ہے۔ ایسے عبادت گزار فرشتے..... لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ.....

دو چار ہزار سال کی بات نہ تھی، لاکھوں سال گزر گئے۔ کب اللہ نے پیدا کیا، اس وقت سے لگے ہوئے ہیں.....

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○

جو اللہ کے پاس آسمان کی مخلوق ہے، دن رات وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے کیلئے افطار نہیں ہے، رکتے نہیں ہیں۔

اب ایک طرف تو اتنے بزرگ فرشتوں کی جماعت، عبادت گزار فرشتوں کی جماعت ہے۔ اور دوسری طرف اکیلے آدم علیہ السلام ہیں۔ مگر شان خدا دیکھئے کہ میدان آدم علیہ السلام نے جیت لیا۔ مقابلے میں کامیاب ہو گئے۔

دنیا کا یہ دستور ہے کہ جب بھی کوئی مقابلہ جیتتا ہے تو پھر اس کو انعام دیا جاتا ہے۔ بلکہ انعام دینے والے کوشش یہ کرتے ہیں کہ ایسا انعام ہو کہ جسے یاد رکھا جائے۔

چنانچہ وفاق والے بھی سندات دیتے ہیں طلباء کو تاکہ ساری زندگی یاد رکھیں۔ سند رہے۔ کئی جگہوں پر ٹرافی دے دیتے ہیں۔ بعض جگہوں پر گولڈ میڈل پہنا دیتے ہیں، یہ اس موقع کو تاریخی حیثیت دینے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کہ اسے بعد میں یاد رکھا جائے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے بھی آدم علیہ السلام کی اس جیت پر خوش ہو کر ارادہ فرمایا کہ میں اپنے پیارے آدم علیہ السلام کو تاریخی انعام دوں۔ دو کام فرمائے:

پہلا کام تو یہ کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو تخت پر بٹھاؤ اور ساتوں آسمانوں کی سیر کراؤ، ہر آسمان کے فرشتے ان سے تعارف حاصل کریں۔ ان کا دیدار کریں ان کو دیکھیں۔ یہ دنیا میں میرے نائب بننے والے ہیں۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ساتوں آسمانوں کی سیر تخت پر بٹھا کر کروائی گئی۔

دوسرا انعام جو تاریخی تھا، جو یادگار بن گیا، وہ یہ تھا کہ سجدہ اللہ رب العزت کا حق ہے۔

مگر اللہ رب العزت سے تھوڑی دیر کیلئے آدم علیہ السلام کی طرف سجدے کا کرنا جائز قرار دے دیا۔

ایک سجدہ عبادت ہوتا ہے وہ خاص اللہ کا حق ہے اور یہ تعظیمی تھا مگر پھر بھی اللہ کا حق ہے۔ ایسا انعام دیا کہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ فرشتوں کو فرمایا..... اسجدوا لادم..... کتنا انوکھا حکم ہے، حیران کر دینے والا حکم ہے۔ اللہ تیرے سامنے سر جھکاتے رہے سجدے کرتے رہے، اب آپ کا یہ حکم..... اسجدوا لادم..... آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرو۔

چنانچہ جیسے ہی حکم خدا ہوا، سارے کے سارے فرشتے فوراً آدم علیہ السلام کی طرف سجدے میں چلے گئے۔ لیکن ان میں سے ایک غیر مقلد نکلا، کھڑا رہا کہا..... ما منعك ان لا تسجد..... یہ کیا مسئلہ ہوا، تو نے سجدہ کیوں نہ کیا، کہنے لگا..... اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ..... میں اس سے زیادہ اعلیٰ ہوں..... .....خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ ..... مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا، جو بلندی کی طرف مائل ہے اور اسے آپ نے مٹی سے پیدا کیا، جس میں پستی اور عاجزی ہوتی ہے۔

میں اعلیٰ..... چنانچہ مقابلے پر اتر آیا۔

اب یہاں دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت قدر دانوں کی، فرشتوں کی جماعت کہ جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی قدر دانی کی، ان کی حیثیت کو، ان کے مقام کو انہوں نے مان لیا اور ماننے کی وجہ سے انہوں نے سجدہ کر لیا۔

ایک شیطان جو مقابلے پر اتر آیا۔ یہ مخالفین کی جماعت، اب مخالفین کا تو اللہ نے وہ حشر کیا کہ اسی وقت فرمایا..... فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ..... نکل جا میرے دربار سے۔ تو مردود ہے اور یہاں تک کہہ کر پھر جیسے بندے کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ غصہ نہیں ٹھنڈا ہوا، آگے بھی کہہ دیا:

.....وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.....

قیامت تک تیرے اوپر میری لعنتیں برستی رہیں گی۔

دوسری طرف وہ فرشتے جنہوں نے سجدے میں پہل کی۔ محدثین نے لکھا کہ جبرائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام..... اللہ تعالیٰ نے ان قدر دانوں کو بھی انعام سے نواز دیا۔

چنانچہ جبرائیل علیہ السلام کو اللہ نے ایک عظیم منصب دیا کہ تم میرے پیغمبر ہو، میرا کلام میرے انبیاء تک پہنچانے والے.....

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝

ان کی تعریفیں اللہ نے کردیں، ان کو انعام مل گیا۔

فرمایا کہ تم نے میرے انبیاء کی مدد بھی کرنی ہے۔ چنانچہ اتنا عظیم منصب ملا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی طرف جبرائیل علیہ السلام ۲۴ ہزار مرتبہ اترے۔ کلام پہنچانے والے بن گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مدد کرنے والے بن گئے۔ اسرافیل علیہ السلام کو بھی انعام ملا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی ذمہ داری عطا کی۔

عام طور پر ایئر کنڈیشنڈ کا ریموٹ کنٹرول ہو تو وہ بچوں کے ہاتھ میں نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ یہ بچے ہیں، یہ کام خراب کردیں گے۔ ریموٹ ہمیشہ بڑے سمجھ دار، بڑے ذمہ دار کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں جو قیامت کا انقلاب لانا تھا، اس کا ریموٹ کنٹرول حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا۔ فرمایا آپ جیسے ہی صور پھونکیں گے۔ ہم اس کائنات میں انقلاب پیدا کردیں گے۔ قیامت برپا کردیں گے۔ اتنی اہم ذمہ داری اللہ رب العزت نے اسرافیل علیہ السلام کو سونپی ہے۔

یہاں سے ایک نتیجہ نکلا کہ جو قدر دان جماعت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی انعام دیا۔ جو مخالفین کی جماعت تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی..... ہر دور اور ہر زمانے میں اللہ رب العزت کی سنت یہی رہی ہے۔

علم عزتیں دیتا ہے:

آج بھی جو علماء کا قدر دان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا مستحق بنے گا اور جو علماء کا مخالف ہوگا وہ چونکہ شیطان کے راستے پر چلے گا لہٰذا اللہ رب العزت کی طرف سے اس کی ناراضگی کا مستحق بنے گا۔

یہ علم انسان کو عزتیں دیتا ہے۔ انسان کے اندر اعتماد، یقین پیدا کردیتا ہے۔

آپ ذرا غور کریں! حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ رب العزت کے پیغمبر بھی ہیں اور

وقت کے بادشاہ بھی ہیں..... اور بادشاہی بھی ایسی کہ جو کسی کو نہ پہلے ملی نہ بعد میں ملی۔ انسانوں کے بادشاہ، جنوں کے بادشاہ، خشکی کی مخلوق، تری کی مخلوق، ہوا کی مخلوق، سب کے بادشاہ۔ کیا نعمت ان کو اللہ نے عطا فرمائی..... اور ملک الرسول بنایا۔ وقت کے بادشاہ بھی ہیں اور اللہ رب العزت کے پیغمبر بھی ہیں۔

جن کے سامنے جن بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شان و شوکت عطا فرمائی تھی۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ چلتے تھے اور جہاں کہیں اترتے، وہاں وضو کیلئے پانی کی ضرورت ہوتی تو اس بات کا اندازہ لگانا پڑتا تھا کہ زمین میں پانی قریب ہے یا دور ہے۔ گہرا ہے تو پرندوں کی دنیا کا ایک سول انجینئر تھا۔ اس کا نام تھا ہدہد، جہاں جاتے اس کے ذمہ تھا کہ سروے کر کے بتاؤ، وہ چونچ سے زمین کھود کر بتا دیتا کہ زمین قریب ہے یا نہیں۔

ایک دفعہ جب ایسی ضرورت پیش آئی اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تو پتہ چلا کہ جناب ہدہد نہیں ہے..... مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ..... فرمایا یہ 'ھد ھد' کہاں چلا گیا؟..... اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ..... آج یہ کیوں غائب ہے؟

ادھر وضو کرنا تھا، اللہ کی عبادت کرنی تھی۔ جلال میں آ گئے..... لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا ..... میں اسے سخت سزا دوں گا..... اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗ ..... میں اسے قتل بھی کروا دوں گا..... یا پھر ایک اور موت ہے..... اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ..... کوئی مجھے لاجک دے، کوئی ریزن دے، کوئی وجہ بتائے، سمجھنے والی ہو۔ کیوں نہیں ہے؟ ادھر سے یہ باتیں ہوئیں..... فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ..... ادھر سے ہدہد بھی آ گیا۔ اب ہدہد کو اطلاع دی گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت بہت جلال میں ہیں۔ آج کا چپڑاسی جب معلوم کر لے کہ افسر غصے میں ہے۔ کانپتا ہے دفتر میں، دروازے سے اندر داخل ہونے سے گھبراتا ہے، کہتا ہے موڈ آف ہے میرے افسر کا!

حضرت سلیمان علیہ السلام تو کہہ بھی چکے تھے کہ سخت سزا دوں گا۔ جن کے سامنے جن جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ان کے سامنے پیشی کس کی؟ ہدہد کی۔ ایک مٹھی بھر جاندار، ہڈیوں کا مجموعہ۔ اگر اس کو یہ اطلاع ملتی تو ظاہر عقل کہتی ہے کہ اس کو ہارٹ اٹیک ہو جانا چاہئے تھا۔ وہ فوت ہی ہو جاتا۔

سلیمان علیہ السلام نے بلالیا۔ مگر ہدہد گھبرایا نہیں۔ کنفیوز نہیں ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہوگیا۔ اتنی بڑی جرأت اس کی، آخر اس ننھی سی جان کے اندر یہ جرأت کس نے پیدا کی؟ علم نے پیدا کی، اس کے پاس ایک بات کا علم تھا۔

چنانچہ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم کہاں غائب رہے؟ اس نے آگے سے کھڑے ہوکر جواب دیا..... اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ○ ..... کہ جناب میرے پاس ایک ایسی بات کا علم ہے کہ جو آپ کے پاس نہیں۔ یہ ہدہد، حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بڑھکیں مارنے لگا..... اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ ..... مجھے پتہ ہے آپ کو نہیں پتہ۔

دو جماعتیں:

معلوم ہوا کہ علم انسان کے اندر اعتماد پیدا کردیتا ہے۔ عالم جب بات کرتا ہے اس کے پاؤں کے نیچے چٹان ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کا یقین بڑھتا ہے۔ علم ایک تو انسان کی طبیعت کے اندر اعتماد پیدا کردیتا ہے۔

دوسرا..... علم انسان کو دنیا اور آخرت کی عزتیں دیتا ہے۔ عزتیں ملتی ہیں۔ کیسے ملتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک واقعہ کو احسن القصص فرمایا۔ قصوں میں بہترین قصہ۔ اس میں اللہ رب العزت نے دو جماعتوں کا تذکرہ کیا۔ ایک جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی جو کہتے بھی تھے..... نحن عصبة..... ہم تو ایک جماعت ہیں گینگ ہیں۔ گروپ ہیں۔

دوسری جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی، گو دیکھنے میں ایک تھے۔ لیکن کتنی دفعہ ایک شخص اپنی ذات میں ایک انجمن اور ایک ادارہ ہوا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں..... اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً..... میرا ابراہیم ایک امت ہے۔

یہ دو جماعتوں کا تذکرہ ہے۔ اب ہوا کیا، کہ بھائیوں کے دل میں حسد آ گیا، کہ والد کی محبت کی نظر جو یوسف علیہ السلام پر ہے۔ وہ ہم پر نہیں ہے۔

چنانچہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان کو ہم کنوئیں میں ڈال دیتے ہیں۔ بہانہ بنا کر ان کو لے گئے اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ کنوئیں میں جو ڈالا، وہ صبح کے وقت نہیں ڈالا، شام کے قریب

ڈالا، تبھی تو جب واپس آئے تو عشاء کا وقت ہو چکا تھا..... وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ..... رات کو گھر لوٹے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حال عجیب .....ایک بھائیوں کی اس بات سے غمگین کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا اور دوسرا کنویں کی تنہائی اور تیسرا اوپر سے رات کی تاریکی، اب اکیلا بچہ بچپن کی عمر میں اکیلا ہوتا ہے۔ لڑکپن کی عمر میں ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ گیا۔ چنانچہ بہت ہی غم زدہ، پتہ نہیں کہ اب میرا یہاں کیا بنے گا۔ رات بہت بے قراری میں گزری۔ غم میں گزری، حتّٰی کہ سحری کا وقت ہو گیا۔

دعا قبول ہوئی:

جب صبح کی سحری، سفیدی نمودار ہونے لگی تو اس سفیدی کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ایک امید کی کرن جاگی، کہ اگر دن آئے گا تو ہو سکتا ہے کہ کوئی پانی بھرنے کے لئے آئے اور مجھے یہاں سے نکالے۔ چنانچہ انہوں نے سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

اے اللہ! میرے اس کرب کو بھی ختم فرمادے اور جتنے بھی دنیا میں مصیبت زدہ ہیں، اللہ! سب کے کرب کو ختم فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا۔

مفسرین نے ایک آیت کے تحت ایک نکتہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قیامت تک کیلئے یہ دعا قبول ہوئی کہ بڑے سے بڑے غم زدہ بندے کو دیکھو کہ سارا دن غم زدہ ہوگا، لیکن صبح صادق کا وقت ہوگا، آپ دیکھیں گے کہ اس کی طبیعت میں تھوڑا اطمینان آ جائے گا۔

دنیا کے کسی مریض کو دیکھ لیجئے۔ سارا دن مرض اپنی شدت پر ہوگا۔ جب صبح سحری کا وقت ہوگا، مرض میں تھوڑی کمی آ جائے گی۔ یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا کی قبولیت ہے۔

یہ عورتیں جو اپنے خاوند کے فوت ہونے پر روتی ہیں۔ عورت کی طبیعت میں اطمینان نہیں ہوتا۔ چین نہیں ہوتا۔ سکون نہیں ہوتا۔ آپ دیکھیں کہ ان کو بھی سحری کے وقت نیند آ جاتی ہے۔ یہ اللہ نے وقت ہی ایسا بنایا ہے۔ ہر مصیبت زدہ کی تکلیف میں اللہ تخفیف فرما دیتے ہیں۔

خیر صبح ہوئی۔ قافلے والوں نے ان کو نکال لیا۔ انہوں نے جا کر آگے بیچا۔ مگر قیمت کیا لگی؟

بہت تھوڑی سی..... وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ..... تھوڑے سے سکّے اور وہ بھی کھوٹے۔

عزیز طلباء! اب ذرا غور کیجئے کہ لڑکپن کی عمر میں تو ہر بچہ خوبصورت ہوتا ہے۔ چہرے پر معصومیت ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبصورتی تو بے مثال تھی۔ ان کے چہرے پر نورِ علیٰ نور والی کیفیت تھی۔ اتنے خوبصورت تھے۔ لیکن جب بکے تو قیمت کیا لگی؟ چند کھوٹے سکے۔

یہاں سے ایک نکتہ نکلا، کہ اللہ رب العزت کی نظر میں حسنِ ظاہر کی قیمت چند کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جو حسن کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ وہ چند کھوٹے سکّوں کی متاع کے پیچھے زندگی کو گنواتے پھرتے ہیں۔

ایک محل میں پہنچ گئے حضرت یوسف علیہ السلام ..... خدمت کا کام ذمے لگ گیا، عمر بڑھتی رہی، بڑھتی رہی ایک ایسی عمر کو پہنچے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نوازا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں..... وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا..... بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچ گئے، پختگی کی عمر کو پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور حکمت عطا فرمادی۔

اب ایک زندگی میں تبدیلی آئی، یہ نعمت پہلے نہیں تھی۔ اب ملی۔ اب اس نعمت کے اثرات بھی ہوتے ہیں طبیعت کے اوپر، چنانچہ ان کے اوپر ایک آزمائش آئی۔ اس آزمائش میں اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرمادیا۔

ایک گناہ کا موقع پیش ہوا، مگر انہوں نے کہا..... معاذ اللّٰہ..... میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ چونکہ عظمت الٰہی کو جانتے تھے، علم نے سینے کو کھول دیا تھا۔ شرح صدر حاصل ہو چکا تھا کہ حکم خدا کو پورا کرنے میں ہی عزت ہے۔ لہٰذا جیسے ہی گناہ کی دعوت ملی۔ فوراً فرمایا..... معاذ اللّٰہ..... میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ خیر کامیاب ہو گئے۔

اب جنہوں نے گناہ کی دعوت دی تھی۔ وہ بھی بڑی مکر کرنے والیاں تھیں۔ پیچھے نہیں ہٹیں۔ انہوں نے بھی پھر مل ملا کر کہا کہ بہتر ہے کہ مطالبہ پورا کر دو ورنہ تجھے جیل بھجوائیں گے۔

ہوا بھی ایسے کہ جیسے ہی دروازہ کھلا، وہ عورت جو کہہ رہی تھی..... قَالَتْ هَيْتَ لَكَ..... وہ باہر نکلتے ہی خاوند سے کہنے لگی کہ اس بندے کا کیا معاملہ ہونا چاہئے کہ جو آپ کے اہل خانہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔

یہاں سے ایک نکتہ نکلا کہ یہ جو نفسانی محبتیں ہوتی ہیں۔ یہ دعوے سب ختم ہوتے ہیں جب معاملہ کھلتا ہے۔ ایک فریق ہمیشہ الزام دوسرے پر دھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دستور دیکھ لیں دنیا کا۔ بڑے محبتوں کے دعوے ہوں گے۔ تیری خاطر یہ قربان، یہ قربان، یہ قربان لیکن جب بات کھلتی ہے تو پھر اپنے اوپر حرف کوئی نہیں آنے دیتا، کہتے ہیں کہ اس کا قصور ہے۔

اس عورت نے بھی یہی کیا۔ کہنے لگی کہ اس کا قصور ہے۔ واہ! میرے مولا! قرآن مجید میں دیکھو، کیا اسرار و رموز ہیں۔

یہاں ایک نکتے کی بات کہ اللہ رب العزت نے جب اس عورت کا تذکرہ کرنا چاہا تو اختصار کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس کا نام لے کر بات کر دیتے۔ جیسے عزیز مصر کا نام کئی مرتبہ لیا۔ بات مختصر ہوتی ہے۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسے نہیں کیا۔ کلام کو طویل فرما دیا۔ نام کو نہیں کھولا۔

فرمایا..... وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ .....لمبی بات ہے نا! کتنے لفظ استعمال کرنے پڑے۔

سمجھو! جب کسی جگہ کسی تیسرے کا تذکرہ کرنے کا موقع آئے تو تم نام لے کر بات نہ کرنا، غیبت ہوگی۔ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ ضرورت پڑے تو تھرڈ پرسن (Third Person) کے صیغے میں اس کی بات کر دینا۔ تعلیم دی جا رہی ہے۔

اللہ والوں کو تین انعام:

اب جب یوسف علیہ السلام نے بات نہ مانی تو ان کو نو سال تک جیل میں ڈالا گیا۔ اب جیل کی زندگی دیکھئے! اپنا کوئی بھی نہیں۔ جیل ہے۔ مگر اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ تین چیزیں انعام کے طور پر دے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو علم بغیر کسب کے عطا فرما دیتے ہیں۔ علم لدنی جسے کہتے ہیں:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا

اللہ والوں کو تین چیزیں انعام میں ملتی ہیں۔ علم بغیر کسب کے ملتا ہے۔ عزت بغیر خاندان کے ملتی ہے۔ معمولی گھروں سے ہوتے ہیں۔ بلکہ کئی مرتبہ تو غلام ہوتے ہیں۔ امیر المؤمنین کے

سامنے جاتے ہیں تو اسے سیدنا کہہ کر پکار رہے ہوتے ہیں۔

علم بغیر کسب کے ملتا ہے، عزت بغیر خاندان کے ملتی ہے..... اور اللہ رب العزت ان کو انس بغیر جماعت کے عطا فرما دیتا ہے۔ لوگوں کی ضرورت نہیں ہوتی دل لگانے کے لئے۔ دل کیلئے وہ اکیلے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں ان کو مزا آتا ہے تو تنہائی، تنہائی نہیں رہتی۔

تم میرے ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

سیدنا یوسف علیہ السلام جیل میں اکیلے ہیں، لیکن اکیلے نہیں ہیں۔ اللہ ساتھ ہے۔ وقت گزارا وہاں کوئی مشکل نہ بنی۔ حتّٰی کہ جب اتنے سالوں کے بعد ایک آدمی پیغام لے کر آیا جناب! بادشاہ سلامت آپ کو بلا رہے ہیں۔

دوسرے بندے تو انتظار میں ہوتے ہیں۔ بات سن کر باہر کو بھاگیں۔ فرمایا کہ بادشاہ سے جا کر پہلے پوچھو کہ جو الزام لگا تھا، اس میں قصور کس کا تھا؟ دودھ کا دودھ کرو اور پانی کا پانی کرو۔

دل یوں لگتا ہے:

دیکھو! اللہ والوں کا کیسے دل لگتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں بھیج دیا گیا۔ وہاں ایک مجرم آیا ہوا تھا۔ حضرت کے پاس کچھ وقت بیٹھتا تھا۔ اس کا دل لگا اور اس نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کئی پارے ہو گئے۔ اتنے میں اوپر سے پروانہ آ گیا کہ آپ کی قید ختم، جائیں باہر۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک قرآن ختم نہ کرواؤں گا، جیل سے باہر نہیں جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا دل یوں لگا دیتے ہیں۔

عظمت کی بلندیوں پر:

چنانچہ یوسف علیہ السلام نے بھی یہی کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام اتنے کریم تھے، اتنے سال ان کو جیل کی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، مگر نکلنے سے پہلے انہوں نے کہا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرو۔

چنانچہ اس عورت نے خود بھی مانا..... اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ..... اقرار کیا۔ اور اس کے

خاوند نے بھی کہا کہ اچھا جانے دیں۔ بالکل یہی لفظ کہا کہ آپ اس معاملے کو اب جانے دیں۔ بلایا آ جاؤ۔

اب جب گئے تو عزیز مصر کہتا ہے..... اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ.....اک عزت کا مقام دیا۔ پروٹوکول دینا شروع کر دیا۔ بڑی عزت دی۔ وی آئی پی کو بلایا جا رہا ہے۔ یہ وی آئی پی کا مرتبہ کہاں سے ملا۔ وہ تو غلام تھے۔ وہ تو گھر کے خادم تھے۔ اب وی آئی پی بن گئے۔

عزیز طلباء! سوچیں۔ ان کو فرش سے اُٹھا کر عرش پر کس نے پہنچایا؟ علم نے پہنچایا۔ چنانچہ اس نے پوچھا کہ آپ کیا کریں گے۔ ہمیں یہ جو خواب آیا ہے۔ اس میں جو مشکل مرحلہ آئے گا۔ قحط آئے گا۔ ہم اس مصیبت سے کیسے نکلیں گے؟ فرمایا..... اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ..... مجھے آپ خزانوں کا مالک بنا دیں۔ آگے یوں کہا تھا؟.....انی حسین جمیل ..... میں بڑا حسین و جمیل ہوں؟ بلکہ فرمایا..... اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ .....کس بات کا تذکرہ کیا کہ میرے پاس علم ہے۔ معلوم ہوا کہ آج جو عزتیں مل رہی ہیں۔ یہ ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں، علم و فضل و کمال کی وجہ سے ہیں۔

علم انسان کو عزتیں دیتا ہے۔ ایسی جگہ پر ان کو خزانے ملے، کوئی ووٹ بینک نہیں تھا ان کا کہ ان کے ووٹ زیادہ تھے کہ کرسی مل گئی۔ جانتا ہی کوئی نہیں تھا۔ پتہ ہی نہیں تھا کسی کو کہ کہاں کے ہیں۔ کوئی برادری نہیں۔ کوئی اور وہاں دوست نہیں۔ ایک اکیلے، تن تنہا مگر علم وہ نعمت ہے کہ جب اس کو انسان عملی جامہ پہنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اس کی وجہ سے، بندے کو پردیس میں بھی عزتیں دیتا ہے۔

پھر کیا ہوا۔ ایک موقع پر بھائی آئے۔ لمبا قصہ مختصر.....!

بڑے پریشان تھے۔ مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی دروازے میں داخل ہوئے تو کہنے گے.....يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ.....اے عزیز مصر!.....مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ .....ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو تنگ دستی نے بے حال کر دیا.....وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ.....اور ہم قیمت بھی وہ لائے ہیں کہ جو پوری نہیں ہے.....فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ..... ہمیں آپ گندم پوری دے دیں..... وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا.....ہمارے اوپر صدقہ خیرات کر دیں.....اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ..... اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

جیسے فقیر صدا دیتے ہیں۔ جو روٹی دے گا، اللہ اس کو عزتوں سے نوازے گا۔ بالکل بھائی اسی طرح صدا لگا رہے ہیں..... وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا..... ہمارے اوپر صدقہ وخیرات کر دیجئے..... إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ..... یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ معاملہ یہاں تک!..... یہ بھی تو نبی زادے ہیں۔

ایک نبی کے بیٹے ہیں۔ اب میرے سامنے خالی دامن کھڑے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں۔ ان سے پوچھا..... مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ ..... تم نے یوسف کے ساتھ کیا کام کیا تھا؟ ان کو توقع نہیں تھی۔ حیران، ہکے بکے۔ کہنے لگے ..... وَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ..... آپ یوسف ہیں؟..... قَالَ أَنَا يُوسُفُ..... کہا میں یوسف ہوں..... وَهَٰذَا أَخِي..... یہ میرا بھائی بنیامین ہے..... قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا..... اللہ نے ہم پر احسان کیا..... إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ..... بے شک جو آدمی تقویٰ اختیار کرتا ہے، صبر وضبط کا مظاہرہ کرتا ہے..... فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ..... اللہ ایسے نیک وکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا۔

ہر دور اور ہر زمانے میں جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح گناہ کرے گا۔ اس اُمید کے ساتھ کہ..... وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ..... توبہ کر کے معاف کرالیں، اللہ ان کو فرش پر کھڑا کریں گے۔

جو سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح..... قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ ..... کہہ کر گناہوں سے بچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو عرش پر کھڑا کر دیں۔

علم سے اعتماد ملتا ہے:

علم سے انسان کو اعتماد ملتا ہے۔ یقین ملتا ہے۔ علم سے انسان کو عزت ملتی ہے۔

علم اور عمل ایسی چیزیں ہیں کہ جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو یہ ایک طاقت بن جاتی ہے۔

اب دیکھیں! اگر ایک آدمی چینی کھائے تو اس کو شفا نہیں ہوتی۔ گلاب کے پھول کھالے شفا نہیں ہوتی۔ دونوں کو ملا کر گل کو اور قند کو "گل قند" بنالے اور پھر کھائے تو شفا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی ہے نا!

ایک بندہ دال کھائے۔ شفا نہیں ہوتی۔ اُبلے چاول کھالے۔ شفا نہیں ہوتی۔ دونوں کو

ملا کر کھچڑی بنالے، شفا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کے ملنے میں شفا رکھی ہے۔

علم الگ ہے۔ اکیلا ہے۔ نجات کا ذریعہ نہیں بنتا۔ صرف علم پر نجات ہوتی تو شیطان کی نجات ہو جاتی۔ صرف عمل پر بھی نجات نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ علم کے بغیر اگر عمل کرے گا تو اس میں کوتاہی ہوگی۔

یہ دونوں چیزیں جب ملتی ہیں۔ پھر اس میں شفا آتی ہے۔ پھر یہ انسان کے مسئلوں کو حل کر دیتی ہے۔ اس لئے کہ علم بغیر عمل کے تھیم ہے۔ تھیم کہتے ہیں بانجھ کو۔ جس عورت کے بچے نہ ہوں۔ جو بندہ عمل ہی نہیں کرتا، کہتا ہے کہ میں بڑا عالم ہوں۔ وہ بھی بانجھ عورت کی طرح ہے۔ علم بغیر عمل کے کیا ہے؟ بانجھ ہے۔ تھیم ہے۔ عمل بغیر عمل کے تھیم ہے۔ صوفی بنا پھرتا ہے۔ علم سے ذرا مناسبت نہیں۔ بدعات کا مرتکب ہوگا یا کوئی نہ کوئی اُلٹے سیدھے کام کر بیٹھے گا۔ علم بغیر عمل کے تھیم ہوتا ہے اور عمل بغیر علم کے تھیم ہوتا ہے۔ جب علم اور عمل ملتے ہیں تو یہ صراطِ مستقیم ہوتا ہے۔

علم وعمل کی طاقت:

علم اور عمل مل کر ایک طاقت اور قوت بنتے ہیں۔

چلیں! قرآن عظیم الشان میں سے مثال لیں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کا تذکرہ چل رہا تھا۔ ان کو ایک موقع پیش آ گیا۔ جب وہ چاہتے تھے کہ ملکہ بلقیس کے تخت کو منگوائیں۔ ان کے پاس تو جن تھے۔ عفریت تھے بڑے طاقت والے۔ آج کل کے طلباء کہتے ہیں کہ کوئی جن ہمارے قبضے میں آ جائے تو ہمارے کام سنور جائیں۔ کئی تو جن کی تلاش میں خود جن بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مدرسہ والوں کے لئے سنبھالنا مشکل ہے۔ ذرا موقع ملے، کسی کی چیز بغیر اجازت استعمال کر لی۔ کسی کو پریشان کر دیا۔ وہ بھی جن کی طرح ہوتے ہیں، جن کے بچے قابو نہیں آتے۔

خیر! اس موقع پر سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس جنوں کی جماعت تھی۔ پوچھا..... يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا .....اے میرے امراء! میرے اسمبلی کے ممبرو!..... اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ .....تم میں سے کون ہے کہ جو اس کا تخت میرے پاس پہنچائے، اس سے پہلے کہ وہ خود پیش ہو جائے..... قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ .....جنوں میں سے ایک طاقت ور عفریت اُٹھا

اور کہنے لگا..... اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ .....حضرت! آپ کی مجلس برخاست کرنے سے پہلے پہلے میں یہاں پہنچا دیتا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ یہ تو بہت دیر ہے۔ مجھے جلدی چاہئے۔ جب کہا کہ جلدی چاہئے تو اب جن بھی حیران.....دوسرا جن کوئی بولا نہیں، کہ دوسرا بول پڑتا کہ اچھا جی! میں اس سے پہلے لے کر آتا ہوں۔ جہاں جن بھی اپنے کو Help Less کہتے ہیں کہ جی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

اللہ کا ایک بندہ اُٹھتا ہے..... قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ .....کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔

معلوم ہوا کہ علم وہ طاقت ہے کہ انسان ایسے کام کر دیتا ہے کہ جو کام جن بھی نہیں کر سکتے۔ علم قوت بن جاتی ہے۔ اس نے کیا کہا..... اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ .....میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ آپ پلک کو جھپکیں..... فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ .....یہ اللہ کا فضل ہو جائے گا۔

ہم بھی اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنا فضل عطا فرما۔ علم پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

ہمارے اکابرین جتنے بھی تھے، سارے کے سارے علم کو طلب کرنے والے، اس پر عمل کرنے والے اور اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کو راضی کرنے والے تھے۔ خوش نصیب ہیں وہ طلباء جن کی دستار بندی ہوئی کہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ دعا ہے کہ جس طرح یہ حافظ قرآن بنے، اللہ تعالیٰ ان کو قاری قرآن بھی بنا دے۔ عالم بھی بنا دے۔ عامل بھی بنا دے۔ ناشر قرآن بھی بنا دے۔ داعی قرآن بھی بنا دے۔ اللہ ان بچوں کو عاشق قرآن بھی بنا دے۔ بات تو یہاں آتی ہے۔ عشق سے مانجھا دل ہے، پھر رنگ چڑھتا ہے۔

عبادت ہی عبادت:

یہ علم اللہ رب العزت کو اتنا محبوب ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ چند چیزوں کو دیکھنا عبادت ہے۔ بیت اللہ کو شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن مجید کو دیکھنا عبادت ہے۔ زم زم کے کنویں کے اندر دیکھنا عبادت ہے۔ ماں باپ کے چہرے کو محبت وعقیدت کی نظر سے دیکھنا عبادت ہے۔

حدیث پاک میں فرمایا کہ عالم باعمل کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

عبادت کیوں بنایا؟ دیکھو! جب کوئی کاریگر کوئی چیز بناتا ہے، جس پر دل خوش ہوتا ہے کہ اچھا پیس بن گیا ہے تو وہ اس کو ماڈل بنا کر لوگوں کو دکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جو بندہ بنتا ہے اور اس کے چہرے پر پھر علم وعمل کا نور ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے ماڈل بنا کر پھراتے ہیں کہ تم نے ایسے بننا ہے۔ ان کے چہروں کو دیکھنا عبادت بنا دیا گیا۔

علماء کی نیند عبادت ہے:

ایک حدیث پاک میں فرمایا..... نوم العلماء عبادة .....علماء کی نیند بھی عبادت ہے۔

بڑی عجیب سی بات لگتی ہے۔ جب تک جاگتے ہیں، چلو وہ علمی کام میں مصروف ہیں کہ یہ تو عبادت بن گئی۔ سونے پر عبادت کا ثواب کیوں دیا گیا؟ ہمارے اکابر نے اس کو مثال سے سمجھایا۔ فرمایا:

تم لکڑی کا کاریگر اپنے گھر لاتے ہو۔ وہ تمہارے گھر کا دروازہ بنا رہا ہے۔ اب دروازہ بناتے ہوئے اس کی آری کے دندانے جو تھے خراب ہو گئے، کاٹتے ہی نہیں۔ اس کو ایک گھنٹہ لگتا ہے اپنی آری کے دندانے تیز کرنے کے لئے.....لیکن جتنی دیر اس آری کو تیز کرنے میں لگی، کبھی کوئی بندہ اس مزدوری کو کم نہیں کرتا جو طے ہوئی ہے کہ ایک گھنٹہ تو تم نے آری کو ٹھیک کیا۔ تم تو اپنے اوزار ٹھیک کرتے رہے۔

کاریگروں کا دستور ہوتا ہے، اوزار کام کے دوران جو خراب ہوتے ہیں، ان کے ٹھیک کرنے کا وقت بھی مزدوری کے اندر شامل ہوتا ہے۔ بالکل اللہ رب العزت نے یہی فرمایا کہ یہ میرے علماء ہیں۔ جاگتے ہوئے دین کا کام کر رہے ہیں۔ اب ان کا جسم تھک گیا۔ اب یہ اس لئے سو رہے ہیں کہ جسم کو سکون مل جائے اور پھر اُٹھ کر دین کا کام کریں۔ فرمایا کہ یہ وہ مزدور ہے کہ اس کے جسم کی تھکاوٹ دور کرنے میں جو وقت لگ رہا ہے، اس پر بھی ان کو عبادت کا ثواب عطا کر دیتا ہوں۔

علم حصول جنت کا ذریعہ:

یہ علم اللہ تعالیٰ کو اتنا پسندیدہ ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے

سے خوش ہوتے ہیں عام بندے سے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لئے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں۔

جب اللہ رب العزت کسی عالم سے خوش ہوتے ہیں، اس کے لئے جنت میں شہر آباد فرما دیتے ہیں۔ شہر آباد کر دیتے ہیں۔

عجیب سی بات لگتی ہے۔ جی ہاں! دنیا میں آپ نے دیکھا کہ بعض لوگ نواب ہوتے ہیں۔ یہ جی نواب آف کالا باغ۔ اب کالا باغ میں جتنے لوگ ہیں، سب ان کی رعایا۔

جنت میں علماء کو اللہ نواب بنائیں گے۔ جنت کے نواب ہوں گے۔ شہر بنا دیں گے۔ فرمائیں گے کہ جو تم سے مسئلے پوچھتے تھے، سوال پوچھتے تھے..... المرء مع من احب ..... تم اکیلے نہ جاؤ۔ بلکہ شہر کے ان باسیوں کو ساتھ لے کر جنت جاؤ۔

تین کے لئے جنت کا وعدہ:

اس لئے جس شخص نے روٹی کا سوال کیا، روٹی کا سوال اگر اس کا پورا کر دیا گیا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ تین بندوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

ایک کمانے والے کی، دوسرے پکانے والے کی اور تیسرا گھر سے روٹی لے کر سائل کو پہنچانے والے کی۔

نبی علیہ السلام نے جب یہ خوش خبری سنائی اور خوشی کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے کہ جس نے ثواب میں ہمارے نوکروں، خادموں اور غلاموں کو بھی نہیں بھلایا۔

بھائی! کمانے والے کی مغفرت سمجھ میں آتی ہے۔ پکانے والے کی محنت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ اب مالک کے کہنے پر جس نے روٹی اُٹھا کر دے دی، اس کی کیا محنت لگی؟ فرمایا نہیں، عمل میں تو شریک ہے۔ چونکہ نیکی کے عمل میں شریک رہا۔ اس لئے یہ بھی برکت سے محروم نہیں رہے گا۔ ہم اس کی بھی مغفرت فرما دیں گے۔

روٹی کا سوال کرنے پر کتنوں کی مغفرت ہوئی؟ تین کی مغفرت۔

علم کا سوال اور چار جنتی:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ علم کا سوال کرنے پر اللہ رب العزت چار بندوں کی مغفرت

فرماتے ہیں۔ فرمایا اس طالب علم کی جو سوال پوچھنے والا تھا، اللہ تعالیٰ سب سے پہلے مغفرت فرمادیتے ہیں۔

سائل جو روٹی مانگنے والا تھا، اس کی مغفرت کا وعدہ نہیں۔ اس نے روٹی کا سوال کیا، روٹی مل گئی۔ مقصد پورا ہوگیا۔ ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ ضرورت پوری ہوگئی۔

علم کا سوال کرنا میرے اللہ کو اتنا پسند ہے کہ فرمایا کہ جو طالب علم، علم کا سوال کرتا ہے، سب سے پہلے اس کی مغفرت ہوتی ہے۔

دوسرا جو اُستاد اس کا جواب دیتا ہے۔ اللہ اس جواب دینے والے اُستاد کی بھی مغفرت فرماتے ہیں۔

تیسرا جو پاس بیٹھے ہوتے ہیں مجمع میں، ہم جماعت سن رہے ہوتے ہیں، اللہ ان سامعین کی بھی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

چوتھا فرمایا کہ اس مجلس کے قیام کا جو لوگ سبب بنے۔ تاجر ہیں، کارخانہ دار ہیں، امراء ہیں..... مگر دل میں علم کے ساتھ محبت ہے۔ وہ ان مدارس کے قیام کا سبب بن رہے ہیں۔ عمارتیں بنادیتے ہیں۔ کھانے کی چیزیں لاکر دے دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس مجلس کے قیام کا سبب بنے۔ ان محبت کرنے والوں کی گھر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ بخشش فرمادیتے ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ طلباء جو اپنے گھروں سے علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کا آنا اور ان کا یہاں علم کے لئے قیام کرنا، رہنا قبول فرمالے..... اور قیامت میں اللہ ان کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

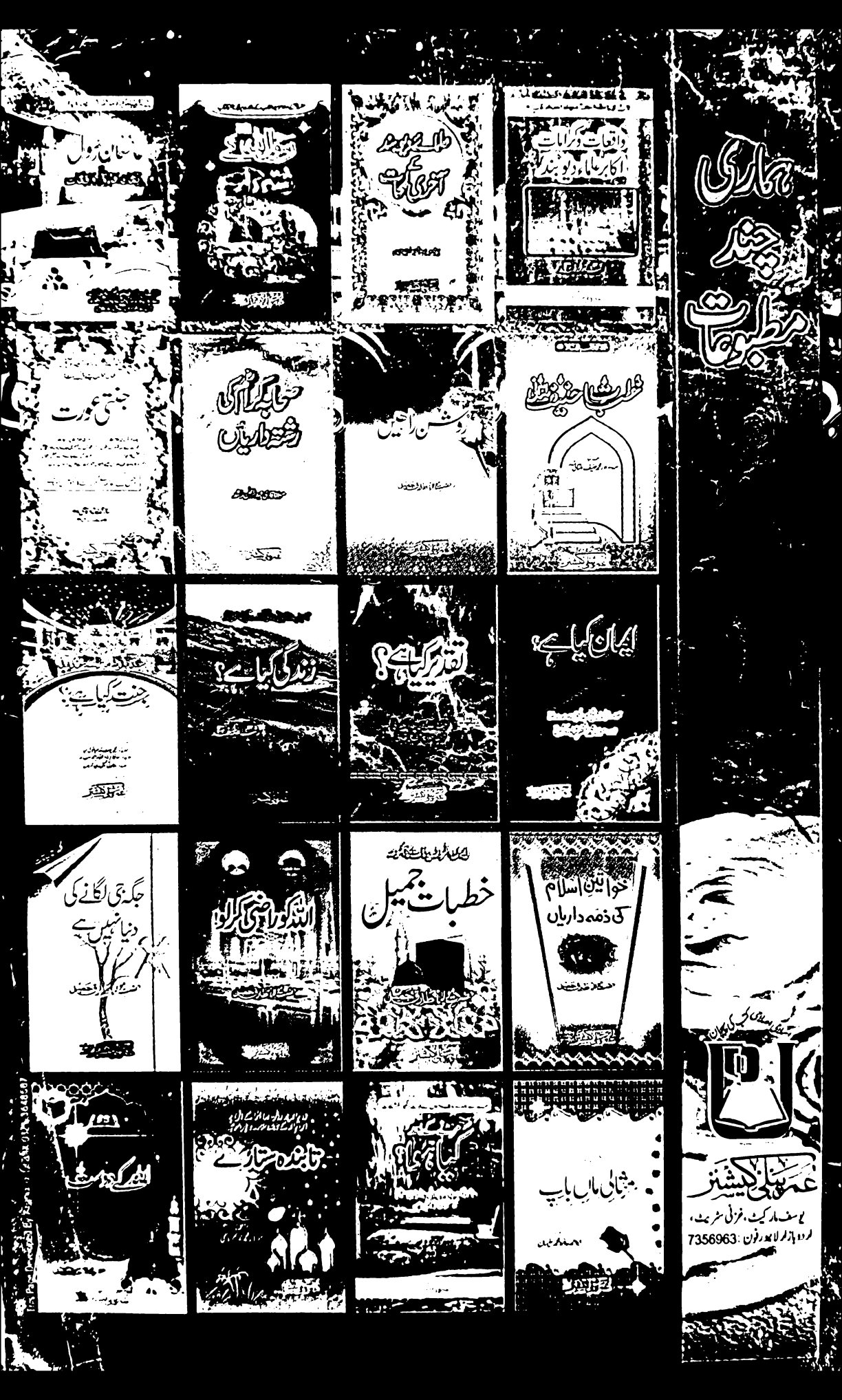

ہماری چند مطبوعات
واقعات و کرامات اکابر علماء دیوبند
آخری لمحات
جنتی عورت
صحابہ کرامؓ کی رشتہ داریاں
روشن راہیں
خطبات حنیف
ایمان کیا ہے؟
تقدیر کیا ہے؟
زندگی کیا ہے؟
جنت کیا ہے؟
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
اللہ کو راضی کر لو!
خطبات جمیل
خواتین اسلام کی ذمہ داریاں
تابندہ ستارے
مثالی ماں باپ
عمر پبلی کیشنز
یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ،
اردو بازار لاہور فون: 7356963